۴۸۶

:۔(قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ):۔

ادْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ

الحمد للّٰہ والمنۃ کہ فصول ثلاثین من الاربعین مصنّفہ حجۃ الاسلام حضرت امام غزالیؒ

منتخبہ حضرت حکیم الامۃ مجدد الملۃ محمد اشرف علی صاحب تھانوی مدّ فیوضہم کا ترجمہ

المعروف بہ

تبلیغ دین محشی

... عاشق الٰہی صاحب مولوی فاضل میرٹھی

... از مولانا جمیل احمد صاحب تھانوی

برائے رفاہ عام احقر محمد اسحاق نے بعد تصحیح اغلاط عمدہ کاغذ پر

اپنے

کتب خانہ رحیمیہ دیوبند ضلع سہارنپور سے شائع کیا

قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے

:۔(مطبوعہ دہلی پرنٹنگ ورکس دہلی):۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تمام تعریفیں صرف خدائے پاک کیلئے ہیں اور درود و سلام اسکے آخری رسول اور انکی آل و اصحاب پر اما بعد حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی صاحب سرپرست مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور نے امام حجۃ الاسلام محمد بن محمد ابو حامد غزالی کی تصنیف کتاب الاربعین کے آخری تیس اصول کا یہ ترجمہ سنہ ۱۳۲۳ میں کر کے شائع کیا تھا خداداد مقبولیت نے اسے عوام میں بھی پسند کرایا اور کورس کے نصاب میں بھی داخل کرا دیا تو سنہ ۱۳۵۹ تک اسکے ۸-۹ اڈیشن طبع ہو گئے مگر چونکہ طلباء کو بعض دشوار لفظوں اور بعض دعاؤں کے ترجمہ نہ ہونیکی اور ناظرین کو حدیثوں کے حوالے مطالب اور ان مضامین کے صحیح مفہوم نہ معلوم ہونیکی شکایت تھی جو بظاہر شریعت کے مخالف معلوم ہوتے ہیں اور علماء کو اسکی بعض حدیثوں کے صحیح نہ ہونیکا شبہ تھا اسلئے اس اڈیشن میں انتہائی اختصار کیساتھ ان سب ضرورتوں کو پورا کیا گیا ہے امید ہے کہ سب اہل اسلام طلباء و علماء اور ناظرین اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے اور اسکی اشاعت میں تمام سعی کرنیوالوں کیواسطے دعائے خیر کرینگے۔

تقریظ حضرت حکیم الامۃ مولانا اشرف علی صاحب دام مجدہم

حامدًا و مصلیًا کہتا ہے عاجز اشرف علی عفی عنہ اس جزو زمان میں اجزائے دین میں سے جزو اخلاق و تہذیب نفس کو عوام نے اعتقادًا اور خواص نے عمدًا کالمحذوف و المطروح کر دیا اس سے جو مفاسد دینیہ و تمدنیہ پیدا ہو رہے ہیں ہویدا ہیں علاج اسکا یہی ہے کہ اسکی تعلیم اور اسپر تنبیہ کیجائے چنانچہ سلف نے اسی واسطے مختلف و متعدد کتابیں لکھیں ان سب میں زیادہ سہل المأخذ جامع تصانیف امام غزالیؒ کی ہیں پھر ان میں رسالہ "اربعین حضر و السفر" ہے لیکن عربی میں ہونیکی وجہ سے محتاج تھا ترجمہ اردو کا جو کہ ہمارے ملک کی عام زبان ہے اسلئے میری تمنا تھی کہ اسکا ترجمہ ہو جاوے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے ہمارے مولانا عاشق الٰہی سلمہ اللہ تعالیٰ کو کہ اس کام کو نہایت خوبی کیساتھ انجام دیا میں نے بھی بعض بعض مقامات اسکے دیکھے ترجمہ بہت ہی پسند آیا مطلب خیز اور نشاط انگیز اگر زیادہ فرصت ہوتی تو میں حرفًا حرفًا اسکے دیکھنے کا مشتاق تھا اللہ تعالیٰ اسکو نافع اور مقبول بنادے آمین۔ اشرف علی

(بقیہ حاشیہ صفحہ) اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ طفَاغْفِرْلِيْ وَتُبْ عَلَيَّ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ط اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِيْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ وَاجْعَلْنِيْ مِنْ عِبَادِكَ الصَّالِحِيْنَ وَاجْعَلْنِيْ عَبْدًا صَبُوْرًا شَكُوْرًا اَذْكُرُكَ ذِكْرًا كَثِيْرًا وَاُسَبِّحُكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ط اسکے بعد تین بار سورہ انا انزلنا پڑھے ۱۲ مترجم ۲ اے اللہ میں آپکی پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ وہ میرے پاس آئیں ۱۲ ۳ اے اللہ میں آپسے سوال کرتا ہوں سعادت اور برکت کا اور پناہ مانگتا ہوں نحوست اور ہلاکت سے ۴ اے اللہ مجھے اپنی کتاب کی تلاوت اور ذکر و شکر کی کثرت پر مدد دیجئے ۵ اے اللہ مجھے جنت کی خوشبو سنگھائیے اور آپ مجھ سے راضی رہیں ۶ اے اللہ میں آپکی پناہ طلب کرتا ہوں دوزخ کی بو اور اس جیسے برے گھر سے ۷ اے اللہ جس دن آپکے دوستوں کے چہرے نورانی ہوں میرے چہرہ کو بھی نورانی کیجئے اور جس دن آپکے دشمنوں کے چہرے سیاہ کئے جاویں میرا چہرہ سیاہ نہ کیجئے ۸ اے اللہ میرا اعمالنامہ میرے داہنے ہاتھ میں دیجئے اور میرا حساب سہل کیجئے ۹ اے اللہ میں اس سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں کہ آپ میرا اعمالنامہ بائیں ہاتھ میں یا پیٹھ پیچھے سے دیں ۱۰ اے اللہ مجھے ان لوگوں میں سے کر دیجئے جو بات سنکر اچھی کی پیروی کرلیتے ہیں اے اللہ مجھے نیکوں کیساتھ جنت کی منادی سنائیے ۱۱ اے اللہ میری گردن کو دوزخ سے آزادی دلائیے اور میں آپکی پناہ مانگتا ہوں زنجیروں اور طوقوں سے ۱۲ اے اللہ میرے قدم کو اپنے سیدھے راستے پر ثابت رکھئے ۱۳ اے اللہ میں آپکی پناہ چاہتا ہوں اس سے کہ میرا قدم پل صراط پر پھسل جائے جسدن کہ منافقوں کے قدم آگ میں کو پھسل جائینگے ۱۴ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ تنہا ہیں کوئی انکا شریک نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد آپکے بندے اور آپکے رسول ہیں اے اللہ میں آپکی پاکی بیان کرتا ہوں اور حمد کرتا ہوں آپکے سوا کوئی معبود نہیں میں نے برے عمل کئے ہیں اپنی جان پر ظلم کیا ہے آپسے بخشش چاہتا ہوں اور آپ کی طرف رجوع کرتا ہوں کہ میں آپ کا خوب ذکر کیا کروں اور صبح و شام آپ کی پاکی بیان کیا کروں ۱۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اعمالِ ظاہری کے دس اصول ہیں

پہلی اصل نماز کا بیان

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ "میری یاد کے لئے نماز قائم کرو" اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں نماز دین کا ستون ہے "خوب سمجھ لو کہ تم نماز میں اپنے پروردگار سے باتیں کرتے ہو لہذا دیکھ لیا کرو کہ نماز کیسی پڑھ رہے ہو اور چونکہ اللہ پاک نے اقامۃ صلوٰۃ یعنی نماز کے درست کرنیکا حکم فرمایا ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ نماز اور نماز کے متعلق تمام ضرورتوں کی پوری رعایت کرو لہذا نماز میں ان تینوں باتوں کا پورا لحاظ رکھنا چاہیئے۔ **اول** نماز سے پہلے وضو کی نگہداشت کرو اور اسکا طریقہ یہ ہے کہ وضو میں جسقدر سنتیں اور مستحبات ہیں اُنکو بجا لاؤ اور ہر عضو کے دھونیکے وقت وہ دعا پڑھو جو حدیث میں آئی ہے اور اسکے ساتھ ہی کپڑوں کا اور وضو کے پانی کا خیال رکھو کہ دونوں پاک ہوں لیکن اسمیں اتنا مبالغہ نہ کرو کہ وسواس تک نوبت پہنچ جائے کیونکہ یہ وسوسہ شیطانی ہے اور شیطان اکثر عبادت کرنے والے نیک بندوں کے اوقات اسی کشمکش و پیچ میں ضائع کرتا ہے۔

لہ بیہقی ضعیفہ ابو نعیم مرسل ابن حجر کہتے ہیں اسکے سب راوی ثقہ ہیں اور بہت طرق سے ہے ۱۲ عہ یعنی وضو سے پہلے اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ؕ پڑھکر بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھے۔ اسکے بعد ہاتھ دھونے پر اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْيُمْنَ وَالْبَرَكَةَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ الشُّؤْمِ وَالْهَلَاكَةِ ؕ اور کلی کرتے وقت اَللّٰهُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی تِلَاوَةِ كِتَابِكَ وَكَثْرَةِ الذِّكْرِ لَكَ وَالشُّكْرِ لَكَ ؕ ناک میں پانی ڈالتے وقت اَللّٰهُمَّ اَرِحْنِیْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَاَنْتَ عَنِّیْ رَاضٍ ؕ ناک سنکنے کے وقت اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ رَوَائِحِ النَّارِ وَمِنْ سُوْءِ الدَّارِ ؕ منہ دھوتے وقت اَللّٰهُمَّ بَيِّضْ وَجْهِیْ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهُ اَوْلِيَائِكَ وَلَا تُسَوِّدْ وَجْهِیْ يَوْمَ تَسْوَدُّ وُجُوْهُ اَعْدَائِكَ داہنا ہاتھ کہنی تک دھوتے وقت اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِیْ كِتَابِیْ بِيَمِيْنِیْ وَحَاسِبْنِیْ حِسَابًا يَّسِيْرًا ؕ اور بایاں ہاتھ دھوتے وقت اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ تُعْطِيَنِیْ كِتَابِیْ بِشِمَالِیْ اَوْ مِنْ وَّرَاءِ ظَهْرِیْ ؕ سر کا مسح کرتے وقت اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ اَللّٰهُمَّ اَسْمِعْنِیْ مُنَادِیَ الْجَنَّةِ مَعَ الْاَبْرَارِ ؕ گردن کا مسح کرتے وقت اَللّٰهُمَّ فُكَّ رَقَبَتِیْ مِنَ النَّارِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ السَّلَاسِلِ وَالْاَغْلَالِ داہنا پاؤں دھوتے وقت اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْ قَدَمِیْ عَلٰی صِرَاطِكَ الْمُسْتَقِيْمِ ؕ بایاں پاؤں دھوتے وقت اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ تَزِلَّ قَدَمِیْ عَلَی الصِّرَاطِ يَوْمَ تَزِلُّ اَقْدَامُ الْمُنَافِقِيْنَ فِی النَّارِ ؕ اور وضو کے بعد کھڑے ہو کر یہ دعا پڑھے اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ؕ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ عَمِلْتُ سُوْءًا وَّظَلَمْتُ نَفْسِیْ

جاننا چاہیئے کہ نمازی کے کپڑوں کی مثال ایسی ہے جیسے کسی پھل کے اوپر کا چھلکا اور بدن کی مثال ایسی ہے جیسے اندر کا چھلکا اور قلب کی مثال ایسی ہے جیسے اندر کی گری اور مغز اور ظاہر ہے کہ مقصود مغز ہوا کرتا ہے اسی طرح اس ظاہری پاکی سے بھی قلب کا پاک ہونا اور نورانی بنانا مقصود[۱] ہے شاید تم کو یہ شبہ ہو کہ کپڑے کے دھونے سے قلب کس طرح پاک ہو سکتا ہے لہٰذا سمجھ لو کہ حق تعالیٰ نے ظاہر اور باطن میں ایک ایسا خاص تعلق رکھا ہے جسکی وجہ سے ظاہری طہارت کا اثر باطنی طہارت تک ضرور پہنچتا ہے چنانچہ جب چاہے دیکھ لو کہ جب تم وضو کرکے کھڑے ہوتے ہو تو اپنے قلب میں ایسی صفائی اور انشراح[۲] پاتے ہو جو وضو سے پہلے نہ تھی اور ظاہر ہے کہ یہ وضو ہی کا اثر ہے جو بدن سے آگے بڑھکر دل تک پہنچا ہے۔ **دوم** نماز کے جملہ ارکان خواہ سنتیں ہوں یا مستحبات اور ذکر ہو یا تسبیح سب کو اپنے اپنے قاعدہ پر ادا کرو اور یاد کرو کہ جس طرح بدن کی ظاہری طہارت نے قلب کی باطنی صفائی میں اثر دکھایا تھا اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ نماز کے ارکان کا اثر قلب میں ہوتا ہے اور نورانیت پیدا کرتا ہے اور جس طرح مریض کو دوا پینے سے ضرور نفع ہوتا ہے اگرچہ وہ دوا کے اجزاء کی تاثیروں سے واقف نہ ہو اسی طرح تم کو نماز کے ارکان ادا کرنے سے ضرور نفع پہنچے گا۔ اگرچہ تمھیں اُس کے اسرار اور رموز سے واقفیت نہ ہو۔

جاننا چاہیئے کہ جاندار مخلوق کی طرح حق تعالیٰ نے نماز کو بھی ایک صورت اور روح مرحمت فرمائی ہے چنانچہ نماز کی روح تو نیت اور حضورِ قلب ہے اور قیام و قعود نماز کا بدن ہے اور رکوع و سجدہ نماز کا سر اور ہاتھ پاؤں ہیں اور جسقدر اذکار و تسبیحات نماز میں ہیں وہ نماز کے آنکھ کان وغیرہ ہیں اور اذکار و تسبیحات کے معنی کو سمجھنا گویا آنکھ کی بینائی اور کانوں کی قوتِ سماعت وغیرہ ہے اور نماز کے تمام ارکان کو اطمینان اور خشوع[۳] و خضوع کیساتھ ادا کرنا نماز کا حسن یعنی بدن کا سڈول اور رنگ و روغن کا درست ہونا ہے الغرض اس طرح پر نماز کے اجزاء اور ارکان کو بحضورِ قلب پورا کرنے سے نماز کی ایک حسین جمیل اور پیاری صورت پیدا ہو جاتی ہے اور نماز میں جو تقرب نمازی کو حق تعالیٰ سے حاصل ہوتا ہے اسکی مثال ایسی سمجھو جیسے کوئی خدمتگار اپنے بادشاہ کی خدمت میں کوئی خوبصورت کنیز[۴] ہدیہ پیش کرے اور اس وقت اُس کو بادشاہ کا تقرب حاصل ہو پس اگر تمھاری نماز میں خلوص نہیں ہے تو گویا مُردہ اور بیجان کنیز بادشاہ کے نذر کر رہے ہو اور ظاہر ہے کہ یہ ایسی گستاخی و بیباکی ہے کہ ایسا گستاخ شخص اگر قتل کر دیا جائے تو عجب نہیں اور اگر نماز میں رکوع و سجدہ نہیں ہے تو گویا لنگڑی لولی اور اپاہج لونڈی نذر کرتے ہو اور اگر ذکر و تسبیح اس میں نہیں ہے تو گویا لونڈی کے آنکھ کان نہیں ہیں اور اگر سب کچھ موجود ہے مگر ذکر و تسبیح کے معنی نہیں سمجھے اور نہ دل متوجہ ہوا تو ایسا ہے جیسے کنیز کے اعضا تو سب موجود ہیں لیکن اُن میں حس و حرکت بالکل نہیں یعنی حلقۂ چشم موجود ہے مگر بینائی نہیں ہے اور کان موجود ہیں مگر بہری ہے کہ سنائی نہیں دیتا ہاتھ پاؤں ہیں مگر شل اور بیحس ہیں۔ مگر تم خود سمجھ سکتے ہو کہ اندھی بہری کنیز شاہی نذرانہ میں قبول ہو سکتی ہے یا نہیں؟ شاید تمھیں یہ شبہ ہو کہ جب نماز کے فرض اور واجب ادا کر دیئے جاتے ہیں تو علمائے شریعت اُس نماز کے صحیح ہوجانیکا فتوی دیتے ہیں

وضو کرنے اور کپڑوں کی طہارت میں ایک عجیب حکمت

نماز پڑھنے سے بہرحال نفع ہے اگرچہ اس کے اسرار کو نہ سمجھے

نماز کی روح اور اعضاء

بلا حضورِ قلب والی نماز کی صحت پر علماء کا فتوی اور شبہ کا جواب۔

[۱] یعنی ہو ۱۲ مصنف وجہ یہ کہ ظاہر کی پاکی بھی مقصود ہے جیسا کہ شرع کہتی ہے ۱۲ [۲] کھلنا یا فرحت ۱۲ [۳] عاجزی و انکساری ۱۲ [۴] باندی لونڈی زر خرید ۱۲

خواہ معنی سمجھے ہوں یا نہ سمجھے ہوں اور جب نماز صحیح ہوگئی تو جو مقصود تھا وہ حاصل ہوگیا اس سے معلوم ہوا کہ معنی کا سمجھنا نماز میں ضروری نہیں ہے" لہٰذا سمجھ لو کہ علماء کی مثال طبیب کی سی ہے پس اگر کوئی لونڈی اپاہج اور کیسی ہی عیب دار کیوں نہ ہو اگر اس میں روح موجود ہے تو طبیب اُسکو دیکھکر ضرور یہی کہے گا کہ یہ زندہ ہے مردہ نہیں ہے اسی طرح نماز کی روح اور اعضائے رئیسہ کے موجود ہونے سے علما فتویٰ دیدیں گے کہ نماز صحیح ہے اور فاسد نہیں ہے۔ ایسی صورت میں طبیب نے اور عالم نے اپنے منصب کے موافق جو کچھ کہا وہ صحیح کہا ہے مگر نماز تو شاہی نذرانہ اور سلطانی تقرب حاصل ہونے کی حالت ہے اور اتنا تم خود سمجھ سکتے ہو کہ عیب دار کنیز اگرچہ زندہ ہے مگر سلطانی نذرانہ میں پیش کرنیکے قابل نہیں ہے بلکہ ایسی کنیز کا تحفہ پیش کرنا گستاخی اور شاہی عتاب کا موجب ہے اسی طرح اگر ناقص نماز کے ذریعہ سے اللہ کا تقرب چاہو گے تو کچھ عجب نہیں کہ پھٹے پرانے کپڑے کی طرح لوٹا دی جائے اور مُنھ پر پھینک ماری جائے۔ الغرض نماز سے مقصود چونکہ حق تعالیٰ کی تعظیم ہے لہٰذا نماز کے سنن اور مستحبات و آداب میں جس قدر بھی کمی ہوگی اُسی قدر احترام و تعظیم میں کوتاہی سمجھی جائیگی۔

سوم۔ نماز کی رُوح کا زیادہ لحاظ رکھو یعنی نماز میں شروع سے اخیر تک اخلاص اور حضورِ قلب[1] قائم رکھو اور جو الفاظ زبان سے کہتے ہو یا جو کام اعضا سے کرتے ہو اُن کا اثر دل میں بھی پیدا کرو اس کا یہ مطلب ہے کہ جب رکوع میں بدن جُھکے تو دل بھی عاجزی کیساتھ جُھک جانا چاہیئے اور جب زبان اَللّٰہُ اَکْبَر کہے تو دل میں بھی یہی ہو کہ بیشک اللہ سے بڑی کوئی چیز نہیں ہے اور جب اَلْحَمْدُ پڑھو تو قلب بھی اللہ کی نعمتوں کے شکریہ سے لبریز ہو اور جس وقت زبان سے اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ نکلے تو دل میں اپنے ذلیل و ضعیف اور محتاج ہونیکا اقرار کرے یعنی قلب میں بھی یہی ہو کہ بیشک بجز خدا کے کسی چیز کا نہ مجھے اختیار ہے نہ کسی دوسرے کو۔ غرض تمام اذکار و تسبیحات اور جملہ ارکانُ حالات میں ظاہر ُ باطن یکساں اور ایک دوسرے کے موافق ہونا چاہیئے اور سمجھ لو کہ نامۂ اعمال میں نماز وہی لکھی جاتی ہے جو سوچ سمجھکر پڑھی گئی ہو۔ پس جتنا حصہ بغیر سمجھے ادا ہوگا وہ درج نہ ہوگا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ شروع شروع پوری طرح حضورِ قلب قائم رکھنے میں تم کو بہت دشواری معلوم ہوگی لیکن اگر عادت ڈالو گے تو رفتہ رفتہ ضرور عادت ہوجائیگی اسلئے اسکی طرف توجہ کرو اور اس توجہ کو آہستہ آہستہ بڑھاؤ مثلاً اگر تمھیں چار فرض پڑھنے ہیں تو دیکھو کہ اس میں حضورِ قلب کس قدر حاصل ہوا؟ فرض کرو کہ ساری نماز میں دو رکعت کی برابر تو دل کو توجہ رہی اور دو رکعت کی برابر غفلت رہی تو ان دو رکعتوں کو نماز میں شمار ہی نہ کرو اور اتنی نفلیں پڑھو کہ جن میں دو رکعت کی برابر حضورِ قلب حاصل ہوجاوے۔ غرض جتنی غفلت زیادہ ہو اُسی قدر نفلوں میں زیادتی کرو حتیٰ کہ اگر دس نفلوں میں چار فرض رکعتوں کا حضورِ قلب پورا ہوجائے تو امید کرو کہ حق تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے فرائض کا نقصان ان نفلوں سے پورا فرما دیگا اور اس کمی کا تدارک[6] نوافل سے منظور فرمالے گا۔

---

[1] یہ مضمون طبرانی کی روایت کا ہے جو ضعیف مگر فضائل میں معتبر ہے ۱۲ [2] دل کا متوجہ ہونا ۱۲ [3] اللہ ہر شے سے بہت بڑے ہیں ۱۲ [4] ہم آپ کی ہی عبادت کرتے ہیں اور آپ سے ہی مدد چاہتے ہیں ۱۲ [5] ابن المبارک نے عمار سے روایت کیا ہے غیر عقلی ہونیکی وجہ سے حدیث کے درجہ میں ہے ۱۲ [6] مضمون حاکم نے روایت کیا ۱۲ ÷

دوسری اصل زکوٰۃ اور صدقہ و خیرات کا بیان

فضیلت زکوٰۃ و صدقات

حق تعالیٰ شانہ فرماتا ہے کہ "جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اُن کی مثال اُس دانہ کی طرح ہے جسمیں سات بالیں ہوں کہ ہر بال میں سَو دانے" اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "جنھوں نے اپنا مال دو ہتڑ بھر بھر کر راہِ خدا میں لٹایا ہے وہی ہلاکت سے نجات پائیں گے" چونکہ صدقات و خیرات میں مخلوق کی ضرورتیں اور محتاجوں کے فاقے رفع ہوتے ہیں اسلئے یہ بھی دین کا ایک ستون ہے اور اسمیں حکمت یہ ہے کہ چونکہ مخلوق کو اللہ سے محبت رکھنے کا حکم ہے اور مسلمان بندے محبتِ خدا کا دعویٰ بھی کرتے ہیں لہذا اللہ پاک نے مال خرچ کرنیکو اپنی محبت کا معیار اور آزمائش کی کسوٹی بنا دیا ہے تاکہ مدعیانِ ایمان کے دعوے کا جھوٹ سچ کھل جائے کیونکہ عام قاعدہ ہے کہ انسان اپنے اُس محبوب کے نام پر جسکی محبت قلب میں زیادہ ہوتی ہے اپنی تمام مرغوب اور پیاری چیزیں لٹا دیا کرتا ہے پس مال جیسی پیاری چیز کا حق تعالیٰ کے نام پر خرچ کر ڈالنا خدا کیساتھ محبت کی بڑھے ہوئے ہونیکی علامت ہے اور بخل کرنا خدا کی محبت نہ ہونے کی دلیل ہے

نمبر ۱ خیرات دینے والا

صدقہ و خیرات دینے والے مسلمان تین طرح کے ہیں۔ ایک تو وہ ہیں جنھوں نے جو کچھ بھی پایا پاس سب راہِ خدا میں دیدیا اور خدا کے ساتھ محبت رکھنے کا دعویٰ سچ کر دکھایا مثلاً حضرت صدیق عتیق رضی اللہ عنہ کو جو کچھ بھی گھر میں تھا اُنھوں نے سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں لا رکھا اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ "اے ابوبکر اپنے لئے کیا رکھا"؟ تو عرض کیا کہ "اللہ اور اللہ کا رسول" اسی موقع پر حضرت فاروق رضی اللہ عنہ بھی بغرض خیرات مال لائے تھے اور اُن سے بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی سوال کیا تھا کہ "اے عمر تم نے اپنے لئے کیا رکھا"؟ تو اُنھوں نے جواب دیا کہ "جس قدر لایا ہوں اُسی قدر چھوڑ آیا ہوں" اُس وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "تم دونوں کے مرتبوں کا فرق تم دونوں کے جواب سے ظاہر ہے"۔

نمبر ۲ خیرات دینے والا

دوسرے درجہ میں وہ متوسط لوگ ہیں جو سارا مال تو خدا کے نام پر نہیں لٹاتے مگر اسکے ساتھ ہی اپنے نفس پر بھی ضرورت سے زیادہ خرچ نہیں کرتے بلکہ محتاج بندوں کی حاجتیں ظاہر ہونیکے منتظر رہتے ہیں اور جسوقت کوئی مصرف پاتے یا کسی کو محتاج دیکھتے ہیں تو بدریغ مال خرچ کر ڈالتے ہیں یہ لوگ اپنے مال کی زکوٰۃ یعنی مقدار فرض ہی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ سارے مال کو خدا ہی کیلئے خرچ کرنے کی نیت رکھتے ہیں کہ مال پاس رکھنے سے انکی غرض اسکو راہِ خدا ہی میں خرچ کرنیکی ہے البتہ موقع اور محل کا انتظار ہے

نمبر ۳ خیرات دینے والا

تیسرے درجہ میں وہ کمزور مسلمان ہیں جو زکوٰۃِ واجبہ ہی کے ادا ہونیکو غنیمت سمجھتے ہیں کہ اگر اس سے زیادہ خیرات نہیں کرتے تو مقدارِ واجب میں حبّہ برابر کمی بھی نہیں کرتے۔ ان تینوں گروہوں کے مرتبوں کا فرق اور حق تعالیٰ کے ساتھ محبت کی مقدار ان کے خرچ کی حالت سے خود ہی سمجھ لو پس اگر تم پہلے اور دوسرے درجہ تک نہ پہنچ سکو تو کم سے کم تیسرے درجہ سے بڑھکر متوسط لوگوں کے ادنیٰ طبقہ تک تو پہنچنے کی کوشش تو ضرور کرو کہ مقدارِ واجب کے علاوہ روزانہ کچھ کچھ صدقہ کر دیا کرو اگرچہ روٹی کا ذرا سا ٹکڑا ہی

لے مضمون مسلم و بخاری ۱۲ سے جس سے کسی چیز کا اندازہ لگایا جاسکے ۱۲ سے سچا و آزاد کیا ہوا۔ دونوں حضرت ابوبکر کے لقب ہیں کہ سچے اور دوزخ سے آزاد کئے ہوئے تھے ۱۲ سے حضرت عمر کہ حق و باطل میں خوب فرق کرنیوالے تھے ۱۲ شہ یہ مضمون دو حدیثوں کا ایک کر دیا گیا اول کو ترمذی نے حسن و صحیح کہکر اور دوم کو ابو نعیم نے مرسل و جید بیان کیا ہے ۱۲ سے مستحق ۱۲ شہ بلا افسوس ۱۲ شہ دانہ ۱۲ +

کیوں نہ ہو پس اگر ایسا کروگے تو بخیلوں کے طبقہ سے اوپر چڑھ جاؤگے اور اگر تم مفلس تہیدست ہو تو یہ نہ سمجھو کہ صدقہ مال ہی میں منحصر ہے اور ہم اس سے معذور ہیں نہیں بلکہ اپنی عزت و جاہ آرام و آسائش قول و فعل غرض جس پر بھی تم کو قدرت ہو اسکو اللہ کے نام پر خرچ کرو مثلاً بیمار کا پوچھنا جنازہ کیساتھ جانا اور حاجت کے وقت محتاج کی مدد کر دینا مثلاً کسی مزدور کا بوجھ بٹا لینا۔ یا سہارا لگا دینا یا سعی و سفارش سے کسی کا کام نکلوا دینا اور نیک بات کہنا یعنی ہمت بندھانا ڈھارس دلانا وغیرہ یہ سب امور صدقہ ہی میں شمار ہوتے ہیں اور یہ ایسے صدقات ہیں جن کیلئے مالدار ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ زکوٰۃ و صدقات میں پانچ باتوں کا زیادہ خیال رکھنا چاہیئے۔

نفلی صدقات اور انکی فضیلت

اول جو کچھ بھی دیا کرو وہ لوگوں سے چھپا کر دیا کرو کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ چھپا کر خیرات کرنا پروردگار کے غصہ کو بجھاتا ہے اور جو مسلمان شخص اپنے دائیں ہاتھ سے اس طرح خیرات کرے کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو تو وہ ان سات بندوں کیساتھ محشور ہوگا جن پر حق تعالیٰ قیامت کے دن سایہ فرمائیگا جبکہ اسکے سایہ کے سوا کہیں سایہ نہ ہوگا۔ اور اسمیں حکمت یہ ہے کہ صدقہ سے مقصود بخل کی بدخصلت کا دور کرنا ہے مگر اس میں ریا کے خطرناک مرض کا اندیشہ ہے اسلئے چھپا کر دینے کے سبب ریا سے نجات مل جائیگی کیونکہ مسلمان جب قبر میں رکھدیا جاتا ہے تو ریا سانپ کی صورت اور بخل بچھو کی شکل بنکر اس کو تکلیف پہنچاتا ہے۔ پس جس نے خیرات کرنے سے جی چرایا اور بخل اختیار کیا تو اس نے اپنی قبر میں کاٹنے کیلئے بچھو بھیجدیئے اور اگر کسی نے خیرات تو کی مگر دکھاوے اور نمود کی غرض سے کی ہے تو بچھو کو گویا سانپ کی غذا بنا دیا اس صورت میں بچھو سے تو نجات مل گئی مگر سانپ کی زہریلی قوت اور زیادہ ہوگئی کیونکہ بخل کا منشا پورا ہوا تو بچھو کا زور بڑھیگا اور ریا کا منشا پورا ہوا تو سانپ کا زور زیادہ ہوگا۔ **دوم** جسے خیرات دیا کرو اس پر احسان نہ سمجھو اور اسکی شناخت یہ ہے کہ مثلاً تم نے کسی محتاج کو خیرات کے طور پر کچھ دیا اور اس سے شکر گذاری کی توقع رکھی یا مثلاً وہ تمہارے ساتھ کچھ بدسلوکی سے پیش آیا تمہارے دشمن کے ساتھ محبت کرنے لگا تو تم کو اس قدر ناگوار گذرا کہ اگر صدقہ دینے سے پہلے یہی صورت پیش آتی تو یقیناً اتنا ناگوار نہ گذرتا تو اس سے صاف سمجھ میں آگیا کہ تم نے اس محتاج پر اپنا احسان سمجھا جبھی تو اس کی بدسلوکی پر اتنا طیش آیا۔ لہٰذا اس کا علاج یہ ہے کہ تم اس محتاج کو اپنا محسن سمجھو کہ جس نے تم سے صدقہ کا مال لیکر تم کو حق خداوندی سے سبکدوش کر دیا اور تمہارے مرض بخل کا طبیب بن گیا کیونکہ تمھیں معلوم ہو چکا ہے کہ زکوٰۃ و خیرات سے مقصود بخل کا دور کرنا ہے پس مال زکوٰۃ گویا بخل کا دھوون ہوا یہی وجہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زکوٰۃ و صدقہ کا مال اپنے خرچ میں نہ لاتے اور فرمایا کرتے تھے کہ یہ مال کا میل ہے تو جس مسلمان نے تمہارے بخل کا دھوون اور تمہارے مال کا میل لیکر تمھیں اور تمہارے مال کو پاک صاف بنا دیا تو بھلا تمھیں بتاؤ کہ اس کا تم پر احسان ہوا یا تمہارا اس پر احسان ہوا؟ بھلا اگر کوئی جراح مفت فصد کھولکر تمہارا وہ ناقص خون نکالدے جو تمہاری دنیوی زندگی کیلئے مضر ہے تو کیا تم اس کو اپنا محسن نہیں سمجھتے؟ اسی طرح جو شخص تمہارے قلب سے بخل کے فاسد مادہ کو کہ جس کے ضرر کا حیات اخروی میں اندیشہ ہے بلا معاوضہ لئے ہوئے مفت نکالدے تو اس کو بدرجۂ اولیٰ اپنا محسن و خیرخواہ سمجھنا چاہیئے۔ **تیسری** بات یہ ہے کہ عمدہ سے عمدہ اور پاکیزہ مال خیرات کرو کیونکہ جو چیز تمھیں ناپسند ہو اسکا اللہ کے نام

صدقہ کو چھپانے کی فضیلت

احسان جتلانے کا امتحان

احسان کرنے والے محسن کی مثال

خالی ہاتھ ۱۲ ۔ گھر ہوا ۱۲ بخاری و مسلم کی کئی حدیثوں میں ۱۲ ابن عساکر ضعیف عن عزیزہ حسن بخیر طبرانی کی صحیح ۱۲ مضمون بخاری و مسلم ۱۲ اٹھایا ہوا ۱۲

پر دینا کیسے مناسب ہو سکتا ہے۔ تم سُن ہی چکے ہو کہ اس سے مقصود دعویٰ محبتِ خداوندی کا امتحان ہے پس جیسی بُری یا بھلی چیز اللہ پاک کے نام پر خیرات کروگے اس سے خود معلوم ہو جائیگا کہ تمھیں اللہ کیساتھ کسقدر محبت ہے۔ **چوتھی** بات یہ ہے کہ تمھیں جو کچھ دینا ہو ہنستے ہنساش بشاش اور خندہ رُو ہو کر دیا کرو کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "ایک درہم لاکھ درہم سے بڑھ جاتا ہے" اسکا مطلب یہی ہے کہ جو ایک درہم نیک نیتی اور خوشی کیساتھ دیا گیا ہے وہ اُن لاکھ درہموں سے بڑھا ہوا ہے جو ناگواری کیساتھ دیئے گئے ہیں۔ **پانچویں** بات یہ ہے کہ صدقہ کیلئے محل و مصرف عمدہ تلاش کیا کرو یعنی یا تو کسی پرہیزگار عالم کو دیا کرو تاکہ تمھارا مال کھانے سے اسکو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور تقویٰ پر قوت اور اعانت حاصل ہو یا کسی عیالدار نیک بخت مسلمان کو دو اور اگر یہ تمام اوصاف ایک شخص میں جمع نہ ہوں تو جسمیں ایک وصف بھی پایا جاوے وہ بھی تمھارا صدقہ پاک ہو جانے کیلئے کافی ہے البتہ نیک بختی کا لحاظ سب سے مقدم ہے کیونکہ دنیا کا مال و متاع بندوں کیلئے اسی واسطے مہیا کیا گیا ہے تاکہ اُنکی ایام گذاری ہو سکے اور ان چند روزہ ایام میں آخرت کا توشہ اُن کو حاصل ہو جائے۔ تو جو لوگ درحقیقت سفرِ آخرت میں مشغول ہیں اور اس عالمِ فانی کو راستہ کا پڑاؤ اور گویا مسافر خانہ سمجھے ہوئے ہیں وہی تمھارے پیسے کے مصرف ہونے چاہئیں۔ دیکھو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ "پرہیزگاروں کو کھانا کھلایا کرو اور اپنا تبرع و سلوک اہلِ ایمان ہی کو پہنچایا کرو"

(حاشیہ: عمدہ مال صدقہ دینا اور نفس پر بہت گراں ہونا۔ اور دوسرے پرہیزگار مستحق کو دینا اور چھپا کر دینا۔)

تیسری اصل روزہ کا بیان

(حاشیہ: روزہ کی فضیلت)

حدیث میں آیا ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ "ہر نیکی کا دس گونہ سے سات سو گونہ تک نامۂ اعمال میں ثواب لکھا جاتا ہے مگر روزہ خاص میرا ہے اور میں خود ہی اس کا صلہ جو چاہونگا دونگا" اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "ہر شے کا ایک دروازہ ہوتا ہے اور عبادات کا دروازہ روزہ ہے" روزہ پر اس قدر اجر و ثواب کا سبب دو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ **اول** یہ کہ روزہ کھانے پینے اور مباشرت کے چھوڑنے کا نام ہے اور یہ ایسا پوشیدہ کام ہے کہ جس پر حق تعالیٰ کے سوا کوئی آگاہ نہیں ہو سکتا اور اسکے علاوہ جتنی عبادتیں ہیں مثلاً نماز تلاوت زکوٰۃ حج یہ سب ایسی عبادتیں ہیں جن پر دوسرے لوگ بھی واقف ہو سکتے ہیں پس روزہ وہی مخلص مسلمان رکھیگا جسکو لوگوں میں اپنے عابد و زاہد کہلائے جانے کا شوق اور ریا و نمود کی محبت نہ ہوگی۔ **دوسری** وجہ یہ ہے کہ روزہ سے دشمنِ خدا یعنی شیطان مغلوب ہوتا ہے کیونکہ جسقدر نفسانی خواہشیں ہیں سب پیٹ بھرنے پر اپنا زور دکھاتی ہیں اور شیطان انہیں خواہشات کو واسطہ بنا کر مسلمان کا شکار کرتا ہے اور جب روزہ کی وجہ سے مسلمان بھوکا رہا اور تمام خواہشیں کمزور پڑ گئیں تو شیطان مجبور اور بے دست و پا ہو گیا چنانچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "ماہِ رمضان میں جنت کے دروازے کھولدیئے جاتے ہیں شیطان پابزنجیر ہو جاتا ہے اور ہاتفِ غیبی پکارتا ہے کہ اے بھلائی کے طلبگار آگے بڑھو اور اے بدکار رُو باز آؤ" خوب سمجھ لو کہ روزہ کی تین قسمیں تو کیفیت کے اعتبار سے ہیں اور تین ہی درجے اسکی مقدار کے

ملہ خوش خوش ۱۲ ؏ہ ہنس مکھ ۱۲ ؏ہ نسائی ابن خزیمہ ابن حبان اور حاکم نے مسلم کی شرط پر صحیح بتایا ہے ۱۲ ؏ہ ابو یعلیٰ ابن ابی الدنیا حسن ہے ۱۲ ؏ہ بخاری مسلم نسائی ۱۲ ؏ہ یعنی سب سے محبوب ہے یا یہ کہ قلم تحریر میں نہ آ سکیگا ۱۲ ؏ہ ابن المبارک نے بطور مرسل و حسن ۱۲ ؏ہ بخاری مسلم ترمذی ابن ماجہ مسند احمد کی حدیثوں کا خلاصہ ہے ۱۲ ؏ہ لیکن اسکا مطلب یہ نہ سمجھو کہ جب تک ناگواری دل سے نہ نکلے خیرات نہ دیجائے کیونکہ ابتدا میں ناگواری ضرور ہوتی ہے ایسے وقت میں اس ناگواری پر عمل کرنا اور لعنت کی رہ میں ہی طبیعت پر زور ڈالکر دیدینا یہ بھی اعلیٰ درجہ کا مجاہدہ اور ہمت کا کام ہے اور مجاہدہ ہی کی وجہ سے امید ہے کہ خود اسی میں ثواب بڑھجاوے ۱۲ ؎

اعتبار سے ہیں ادنیٰ درجہ تو یہ ہے کہ صرف رمضان کے فرض روزے ہر سال رکھ لیا کرے اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ جس طرح حضرت داؤد علیہ السلام روزہ رکھتے تھے اسی طرح ایک دن تو روزہ رکھے اور دوسرے دن نہ رکھے پھر تیسرے دن رکھے اور چوتھے دن نہ رکھے۔ روزمرہ روزہ رکھنے کی بہ نسبت یہ صورت بدرجہا[1] بہتر ہے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ ہمیشہ روزہ رکھنے سے بھوکا رہنے کی عادت ہو جاتی ہے اور عادت ہوئے پیچھے شکستگی اور قلب میں صفائی اور خواہشات نفسانی میں ضعف و کمزوری محسوس نہ ہوگی حالانکہ روزہ سے یہی مقصود ہے دیکھو مریض جب دوا کا عادی ہو جاتا ہے تو پھر دوا کچھ بھی نفع نہیں دیتی۔ یہی سبب ہے کہ حضرت عبداللہ ابن[2] عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روزہ کی بابت دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ ایک دن روزہ رکھو اور دوسرے دن کھاؤ پیو انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں اس سے بھی اعلیٰ درجہ چاہتا ہوں تو آپ نے جواب دیا کہ اس سے اعلیٰ درجہ کوئی نہیں ہے۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی کہ فلاں شخص ہمیشہ روزہ رکھتا ہے تو آپ نے فرمایا ایسا روزہ رکھنا نہ رکھنا دونوں برابر ہے

صوم داؤدی کی فضیلت

متوسط درجہ یہ ہے کہ عمر کا تہائی حصہ روزہ میں صرف ہو جائے۔ لہذا مناسب ہے کہ ماہ رمضان کے علاوہ ہر ہفتہ میں دوشنبہ اور پنجشنبہ کا روزہ رکھ لیا کرو۔ اس حساب سے سال بھر میں چار ماہ اور چار یوم کے روزے ہو جائینگے مگر چونکہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ اور ایام تشریق میں روزہ رکھنا حرام ہے اور ممکن ہے کہ دونوں عیدیں دوشنبہ یا پنجشنبہ کو پڑیں اور ایام تشریق میں سے ایک دن تو ضرور پیر یا جمعرات کو ہوگا اسلیئے چار مہینے اور ایک دن کے روزے ہو جائینگے اور بارہ مہینے کے تہائی یعنی چار مہینے سے صرف ایک دن زیادہ رہیگا۔ یہ تہائی عمر کا حساب ذرا غور کرنے سے بآسانی سمجھ میں آجائیگا۔ اس مقدار سے روزہ کم کرنا مناسب نہیں ہے کیونکہ اس میں آسانی بھی ہے اور ثواب بہت زیادہ ہے اور روزہ کی کیفیت کے اعتبار سے تین قسمیں یہ ہیں ایک تو عوام کا روزہ ہے کہ صرف روزہ توڑنے والی چیزوں یعنی کھانے پینے اور جماع سے بچتے ہیں اگرچہ بدن سے گناہ کئے جائیں سو یہ نام ہی کا روزہ ہے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ بدن کے کسی عضو سے بھی کوئی کام خلاف شرع نہ ہو یعنی زبان غیبت سے محفوظ رہے اور آنکھ نامحرم کو بری نگاہ کے ساتھ دیکھنے سے بچی رہے وغیرہ اور تیسرا[3] خاص روزہ خاص بندوں کا ہے کہ اعضائے بدن کیساتھ اُن کا قلب بھی فکر و وساوس سے محفوظ رہتا ہے اور سوائے ذکر الٰہی کے کسی چیز کا بھی اُنکے دل میں گذر نہیں ہونے پاتا۔ یہ کمال کا درجہ ہے اور چونکہ اس کا حاصل کرنا ہر شخص کا کام نہیں ہے اسلیئے

دوشنبہ اور پنجشنبہ کے روزہ کی حکمت

کم سے کم اتنا خیال تو ضرور رکھنا چاہیئے کہ ایسے کھانے پر روزہ افطار کیا کرو جو بلاشبہ حلال اور پاک ہو اور وہ بھی اتنا نہ کھاؤ کہ جس سے معدہ بھاری اور بدن کسلمند ہو جائے کہ تہجد کو بھی آنکھ نہ کھلے یعنی ایسا نہ کرو کہ دن کے چھوٹے ہوئے کھانے کی بھی تلافی افطار کے وقت کرنے لگو۔ کیونکہ ایسا کرنے والوں کو روزہ کا اتنا نفع نہیں ہوتا جتنا کسل کی وجہ سے نقصان ہو جاتا ہے۔

حلال اور قلیل غذا سے افطار کی حکمت

چوتھی اصل حج کا بیان

حق تعالیٰ فرماتا ہے "لوگوں پر اللہ واسطے حج بیت اللہ فرض ہے جس کسی میں بھی وہاں تک پہنچنے کی طاقت ہو اور

[1] مضمون حدیث بخاری و مسلم ۱۲ [2] بخاری و مسلم ۱۲ [3] مسلم کچھ فرق سے ۱۲

رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو صاحبِ استطاعت مسلمان بغیر حج کئے مرگیا اُسے اختیار ہے کہ یہودی ہوکر مرے یا نصرانی ہوکر۔ حج بھی دین کا ستون ہے۔ حج کے اعمال و ارکانِ ظاہری کا بیان چونکہ احیاء العلوم میں ہوچکا ہے لہذا اس جگہ حج کے رموز اور آداب بیان کرنے مقصود ہیں۔ پس جاننا چاہیئے کہ آدابِ حج سات ہیں۔ **اوّل**[۱] یہ کہ سفر سے پہلے حلال زادِ راہ اور کوئی نیک بخت ساتھی تلاش کرو کیونکہ حلال توشہ سے قلب میں نور پیدا ہوگا اور رفیق صالح تم کو گناہوں سے روکتا اور نیک کام یاد دلاتا رہیگا۔ **دوم**۔ اس سفر میں تجارت[۲] کا خیال بالکل نہ رکھو کیونکہ طبیعت کے تجارت کی جانب متوجہ ہوجانے سے زیارتِ حرمین شریفین کا ارادہ خالص اور بے لوث نہ رہیگا۔ **سوم**۔ راستہ میں کھانے کے اندر وسعت کرو اور رفقائے سفر اور نوکروں چاکروں اور کرایہ داروں کو خوش رکھو اور کسی کے ساتھ سختی سے بات نہ کرو بلکہ نہایت خلق و محبت اور نرم گفتاری سے سفر ختم کرو۔ **چہارم**۔ فحش گوئی اور جھگڑے اور فضول بکواس اور دنیا کے معاملات کی بات چیت کو بالکل چھوڑ دو اور ضروری حاجتوں سے فارغ ہونیکے بعد اپنی زبان کو تلاوتِ کلام اللہ اور ذکرِ الٰہی میں مشغول رکھو۔ **پنجم**۔ شقدف یا شبری یعنی شان کی سواری پر سوار نہ ہو بلکہ بار برداری کے اونٹ پر بیٹھ جاؤ تاکہ دربارِ حق تعالیٰ میں پراگندہ حال غبار آلودہ اور مسکینوں محتاجوں کی سی ذلیل و خستہ حالت سے حاضری ہو۔ اس سفر میں بناؤ سنگار اور زیادہ آرام طلبی کا خیال بھی نہ لاؤ۔ **ششم**۔ کبھی کبھی سواری سے اُتر کر پیدل بھی ہو لیا کرو کہ اسمیں سواری کے مالک کا بھی دل خوش ہوگا اور سواری کو بھی آرام ملیگا۔ اور نیز تمہارے ہاتھ پاؤں بھی حرکت کرنے سے چست و چالاک رہیں گے۔ **ہفتم**۔ جو کچھ بھی اس سفر میں خرچ ہو جائے یا جس قسم کا بھی مالی نقصان یا تکلیف اور مصیبت اُٹھانی پڑے تو اُس پر خوشدل رہو اور اُسکو اپنے حج کے مقبول ہونیکی علامت سمجھو اور اپنے پروردگار سے ثواب کی اُمید رکھو۔ حج کی عبادت میں رموز و اسرار تو بہت ہیں مگر ہم صرف دو مضمون بیان کرتے ہیں۔ **اوّل**[۳] یہ کہ حج اُس رہبانیت کا بدل ہے جو پہلی اُمتوں میں رائج تھی۔ حدیث میں آیا ہے کہ اُمتِ محمدیہ کی رہبانیت حق تعالیٰ نے حج کی عبادت کو بنادیا ہے۔ اوّل بیت عتیق یعنی سب سے پہلے بنے ہوئے مکان کو حق تعالیٰ نے شرف عنایت کیا اُس کو اپنی جانب منسوب فرمایا۔ اور بیت اللہ نام رکھدیا پھر اسکے گرد و نواح کو حرم گردانا۔ میدانِ عرفات کو حرم کا صحن بنایا۔ اور اسکا شرف اس طرح ظاہر فرمایا کہ نہ وہاں شکار کرنا جائز ہے نہ درخت کاٹنا حلال۔ سو ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ شانہ مکان سے منزہ ہے اور گھر یا مکان کا محتاج نہیں وہ سب کو محیط ہے اور اُسے کوئی جگہ اپنے احاطہ میں نہیں لے سکتی۔ پس اُس نے خانہ کعبہ کو جو اپنی جانب منسوب کیا اور اُسکے طواف کا لوگوں کو حکم دیا تو اسمیں حکمت یہ ہے کہ بندوں کی غلامی کا اظہار اور اُنکی بندگی کا امتحان ہو جائے اور فرمانبردار غلام اپنے آقا

آداب سفرِ حج بیت اللہ شریف

اسرار و حکمت حج بیت اللہ اور رہبانیتِ اسلامی

---

[۱] ابن عدی اور ترمذی۔ کچھ فرق ہے ۱۲ [۲] اور کوئی یہ وسوسہ دل میں نہ لائے کہ قرآن کے اندر تو سفرِ حج میں تجارت کی اجازت دی ہے۔ بات یہ ہے کہ اوّل تو امام غزالیؒ تجارت کو ممنوع نہیں بتلاتے جو خلافِ قرآن ہو دوم صحابہ میں اور ہم میں یہ فرق ہے کہ وہ حضرات تجارت بھی اعانتِ دین کیلئے کرتے تھے اور ہم حج کو بھی تجارت کیلئے کرینگے ۱۲ [۳] مطلب یہ ہے کہ شان دکھلانے کو ملامت کرو باقی رفع تکلیف کیلئے مضائقہ نہیں ہے ۱۲ (مولانا اشرف علی صاحب تھانوی) +

ارکانِ حج کی مشروعیت کے اسرار

کے دربار میں دور دراز جگہوں سے بالقصد زیارت کرنے کو جوق جوق ایسی حالت سے آئیں کہ بال بکھرے ہوئے ہوں غبار آلودہ ہوں شاہی ہیبت و جلال سے سراسیمہ و پریشان حال ہوں ننگے سر ننگے پاؤں مسکین و محتاج بنے ہوئے ہوں اور اسی مصلحت سے اس عبادت میں جسقدر بھی اعمال و ارکان مقرر کئے گئے ہیں وہ سب بعید از عقل ہیں تاکہ ایسے اعمال کا ادا کرنا محض حق تعالیٰ کے حکم کی تعمیل سمجھ کر ہو اور کوئی طبعی خواہش یا عقلی حکمت کا اتباع اسکا باعث نہ ہو۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ "بار آلہا ہم اپنی عبودیت و غلامی کا اظہار کرنیکو عبادتِ حقہ یعنی حج میں حاضر ہیں"

دوسرا مضمون یہ ہے کہ سفرِ حج کی وضع بالکل سفرِ آخرت کی سی ہے اور مقصود یہ ہے کہ حجاج کو اعمالِ حج ادا کرنے سے مرنیکا وقت اور مرنیکے بعد پیش آنیوالے واقعات یاد آجائیں۔ مثلاً شروع سفر میں بال بچوں سے رخصت ہوتے وقت سکراتِ موت کے وقت اہل و عیال سے رخصت ہونیکو یاد کرو اور وطن سے باہر نکلنے وقت دنیا سے جدا ہونیکو اور سواری کے جانور پر سوار ہوتے وقت جنازہ کی چارپائی پر سوار ہونے کو یاد کرو۔ احرام کا سفید کپڑا پہنتے وقت کفن میں لپٹنے کو اور پھر میقاتِ حج تک پہنچنے میں جنگل و بیابان قطع کرتے وقت اُس دشوار گذار گھاٹی کے قطع کرنے کو یاد کرو جو دنیا سے باہر نکلکر میقاتِ قیامت تک عالم برزخ یعنی قبر میں تم کو کاٹنی ہے راستہ میں ہر نوں کی ہول و ہراس کے وقت منکر و نکیر کے سوالات اور اسکی بیکسی میں ہول و ہراس کا خیال کرو۔ جنگلی درندوں سے قبر کے سانپ بچھو کیڑوں مکوڑوں کو یاد کرو اور میدان میں رشتہ داروں اور عزیز و اقارب سے علیحدہ تن تنہا رہجانیکے وقت قبر کی تنہائی اور وحشت کو یاد کرو۔ اور جسوقت چیخ چیخ کر اَللّٰهُمَّ لَبَّیْكَ پڑھو تو زندہ ہونے اور قبروں سے اُٹھنے کے وقت اُس جواب کو یاد کرو جو حق تعالیٰ کی ندا کیوقت میدانِ حشر میں حاضری کیلئے تم عرض کروگے۔ غرض اسی طرح ہر عمل میں ایک عبرت اور معاملہ آخرت کی یاد دہانی ہے جس سے ہر شخص جسقدر بھی اس میں قلب کی صفائی اور دین کی ضروریات کے خیال رکھنے کی وجہ سے استعداد ہوگی آگاہی حاصل کرسکتا ہے

پانچویں اصل تلاوت قرآن مجید کا بیان

فضیلت تلاوت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "میری اُمت کیلئے سب سے بہتر عبادت کلام اللہ کی تلاوت ہے"[1] حدیث قدسی میں آیا ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ "جو بندہ قرآن شریف کی تلاوت میں مشغول ہو کر دعا نہیں مانگ سکا میں اسکو بے مانگے اتنا دونگا کہ مانگنے والوں کو اتنا نہ دونگا"[2] تلاوتِ قرآن شریف کے ظاہری آداب تین ہیں۔

تلاوت کے ظاہری آداب

اوّل[3] یہ کہ تلاوت کرتے وقت دل میں بھی کلام اللہ کا احترام ہو اور چونکہ ظاہر کو باطن تک اثر پہنچانے میں بہت دخل ہے اسلئے جب ظاہری صورت احترام کی پیدا کی جائیگی تو قلب میں بھی احترام پیدا ہو جائیگا۔ اور ظاہری احترام کی صورت یہ ہے کہ وضو کر کے نہایت سکون کیساتھ گردن جھکائے ہوئے قبلہ کی طرف منہ کر کے دو زانو اس طرح بیٹھو جس طرح اُستاد کے سامنے بیٹھتے ہیں اور تجوید کے موافق حروفِ قرآنیہ کو مخارج سے نکالو اور ایک حرف کو دوسرے سے علیحدہ علیحدہ ٹھیر ٹھیر کر تلاوت کرو۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اگر میں سورہ اِنَّا اَنْزَلْنَا اور اَلْقَارِعَةُ یعنی چھوٹی سورتیں سوچ سوچکر تلاوت کروں تو اس سے زیادہ

[1] بیہقی حسن بغیرہ ۱۲ [2] ترمذی۔ حسن غریب ۱۲ [3] مضمون عبدالرزاق ۱۲ +

بہتر سمجھتا ہوں کہ سورۂ بقرہ اور آل عمران فرفر پڑھ پڑھ جاؤں۔ **دوم**۔ کبھی کبھی تلاوت کی فضیلت کا انتہائی درجہ حاصل کرنیکا شوق تم بھی کیا کرو۔ کیونکہ تم آخرت کی تجارت کیلئے دنیا میں آئے ہو۔ اسلئے جہانتک ممکن ہو زیادہ نفع کمانیکی کوشش کرو۔ یوں تو تلاوتِ کلام اللہ سے کسی طرح بھی کیوں نہ ہو خواہ بیٹھے ہو یا لیٹے ہو باوضو ہو یا بے وضو اور خلوت میں ہو یا جلوت میں بہرحال نفع ہی نفع ہے۔ مگر بڑا نفع اسمیں ہے کہ شب کے وقت مسجد میں بحالتِ نماز کلام اللہ پڑھو حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جو شخص نماز میں کھڑے ہو کر قرآن شریف پڑھیگا اسکو ہر حرف کے بدلے سو نیکیاں ملیں گی اور نماز میں بیٹھکر قرآن شریف پڑھنے والے کو پچاس نیکیاں۔ اور نماز کے سوا دوسری حالت میں باوضو تلاوت کرنیوالے کو پچیس اور بلا وضو دس نیکیاں ملینگی۔" اب تم ہی سوچو کہ سوداگر بنکر زیادہ نفع کی حرص کیوں نہ کیجائے۔ **سوم**۔ تلاوت کی مقدار کا بھی لحاظ رکھو ادنیٰ درجہ تو یہ ہے کہ مہینے میں ایک مرتبہ ختم کرو اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ تین دن میں ختم کرو کہ مہینہ بھر میں دس ختم ہوں اور متوسط درجہ یہ ہے کہ ہر ہفتہ پورا قرآن شریف ختم کر لیا کرو۔ تین دن سے کم میں کلام مجید ختم کرنا مکروہ ہے کیونکہ سمجھ نہ سکو گے۔ اور بلا سمجھے پڑھنا گستاخی ہے۔ یہ نہ سمجھو کہ جب تلاوتِ کلام اللہ نافع ہے تو جسقدر بھی تلاوت زیادہ ہوگی اُسی قدر نفع زیادہ ہوگا۔ یہ تمہارا قیاس غلط ہے۔ خدا کے بھید کا سمجھنا انبیاء علیہم السلام ہی کا کام ہے۔ پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہیں کہ تین دن سے کم میں ختم مستحب نہیں ہے تو تم کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع لازم ہے۔ اور اپنی رائے کو دخل دینا کم سمجھی اور جہالت ہے۔ چنانچہ تم دیکھتے ہو کہ دوا بیمار کو نفع دیتی ہے لیکن اگر طبیب کی بتلائی ہوئی مقدار سے زیادہ دو گے تو دیکھ لو کہ مریض مریگا یا اچھا ہوگا؟ اسی طرح نماز حالانکہ عبادتوں میں اصل ہے مگر وہ بھی طلوع و غروب اور استوائے آفتاب کے وقت ناجائز اور صبح اور عصر کے فرضوں کے بعد مکروہ ہے۔ جب مرض کی دوا میں جسمانی طبیب کی بات بیچون و چرا مان لی جاتی ہے تو کیا وجہ ہے کہ روحانی علاج اور روحانی طبیب کی بتلائی ہوئی دوا میں اسکی مقدار کا لحاظ نہ رکھا جائے اور اسکے بڑھانے میں عقل کو دخل دیکر سوال کیا جائے کہ تین دن سے کم میں ختم کرنا کیوں ناجائز ہے۔ تلاوتِ کلام اللہ کے باطنی آداب پانچ ہیں۔

اول۔ جس طرح حق تعالیٰ کی عظمت و جلال دل میں ہے اسی طرح اُسکے کلام کی بھی عظمت قلب میں ہونی چاہیئے۔ مثلاً جب اللہ کی گوناگوں مخلوقات یعنی عرش و کرسی لوح و قلم آسمان زمین حیوان انسان جنات اور نباتات و جمادات کا تصور کرو گے تو ضرور خیال ہوگا کہ اس عالم کا پیدا کرنیوالا وحدہٗ لاشریک اور نہایت زبردست ایسا مدبر ہے کہ اُسکی قدرت کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ تمام عالم کی بقا اُسی کے فضل و کرم پر موقوف ہے۔ ایسے شاہنشاہ عالیشان کے فرمان واجب الاذعان یعنی قرآن مجید کی کیا وقعت و عظمت ہونی چاہیئے؟ یاد رکھو کہ جس طرح اُسکے الفاظ کو ہاتھ لگانے کیلئے طہارت اور وضو کی ضرورت ہے اسی طرح اُسکے معنی کو دل میں لانے کیلئے قلب کی طہارت اور تمام اخلاقِ رذیلہ سے پاکی لازم ہے۔ پس جو قلب باطنی گندگی اور نفسانی نجاست

۱؎ فرفر پڑھنے کی وجہ سے الفاظ بھی سمجھ میں نہ آئینگے اور اسکا بے ادبی ہونا ظاہر ہے۔ باقی اگر کوئی شخص معنی نہ سمجھے اور صرف الفاظ قرآن ہی صحیح اور صاف ادا کرے تو یہ اجر و ثواب سے خالی نہیں ۱۲ مترجم ۲؎ یعنی نفل و سنت پڑھنا مکروہ ہے ۱۲ (مولانا تھانوی) ۳؎ تقریبی مضمون دیلمی ۱۲ ۴؎ مضمون ترمذی صحیح ۱۲

میں آلودہ ہو وہ اس محترم شاہی فرمان کے حقائق کو کیونکر سمجھے گا یہی وجہ ہے کہ حضرت عکرمہؓ جب قرآن شریف کھولتے تو اکثر بیہوش ہو جاتے اور فرمایا کرتے تھے کہ "یہ میرے پروردگار جلّ جلالہٗ کا کلام ہے یہ میرے پروردگار جلّ جلالہٗ کا کلام ہے" اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ہے کہ اس نے اپنے باعظمت کلام ازلی کے انوار و تجلیات کو حروف کے لباس میں چھپا کر تمہارے حوالہ کیا ہے ورنہ انکی نورانی شعاعوں کا کوئی بشر متحمل نہ ہو سکتا۔ دیکھ لو کہ طور جیسا پہاڑ بھی کلام الٰہی کی تجلّیات کا تحمّل نہ کر سکا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ اگر اللہ پاک موسیٰ علیہ السّلام کو نہ سنبھال لیتے تو ان میں بھی حروف اور آواز کے لباس سے مجرد کلام الٰہی کے سُننے کی طاقت نہ تھی۔ **دوم** اگر قرآن شریف کے معنی سمجھ سکتے ہو تو کوئی آیت بھی بلا سمجھے تلاوت نہ کرو۔ کیونکہ ترتیل جس کا قرآن شریف میں حکم ہے تدبر یعنی غور و فکر اور سمجھنے اور سوچنے ہی سے حاصل ہوتی ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ فرماتے ہیں کہ اُس تلاوت سے کیا نفع جسمیں سمجھنے سے واسطہ نہو" ختم قرآن کی تعداد بڑھانیکا خیال مت کرو کہ چاہے سمجھو یا نہ سمجھو مگر نام ہو جاوے کہ اتنے قرآن شریف ختم کئے۔ یاد رکھو کہ اگر تم سوچ سمجھکر ایک ہی آیت کو رات بھر پڑھتے جاوگے تو یہ پچاس قرآن ختم کرنیسے بہتر ہوگا۔ دیکھو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو بیس مرتبہ دوہرایا ہے اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام رات ایک ہی آیت کو بار بار پڑھا اور وہ آیت یہ تھی اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (یا اللہ اگر تو انکو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر بخشدے تو بیشک تو زبردست اور حکمت والا ہے) حضرت تمیم داریؓ آیت اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ الخ کو تمام شب بار بار پڑھتے رہے اور حضرت سعید بن جبیرؓ نے آیت وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ہی کو بار بار پڑھنے میں تمام رات ختم کردی۔ ایک عارف فرماتے ہیں کہ میں ہر ہفتہ میں ایک ختم پڑھتا ہوں۔ اور ایک ختم ہر مہینہ میں اور ایک ختم ایسا ہے کہ جسکو سال بھر میں ختم کرتا ہوں اور ایک تلاوت ایسی بھی ہے کہ جسکو تیس سال سے شروع کر رکھا ہے اور ابتک پورا کلام مجید ختم نہیں ہوا۔ یہ فرق ظاہر ہے کہ فکر و فہم اور غور و تدبر ہی سے ہوتا ہے کیونکہ انسان کا دل ہر وقت یکسان نہیں رہتا اور نہ ہمیشہ مساوی درجہ کا غور و فکر کا عادی ہوتا ہے اسلئے اگر خصوصیت کیساتھ ایک ختم علیحدہ طور پر تم بھی ایسا شروع کرلو جس میں سوچ سمجھکر تلاوت کی جائے اور صرف اُسی وقت پڑھا جائے جبکہ قلب فارغ ہونیکی وجہ سے فکر و خوض کر سکے اور معنی اچھی طرح سمجھ سکے تو بہت اچھا ہے کیونکہ اس صورت میں تلاوت کے معمول میں بھی فرق نہ آئیگا اور یہ فضیلت کا درجہ بھی حاصل ہو جائیگا۔ **سوم** اس فہم اور تدبر کی حالت مذکورہ میں معرفت الٰہی کی گوناگوں شاخوں سے پھل اور پھول بھی چُنتے رہو کیونکہ ہر پھل کیلئے جُدا شاخ اور ہر جوہر کیلئے جُدا معدن ہے کہ جہاں موتی پیدا ہوتے ہیں وہاں تریاق کا تلاش کرنا فضول ہے اور جہاں مشک و عود دستیاب ہوتا ہے وہاں موتیوں کی جستجو بیفائدہ ہے اسی طرح قرآن شریف کی آیتوں میں جس قسم کا تذکرہ ہو اُسی قسم کا عرفان حاصل کرنا چاہئے۔ مثلاً جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات و صفات یا افعال کا تذکرہ فرمایا ہے وہاں سے حق تعالیٰ کی عظمت و جلال کی معرفت حاصل کرو اور جس

لہ کیا گناہ ہونکے مرتکب ہونیوالوں کا گمان یہ ہے کہ ہم ان کو نیکو کاروں کے مساوی بنا دینگے؟ ۱۲ ؎ اور علیحدہ ہو جاؤ آج اے مجرمو ۱۲ منہ
ع ابن عبد البر ؎ ابوذر غفاریؓ کی روایت ۱۲ ؎ ابن ماجہ و نسائی۔ ذرقرقی ہے ۱۲ ؎ ابو عبید فضائل میں ۱۲ +

جگہ راہِ مستقیم کی تعلیم مذکور ہو وہاں رحمت و کرم اور فضل و حکمت کی معرفت حاصل کرو اور جہاں کافروں کے ہلاک کرنیکا بیان ہو اُس جگہ سے حق تعالیٰ کی بے نیازی اور غلبہ و قہر کی صفت معلوم کرو اور جن آیتوں میں انبیاء علیہم السلام کے تذکرے ہوں وہاں سے اللہ پاک کے لطف و احسان کا علم حاصل کرو غرض جیسا موقع ویسا عرفان۔ چہارم۔ قرآن کا مطلب سمجھنے سے جو امور مانع ہیں اُنکو جہاں تک ہو سکے دفع کرو کیونکہ ضعیف الایمان بندوں کیلئے تو خواہشاتِ نفسانی اور وساوسِ شیطانی حجاب بنجاتے ہیں کہ انکے نفوس دُنیوی تعلقات سے وابستہ اور انکے قلوب شک و شبہات میں ملوّث ہوتے ہیں اور یہی قلب کے وہ پردے ہیں جن کے سبب قرآن پاک کی باریکیاں سمجھ میں نہیں آسکتیں لہٰذا ان کے اٹھانے کی کوشش ہونی چاہیے اور جن لوگوں کا ایمان قوی ہوجاتا ہے کہ خدا کی محبت اُنکے قلب میں پیدا اور اُنکو طاعت میں لذت آنے لگتی ہے اُن پر بھی قلبی وسواس اپنا اثر کرتے ہیں مثلاً نماز کی حالت میں اُنکا دل اس طرف متوجہ ہوجاتا ہے کہ ہماری نیت کیسی ہے؟ اور جو خلوص شروعِ نماز کے وقت تھا وہ اب بھی قائم ہے یا نہیں یا مثلاً حروف کے مخارج سے ادا ہونے میں شبہ پڑتا ہے اور آیت کو اس نیت سے بار بار دہراتے ہیں حالانکہ قلب کیلئے یہ بھی حجاب ہے، کیونکہ حروف اور الفاظ کی درستی کے پیچھے پڑجانا اور مخارج حروف یعنی دانتوں، ہونٹوں، تالو اور حلق کی طرف مشغول ہونا کہ یہ حرف کہاں سے نکلا اور ٹھیک نکلا یا نہیں نکلا؟ اُن کا کام نہیں ہے، جنکو عالمِ علوی کی سیر و سیاحت اور ملکوتی امور کا مشاہدہ کرنا منظور ہے۔ پنجم۔ آیاتِ کلامِ الٰہی سے صرف تجلیات اور معرفت ہی کے حاصل کرنے پر اکتفا نہ کرو بلکہ اس کے ساتھ حالت اور اثر بھی ظاہر ہونا چاہیے مثلاً اگر ایسی آیت پڑھو جسمیں رحمت کا ذکر اور مغفرت کا وعدہ ہو تو جسم پر خوشی اور مسرت کی حالت پیدا ہو جاوے اور غیظ و غضب اور عذابِ الٰہی کا تذکرہ ہو تو تمھارا بدن لرز اُٹھے اور حق تعالیٰ کا نام آوے یا اُس کی عظمت و جلال کا ذکر ہو تو جھک جاؤ اور ذلت اختیار کرو کہ گویا جلالِ خداوندی کے مشاہدہ سے نیست و نابود ہوئے جاتے ہو اور اگر کافروں کی اس خرافات کا بیان ہو جو انھوں نے حق تعالیٰ پر بہتان باندھے ہیں مثلاً مخلوق میں سے کسی کو نعوذ باللہ خدا کا بیٹا یا بیٹی یا بیوی بتایا ہے تو اُسکی نقل سے بھی شرماؤ اور ایسی آیت کی تلاوت میں اپنی آواز کو پست کردو کہ گویا اُن کے الفاظ کا اپنی زبان پر لانا بھی گراں گذرتا ہے غرض جس آیت میں جیسا مضمون ہو اُسکے مطابق ایک خاص حالت پیدا اور جسم پر وہی اثر ظاہر ہونا چاہیے کہ خوف کے وقت آنکھوں سے آنسو بہنے لگیں اور شرم کے وقت پیشانی پر پسینہ آجائے اور ہیبت کیوقت رونگٹے کھڑے ہو جائیں کپکپی چھوٹے اور مژدہ بشارت کے وقت آواز و زبان اور تمام اعضا میں انبساط و بشاشت پیدا ہو جائے۔

اختیاری وسوسے اور اُن کے مراتب۔

معرفت کے ساتھ حالت و اثر بھی پیدا کرنا چاہیے۔

چھٹی اصل ہر وقت ذکرِ الٰہی کا بیان

حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتا ہے "اللہ کا کثرت سے ذکر کرو تاکہ فلاح پاؤ"۔ اور حدیث میں آیا ہے کہ "اللہ کا ذکر جہاد اور صدقات اور خیرات سب سے افضل ہے" اس سے معلوم ہوا کہ ذکر اللہ سے بہتر کوئی عمل نہیں ہے۔ ذکر الٰہی کیلئے ایک مغز اور تین پوست ہیں اور مغز

۱ جن کو قصداً دل میں جگہ دی جاتی ہے ۱۲ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ ۲ یعنی زیادہ اہتمام کچھ تو ضروری ہے ۱۲ ۳ ابن شاہین بلفظہ ۱۲

تو مقصود بالذات ہے مگر پوست اسلئے مقصود اور محبوب ہیں کہ وہ مغز تک پہنچنے کے ذرائع اور اسباب ہیں۔

ذکر الٰہی کے پوست اور مغز

پہلا پوست صرف زبان سے ذکر کرنا ہے اور **دوسرا پوست** قلب سے ذکر کرنا اور جبراً بتکلف اسکا خوگر ہونا ہے یاد رکھو کہ قلب کو اپنی حالت پر چھوڑ نا نہ چاہیئے کیونکہ اسکو تفکرات و تخیلات میں پڑنے سے پریشانی ہوتی ہے لہذا مناسب ہے کہ اسکی مرغوب شے یعنی ذکر الٰہی اسکے حوالہ کردی جائے تاکہ اسکو اطمینان حاصل ہو جائے **تیسرا پوست** یہ ہے کہ ذکر الٰہی قلب میں جگہ کرے اور ایسا گڑ جائے کہ اسکا چھڑانا دشوار ہو جائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے درجہ میں جسطرح قلب کو ذکر کی عادت ڈالنے میں دقت پیش آئی ہوئی تھی۔ اس تیسرے درجہ میں قلب سے ذکر اللہ کی عادت چھڑانا اس سے زیادہ دشوار ہو **چوتھا درجہ**۔ جو مغز اور مقصود بالذات ہے وہ یہ ہے کہ قلب میں ذکر کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے بلکہ مذکور یعنی حق تعالیٰ کی ذات ہی ذات رہ جائے کہ نہ قلب کی طرف توجہ رہے نہ ذکر کی جانب التفات۔ اور نہ اپنی خبر ہو نہ کسی دوسرے کی۔ غرض ذات بحت میں استغراق ہو جائے ایسی حالت کا نام فنا ہے اور اس حالت پر پہنچکر بندہ کو اپنی ظاہری حس حرکت کا علم ہوتا ہے اور نہ باطنی عوارض کا۔ یہانتک کہ اپنے فنا ہو جانیکا بھی علم باقی نہیں رہتا کیونکہ فنا ہو جانا بھی تو خدا کے علاوہ دوسری ہی چیز ہے اور غیر اللہ کا خیال میل کچیل اور کدورت ہے پس فنا کا علم بھی اس درجہ میں پہنچکر کدورت اور بعد ہوا یہی وہ حالت ہے جسمیں اپنے وجود کے فنا کے ساتھ خود فنا سے بھی فنائیت ہوتی ہے ایسی محویت سمجھ میں آنی مشکل ہے بلکہ بظاہر ناممکن اور دعوی بلا دلیل معلوم ہوگا لیکن اگر تم کو کسی حسین صورت پر عاشق ہونے یا کسی عاشق صادق کے دیکھنے کا اتفاق ہوا ہوگا تو اس حالت کو کبھی دشوار نہ سمجھوگے۔

فنا اور فناء الفناء کی ماہیت اور تمثیل سے اسکا سمجھانا

کیا حسن پرست فریفتہ انسان اپنی معشوقہ کے فکر اور خیال میں ایسے محو و مستغرق اور بیخود نہیں ہو جاتے کہ بسا اوقات زبان سے کوئی بات کرتے ہیں اور اسکو خود بھی نہیں سمجھتے پاؤں ڈالتے کہیں ہیں اور پڑتا کہیں ہے ان کے سامنے سے آدمی گذر جاتا ہے حالانکہ انکی آنکھیں کھلی ہوئی ہیں مگر وہ ان کو نظر نہیں آتا۔ دوسرا شخص ان سے بات کرتا ہے مگر یہ سنتے ہی نہیں اگر ان سے پوچھا جائے کہ کیوں بھائی کیا دیکھا اور کیا سنا؟ تو وہ کچھ بھی جواب نہیں دیسکتے پس معلوم ہوا کہ انکو ایسی محویت ہوگئی کہ اپنی محویت کا بھی ان کو علم نہیں رہا کہ دیوانے بنگئے اور ایسے دیوانے بنے کہ اپنی دیوانگی کی بھی خبر نہیں ہے مجنوں ہوگئے اور اپنے جنون کی بھی اطلاع نہیں یہ سب اسی معشوقہ مطلوبہ محبوبہ کے خیال میں مستغرق ہو جانیکا اثر ہے اسکو بھی جانے دیجئے اس سے بھی آسان طریقہ سے فنا کی فنائیت سمجھ میں آسکتی ہے دیکھو تم کو اپنی آبرو اور مال کیسا محبت ہے پس اگر خدانخواستہ کسی دشمن کی طرف سے تمہارے مال یا آبرو پر حملہ ہو تو اسکے غصہ اور طیش میں جو کچھ تمہاری حالت ہوگی اس پر غور کرو کہ وہ کیسی بیخودی کی حالت ہے ظاہر ہے کہ غیظ و غضب میں تم کو اپنی خبر رہتی ہے اور نہ دوسرے کی اور تم ایسے بیخود ہو جاتے ہو کہ اسوقت اپنی بیخودی کا بھی تم کو حس نہیں رہتا پھر بھلا اگر کوئی بندہ اپنے مولا کے خیال میں ایسا محو ہو جائے کہ خود فنا سے فنا اور بیخودی سے بیخود ہو جائے تو کیا تعجب ہے۔ سمجھانیکی غرض سے یہ مثالیں ہم نے بیان کردی ہیں ورنہ اصل بات تو یہی ہے کہ جسوقت خدا کے فضل سے اس حالت پر پہنچوگے تو فنائیت اور فناء الفناء کی اصل حقیقت اسوقت معلوم کر سکوگے

ساتویں اصل طلب حلال کا بیان

جہاں کہیں عبادت کا حکم ہوا ہے اُسکے ساتھ ہی اکل حلال کا بھی حکم ہے چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ "پاک چیز کھایا کرو اور نیک کام کیا کرو" جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "ایمان لانے اور نماز پڑھنے کی فرضیت کے بعد رزق حلال کی تلاش فرض ہے" حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ فرماتے ہیں کہ "اگر تم نمازیں پڑھتے پڑھتے کمان کی طرح جھک جاؤ اور روزے رکھتے رکھتے تانت کی طرح دُبلے بھی ہوجاؤ تو بغیر تقویٰ اختیار کئے اور مالِ حرام سے بچے کچھ بھی قبول نہ ہوگا" رزق حرام کھاکر عبادت کرنا ایسا بیکار ہے جیسا گوبر پر مکان کا تعمیر کرنا۔ یاد رکھو کہ رزق حلال کو قلب کی نورانیت میں بڑا اثر ہے۔ لہذا مالِ حرام سے بچنا اور تقویٰ اختیار کرنا نہایت ضروری ہے۔ تقویٰ کے چار درجے ہیں۔ **پہلا درجہ** جن چیزوں یا جس مال کی حرمت پر علمائے دین اور فقہائے شریعت کا فتویٰ ہے اُن کا استعمال نہ کرو کیونکہ اُن کے استعمال سے آدمی فاسق بنجاتا ہے اور ثقاہت جاتی رہتی ہے۔ یہ تو عام مومنین کا تقویٰ کہلاتا ہے۔ **دوسرا درجہ** صلحاء کا تقویٰ ہے یعنی مشتبہ چیز سے بھی پرہیز کرنا کیونکہ علمائے شریعت نے ظاہری حالت دیکھکر اگرچہ مشتبہ کو حلال کہدیا ہے مگر چونکہ اسمیں حرمت کا احتمال ہے اور اسی وجہ سے وہ شے مشتبہ کہلاتی ہے لہذا صلحا اسکو بھی استعمال نہیں کرتے۔ دیکھو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "جس میں شبہ ہو اُس کو چھوڑ دو اور اُسکو اختیار کرو جسمیں کچھ بھی شبہ نہ ہو" **تیسرا درجہ** اتقیا کا تقویٰ ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "مسلمان جبتک خطرہ والی چیزوں میں مبتلا ہونیکے اندیشہ سے بے خطرہ چیزوں کو بھی ترک نہ کریگا اُسوقت تک اتقیا کے درجہ کو ہرگز نہ پہنچے گا" حضرت عمر رضؓ فرماتے ہیں کہ "حرام کے مرتکب ہوجانیکے اندیشہ سے ہم حلال کے بھی دس حصوں میں سے نو حصے ترک کر دیتے ہیں" اسی بنا پر اللہ کے پرہیزگار بندے جب سَو روپیہ کے مستحق ہوتے ہیں تو ایک کم سَو لیتے ہیں اور جسوقت دوسرے کا حق دیتے ہیں تو ایک حبہ زیادہ دیتے ہیں اور جب اپنا حق لیتے ہیں تو ایک حبہ کم لیتے ہیں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا ذکر ہے کہ بیت المال کا مُشک اُنکی پاس آتا تو اپنی ناک بند کر لیتے اور فرمایا کرتے کہ اسکی خوشبو سونگھنا بھی تو اسکا استعمال ہی کرنا ہے لہذا بیت المال کی مُشک کی خوشبو کو میں سُونگھنا نہیں چاہتا مزہ دار حلال چیزوں کے کھانے اور جائز زینت اور آراستگی سے پرہیز کرنیکی بھی یہی وجہ ہے کہ زبان کو مزہ لگنا اچھا نہیں ہے کیونکہ آج حلال کا مزہ پڑا ہے تو کل کو حرام کی لذت حاصل کرنیکا شوق ہوجائیگا۔ قرآن شریف میں کافروں کی کثرتِ مال و متاع اور دُنیاداروں کے جاہ و حشم کی جانب نظر کرنیکی جو ممانعت آئی ہے وہ بھی اسی لئے آئی ہے کہ اس چمک دمک سے ایمان کی شیرینی کم ہوجائیگی اسلئے کہ دنیا کے مال و متاع کی رغبت اور محبت سے قلب میں ایمان کی محبت نہیں رہا کرتی۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ جسکا کپڑا پتلا اُسکا ایمان بھی پتلا۔ غرض اتقیا کے نزدیک وہی مال حلال و قابل استعمال ہے جسمیں بالفعل کسی قسم کا شبہ ہو اور نہ آئندہ کسی آفت کا خطرہ یا احتمال ہو۔ **چوتھا درجہ** صدیقین کا تقویٰ ہے یعنی جس چیز کے کھانے سے عبادت اور طاعت پر قوت حاصل

تقویٰ کے چار درجے

لہ یہ زیادتی سود نہیں ہے اسلئے کہ شرط قرار نہیں دیگئی تھی بلکہ تبرع اور احسان ہے کہ بلا استحقاق دوسرے کے ساتھ سلوک کیا ۱۲ استرجم

ٹہ طبرانی ضعیف دیلمی حسن ۱۲ سلہ ابن حبان ترمذی احمد صحیح ۱۲ ہے ترمذی ابن ماجہ حاکم صحیح ۱۲ +

نہ ہواس سے پرہیز کرنا مثلاً ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ اُنھوں نے دوا پی تو اُنکی بیوی نے کہا کہ چند قدم ٹہل لیجئے اُنھوں نے جواب دیا کہ فضول و عبث حرکت جائز نہیں ہے۔ میں اپنے نفس سے تمام حرکات و سکنات کا محاسبہ[1] کیا کرتا ہوں بھلا اس چہل قدمی کو کس حساب میں شمار کرونگا۔ اسی طرح جس شے کے اپنے نفس تک پہنچنے کے وسائل میں سے کسی ایک سبب کے اندر بھی کچھ معصیت خداوندی کو دخل ہو اُس سے بھی پرہیز کرنا اس درجہ میں ضروری ہے۔ حضرت ذوالنون مصریؒ ایک مرتبہ جیلخانہ میں قید تھے کسی نیک بخت عورت نے اُنکو بھوکا پاکر اپنی حلال معاش میں سے کچھ کھانا پکایا اور داروغہ جیل کے ہاتھ اُن تک پہنچایا مگر شیخ نے نوش نہ کیا اور یہ کہکر اُسکو واپس کردیا کہ کھانا اگرچہ حلال ہے لیکن طباق نجس ہے۔ طباق سے مراد جیلخانہ کے داروغہ کا ہاتھ تھا کہ وہ ظالم ہے اور ظالم کا ہاتھ پڑنے کی وجہ سے کھانا اس قابل نہ رہا کہ میں اس کو کھا لوں۔

حضرت بشر حافیؒ شہروں کی اُن نہروں کا پانی بھی نہ پیتے تھے جنکو غیر محتاط اور ظلم پسند بادشاہوں نے کھدوایا تھا ایک بزرگ کا غلام کسی فاسق شخص کے گھر سے چراغ روشن کرلایا تو اُنھوں نے بجھا دیا اور فرمایا کہ حق تعالیٰ کے نافرمان بندہ کے چراغ سے روشن کئے ہوئے چراغ کی روشنی نفع اُٹھانیکے لائق نہیں ہے۔ غرض قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ کے پورے عامل صرف یہی لوگ تھے کہ "کہو اللہ اسکے بعد سب کو چھوڑ دو" اُنھوں نے کبھی کسی ایسی چیز کا استعمال نہیں کیا جو اللہ واسطے نہ تھی یہ درجہ حاصل کرنا تو چونکہ آسان نہیں ہے اسلیے صرف ثقہ مسلمانوں کا تقویٰ تو ضرور ہی حاصل کرو کہ اُن چیزوں کے پاس نہ پھٹکو جنکی حرمت پر علمائے دین کا فتویٰ ہے اور اسکے ساتھ دو باتوں کا اور بھی خیال رکھو۔ پہلی بات یہ کہ بعض فقہائے نے مسائلِ شرعیہ کے متعلق جو حیلے بیان کیے ہیں اُنکی جانب التفات نہ کرو مثلاً یہ حیلہ کہ سال ختم ہونے سے پہلے اپنا تمام مال اپنی بیوی کے نام اور بیوی کا سارا مال اپنے نام منتقل کرلیا کہ چونکہ مملوکہ مال بھر اپنی ملک میں نہیں رہا اسلیے زکوٰۃ واجب نہیں ہوئی اس قسم کا حیلہ تم کبھی مت اختیار کرنا۔ بات یہ ہے کہ فقہائے شریعت کا کام چونکہ دنیوی انتظام و سیاست ہے اسلیے اس حیلہ کی صورت میں زکوٰۃ ساقط ہونیکا فتویٰ دینے سے اُنکی مراد یہ ہے کہ دنیا کا منتظم اور حاکمِ وقت سلطان بھی مسلمان سے زکوٰۃ کا مطالبہ کریگا جسکا مال پورے سال بھر تک اسکے قبضۂ مالکانہ میں دیکھ لیگا اور اس حیلہ کرنیوالے متمول مسلمان کے پاس سلطانی محصل تحصیل زکوٰۃ کیلیے نہیں آئیگا۔ کیونکہ جتنی بات بندوں کو دیکھنے کے متعلق تھی یعنی مالکانہ قبضہ وہ ختم سال سے قبل بیوی کے نام منتقل ہوجانے کی وجہ سے جاتا رہا مگر تم کو چونکہ معاملہ اپنے پروردگار سے رکھنا ہے اور وہ دلوں کے حالات سے واقف ہے اسلیے یہ مکر و فریب آخرت میں کام نہ آئیگا تمھیں معلوم ہوچکا ہے کہ زکوٰۃ سے مقصود بخل کی عادت کا دُور کرنا ہے اور جب زکوٰۃ تک سے بچنے کے حیلے کرنے لگوگے تو بخل کہاں دُور ہوا بلکہ بخل کو تو سر چڑھا کر اپنا امام اور پیشوا بنالیا کیونکہ اسکا یہانتک کہنا مانا کہ اس بخل کو نجات دہندہ اور خدا کے سامنے سرخرو کردینے والا سمجھ بیٹھے تو اس صورت میں زکوٰۃ کا مقصود بالکل حاصل نہیں ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ نے جو مصلحت اسمیں رکھی تھی اسکی جانب توجہ بھی نہیں کی اور برعکس معاملہ کیا کہ بخل کو دور کرنیکی جگہ اسمیں ترقی کی یا مثلاً بعض مسلمان اپنی بیوی کو اس غرض سے تکلیف میں رکھتے ہیں کہ وہ تنگ آکر اپنا مہر معاف کردے اور جب

[1] حساب لینا ۱۲ [2] گناہ ۱۲ [3] بھروسہ کے ہونگے مالدار ۱۲

صرف تقویٰ کا اختیار کرنا کافی ہے

شرعی حیلوں کا نتیجہ طلب اور اُن کا اختیار کرنا غلط ہے

وہ بیچاری مصیبت سے گھبرا کر زبان سے معاف کرنیکا لفظ نکال دیتی ہے تو مطمئن ہو جاتے اور اسکو حلال سمجھتے ہیں۔ بھلا ایسا مال شوہر کو کیونکر حلال ہو سکتا ہے حق تعالیٰ نے فَاِنْ طِبْنَ لَکُمْ الخ میں خود فرمایا ہے کہ "ہاں وہ مہر جو عورتیں برضائے نفس معاف کردیں تمہارے لئے حلال ہے"۔ اب تم ہی بتاؤ کہ جس مہر کی معافی برے برتاؤ اور ایذا رسانی سے ہوئی ہو کیا وہ بخوشی خاطر سمجھی جائیگی؟ یاد رکھو کہ رضائے قلب دوسری شے ہے اور رضائے نفس دوسری چیز ہے مثلاً پچھنے لگوانے، تلخ دوا پینی، فصد کھلوانی، پھوڑے پھنسی میں شگاف لگوانا۔ یہ سب تکلیفیں ایسی ہیں کہ ان کو قلب تو پسند کرتا ہے مگر نفس پسند نہیں کرتا اسلئے کہ نفس تو اسی بات کو پسند کرتا ہے جسمیں اسوقت لذت حاصل ہو البتہ قلب اس چیز کو پسند کرتا ہے جسمیں اسوقت اگرچہ تکلیف ہو مگر آئندہ نفع کی امید ہو کیونکہ نفس کا یہ کام نہیں ہے کہ بعد میں آنیوالی راحت کے خیال سے اسوقت تکلیف گوارا کرے پس اگر بیوی نے تکلیف سے تنگ آکر اور خاوند کی ایذاؤں سے گھبرا کر اپنی آئندہ مصلحت اور باقیماندہ عمر کی آسائش کے خیال سے دوائے تلخ کی طرح دَین مہر کی معافی گوارا بھی کر لی تو اسکا نام رضائے قلب ہوا نہ کہ رضائے نفس اور دَین مہر کے حلال ہونے میں اعتبار رضائے نفس کا ہے جیسا کہ اوپر کی آیت سے معلوم ہوا نہ کہ رضائے قلب کا۔ پس اگر اس ضابطہ حیلے سے حکومت وسلطنت دنیوی میں کوئی شخص تقاضا کرنیوالا نہیں رہا تو کیا خدا کے سامنے بھی اسکی بدولت سرخرو ہو جاؤ گے؟ بتلاؤ احکم الحاکمین[1] کو کیا جواب دوگے جبکہ رضائے قلب اور رضائے نفس کی بحث پیش ہو اور پوچھا جائے کہ ہماری اجازت کے خلاف حیلہ جوئی[2] سے ایک بیکس اور ضعیفہ کا حق کیوں ہضم کیا۔؟

اسی طرح کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاؤ کیونکہ بھیک مانگنا بُری بات ہے اور اگر سخت ضرورت کے وقت سوال کرنیکی نوبت آئے تو اس کا ضرور خیال رکھو کہ مجمع میں سوال نہ کرو کیونکہ اکثر ایسی حالت میں دینے والا جو کچھ بھی تم کو دیگا وہ اپنے مجمع میں ذلت و رسوائی اور ہم چشموں میں سُبکی کے خیال سے دیگا اور اسکو بخوشی خاطر دینا نہیں کہتے۔ پس ایسا دیا ہوا مال استعمال کے قابل نہیں ہے کیونکہ کسی کے بدن پر چابک مار کر لینا یا کسی کے دل پر شرم اور دباؤ کا کوڑا مار کر لینا دونوں برابر ہیں نیز اپنے دین کو ذریعہ کسب نہ بناؤ۔ مثلاً صلحا فقرا کی سی صورت اس نیت سے نہ بناؤ کہ ہمیں بزرگ سمجھکر لوگ دینگے حالانکہ تم بالکل کورے ہو اور تمہارا دل گندگی سے آلودہ ہے۔ یاد رکھو کہ دوسرے کا دیا ہوا مال تمہیں اُسوقت حلال ہے جبکہ تمہاری کوئی چھپی ہوئی حالت ایسی نہ ہو کہ اگر دینے والا اس سے آگاہ ہو جائے تو ہرگز نہ دے اس سے معلوم ہوا کہ اگر تم نے صورت بزرگوں کی سی بنائی اور تمہارے دل میں خواہشات نفسانی کا ہجوم ہے اور ظاہر ہے کہ دینے والے نے جو کچھ تم کو دیا ہے وہ صرف تمہاری ظاہری صورت دیکھکر دیا ہے کہ اسکو تمہاری باطنی گندگی کی بالکل خبر نہیں ہے، تو اگرچہ علمائے شریعت جو ظاہری انتظام کے متکفل[3] ہیں اس مال کو حلال بتلا دینگے مگر صاحب بصیرت[4] ضرور حرام کہیگا۔ اور اسکو استعمال میں لانیکی ہرگز اجازت نہ دیگا۔

دوسری بات جسکا خیال رکھنا ضروری ہے یہ ہے کہ علما کے فتوے پر اکتفا نہ کیا کرو بلکہ اپنے دل سے بھی پوچھا کرو کہ اس معاملہ میں دل کیا کہتا ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "تم اپنے دلوں سے بھی فتویٰ لیا کرو اگرچہ مفتی فتوے دے چکیں

رضائے نفس اور رضائے قلب کا لطیف فرق

مجمع میں سوال کرنیکی خرابی اور ... دین کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنانا بھی حرام ہے

فتوے ... دل سے ... فتویٰ

[1] سب حاکموں کے بڑے حاکم ۱۲ [2] کوئی باریک تدبیر نکالنا ۱۲ [3] ذمہ دار [4] دانائی ۱۲

بات یہ ہے کہ گناہ مسلمان کے دل میں ضرور کھٹکا کرتا ہے کیونکہ جو چیز ضرر پہنچانیوالی ہوگی وہ دل میں کھٹکے بغیر نہ رہیگی پس
جو شے درحقیقت حرام ہوگی یا جو کام فی الواقع گناہ ہوگا اُس کو تمھارا دل بے کھٹکے ہرگز قبول نہ کریگا اور ہر چیز کی اصلیت
اس طرح بڑا کے فتوے سے معلوم ہوجایا کریگی **فصل** ۔ نفس پر زیادہ تشدد بھی نہ کرو مثلاً کہنے لگو کہ ایسا مال کہاں ہے،
جو مشتبہ بھی ہو اور کسی ظالم یا فاسق کے ہاتھ میں بھی نہ ہو کر آیا ہو؟ اور جب ایسا مال نہیں ملسکتا تو یا تو انسان جوگی
بنکر گھاس پات کھانے پر قناعت کرے اور ایسا نہ کرسکے تو بیباک ہو کر جو چاہے کھائے پیئے۔ ایسا خیال کرنا
گمراہی ہے۔ بات یہ ہے کہ حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے اور انکے بین بین کی چیزیں مشتبہ کہلاتی ہیں مگر
تم کو صرف اتنی تکلیف دی گئی ہے کہ جو مال شرعاً حلال ہے اور اُسکے حرام اور نجس ہونیکا کوئی ظاہری سبب تمکو معلوم نہیں
ہے اُسکو حلال سمجھکر کھاؤ پیو۔ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ مشرک آدمی کے مشکیزہ سے اور حضرت عمر فاروق
نے عیسائی عورت کے گھڑے سے وضو کیا ہے اور اگر پیاس ہوتی تو پی بھی لیتے اس سے معلوم ہوگیا کہ خواہ مخواہ وہم کرنا کہ
خدا جانے یہ پانی پاک ہے یا ناپاک جائز نہیں ہے۔ جب پانی کے ناپاک ہونیکی ظاہراً کوئی وجہ تم کو معلوم نہیں ہے تو اس کو
پاک ہی سمجھنا چاہیئے۔ اسی طرح جو حلال شے کسی ایسے آدمی کے ہاتھ میں پاؤ جسکا حال تمکو معلوم نہ ہو تو اُسکو پاک سمجھو اور مسلمانوں کے
ساتھ حسن ظن رکھو اور یہ سمجھکر کہ مسلمانوں کے پاس جو کچھ مال ہے حلال اور پاک ہی کمائی کا ہوگا اُسکی دعوت بھی
قبول کرلیا کرو خصوصاً جبکہ مسلمان صالح اور دیندار ہو۔ ہاں۔ البتہ ظالم بادشاہ یا سود خوار یا شراب بیچنے والے
شخص کا مال جبتک یہ نہ پوچھ لو کہ کس حلال طریقہ سے کمایا ہے حلال نہ سمجھو پس اگر تحقیق کے بعد معلوم ہوجاوے کہ سود یا
ظلم کی کمائی اور شراب کی قیمت نہیں ہے تو اسکا لے لینا بھی حرام نہیں ہے اور اگر کسی کے پاس غالب حصہ حلال آمدنی کا
ہے اور کم حصہ حرام کا تو اسکا کھانا بھی حلال ہے۔ البتہ اگر نہ کھاؤ تو تقویٰ ہے۔ حضرت شیخ ابن المبارک کے کارندہ متعینہ
بصرہ نے بذریعہ خط کے اُن سے دریافت کیا تھا کہ جو شخص ظالم بادشاہ سے داد و ستد رکھتا ہو مجھے اس سے لین دین کا معاملہ کرنا
جائز ہے یا نہیں؟ تو شیخ نے لکھا کہ اگر اس شخص کا اسکے علاوہ اور بھی کوئی ذریعہ کسب ہو تو اس سے معاملہ کرنا جائز ہے
ورنہ ناجائز۔ غرض دنیا میں چھ قسم کے آدمی ہیں اور ہر ایک کیساتھ معاملہ کا جدا حکم ہے جسکو ہم نمبروار بیان کرتے ہیں
پہلی قسم ۔ وہ آدمی جنکی صورت کسب اور دینداری اور بددینی کا حال کچھ بھی معلوم نہیں ہے ایسے لوگوں کا دیا ہوا مال حلال
ہے اور اس سے پرہیز کرنا ضروری نہیں البتہ اگر احتیاطاً کوئی خیال سے نہ کھایا جائے تو تقویٰ میں داخل ہے۔ **دوسری قسم** ۔ وہ
صلحا جنکی دینداری کھلی ہوئی اور کمائی کا مشروع طریقہ ظاہر ہے انکے مال میں شبہ کرنا وسوسہ شیطانی ہے بلکہ اگر ان کو
اسکے پرہیز کرنے سے رنج ہو تو ایسا تقویٰ بھی حرام اور معصیت ہے۔ **تیسری قسم** ۔ وہ لوگ جنکا سارا مال یا نصف سے
زیادہ مال ظلماً یا سود یا شراب کی بیع و شرا سے حاصل ہوا ہے اُنکا دیا ہوا مال یقیناً حرام ہے اور اس سے پرہیز کرنا ضروری ہے
چوتھی قسم ۔ وہ لوگ جنکا نصف سے کم مال حرام ذریعہ سے کمایا ہوا ہے اور تمھیں معلوم بھی ہے کہ زیادہ مقدار کسب حلال ہی کی ہے مثلاً دو ذریعہ تو

نفس کو تشدد سے بچانا چاہیے

مال حلال کی تحقیق نہ ہو سکے تو ظن غالب پر عمل کرنا چاہیے

مال کی حلت و حرمت کی شناخت

ك مضمون حدیث بخاری و مسلم ۱۲ ك بیچ ۱۲ ك بخاری ۱۲ ك عبدالرزاق ۔ تحت ہے ۱۲ ك اچھا گمان ۱۲ ك لین دین ۱۲ ك کمائی ۱۲

حلال کے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ کوئی مشروع تجارت کرتا ہے اور دوسرا یہ کہ ترکہ میں کچھ جائداد پائے ہوئے ہے جسکی آمدنی اسکو ملتی ہے اور ایک ذریعہ حرام ہے مثلاً کسی ظالم بادشاہ کا نوکر ہے اور تنخواہ لیتا ہے مگر اس ایک ذریعہ کی نسبت اُن دو ذریعوں کی آمدنی زیادہ ہے تو چونکہ اس کے پاس زیادہ مال حلال ہے اسلئے کثرت کا اعتبار کیا جاویگا اور اسکے دیئے ہوئے مال کو حلال ہی سمجھا جائیگا البتہ اس سے پرہیز کرنا تقویٰ میں شمار ہوگا۔ **پانچویں قسم**۔ وہ لوگ ہیں جن کے کسب کا ذریعہ اگرچہ معلوم نہیں ہے مگر ظلم اور تعدّی کی علامتیں اُن پر نمایاں ہیں مثلاً جابر حکام کی سی شکل و لباس و وضع اختیار کئے ہوئے ہیں تو چونکہ یہ ظاہری حالت یوں بتا رہی ہے کہ انکا مال بھی ظلماً ہی حاصل ہوا ہوگا۔ لہذا اس سے احتیاط کرنی چاہیئے اور اسکو تفتیش کئے بغیر حلال نہ سمجھو۔ **چھٹی قسم**۔ وہ لوگ ہیں جن پر علامتِ ظلم تو کوئی نمودار نہیں ہے البتہ فسق و فجور کے آثار نمایاں ہیں مثلاً داڑھی منڈی ہوئی ہے یا مونچھیں بڑھی ہوئی ہیں یا فحش بک رہا اور گالیاں دے رہا ہے یا اجنبی عورت کی طرف دیکھ رہا ہے یا اس سے باتیں کر رہا ہے تو اگرچہ یہ فعل سب حرام ہیں مگر مال کو حاصل کرنے میں چونکہ انکو کچھ دخل نہیں ہے لہذا مال کو حرام نہیں سمجھا جائیگا پس اگر تم کو معلوم ہو کہ یہ مال اُس نے ترکۂ پدری میں پایا ہے یا کسی حلال ذریعہ سے کمایا ہے تو اُسکو حلال سمجھو۔ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرک کے پانی کو نجس نہیں سمجھا پس جب مجوسیت اور نصرانیت کے سبب پانی مشتبہ یا ناپاک نہیں ہوا تو مسلمان کا مال محض اُس کے فسق و فجور کی وجہ سے کیسے ناپاک ہو سکتا ہے البتہ اگر اُسکے مال کا حلال ذریعۂ کسب بھی تم کو معلوم نہ ہو تو ایسی صورت میں اس مال کے استعمال میں تامل اور احتیاط کرنیکی ضرورت ہے۔

اس تشریح کے بعد پھر ہم یہی کہتے ہیں کہ اپنے دل سے بھی فتویٰ لیلو اور جس مال سے دل کھٹکے اُس کا ہرگز استعمال نہ کرو البتہ یہ ضرور دیکھ لو کہ دل کے فتوے پر عمل کرنے اور تقویٰ اختیار کرنے سے اُس شخص کو رنج تو نہ ہوگا پس اگر رنج کا اندیشہ ہو تو ایسا تقویٰ کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ مثلاً کسی نامعلوم الحال مسلمان نے کوئی چیز ہدیۃً تمہیں دی یا تمہاری دعوت کی اور تم نے تقویٰ کی بنا پر اُسکے مال کی تفتیش شروع کر دی تو ظاہر ہے کہ یا تو خود اُسی سے پوچھو گے یا اُس سے خفیہ دوسرے لوگوں سے تحقیق کرو گے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر اُسسے پوچھا تو اسکو ضرور رنج ہوگا اور اگر دوسروں سے پوچھا اور اُس کو خبر ہوگئی تو مسلمان کو رنج پہنچانے کے علاوہ مسلمان کیساتھ بدگمانی رکھنے اور بعض وقت غیبت اور تہمت میں مبتلا ہونیکا بھی اندیشہ ہے اور یہ سب حرام ہیں اور تقویٰ کا چھوڑنا حرام نہیں ہے۔ پس ایسے موقع پر اس مسلمان کا دل خوش کرنا واجب ہے۔ دیکھو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی باندی حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا وہ کھانا جو کسی مسلمان نے ان کو صدقہ دیا تھا بے تامل کھا لیا اور صدقہ دینے والے کے مال اور حال کا تجسس نہیں فرمایا۔ البتہ جب آپ مدینہ میں تشریف لائے تو شروع شروع جو چیز آپ کی نذر کی گئی تو آپنے یہ ضرور پوچھ لیا کہ صدقہ ہے یا ہدیہ؟ اور یہ بھی صرف اس وجہ سے کہ صدقہ کا مال آپ کیلئے حلال نہ تھا اور اس سوال میں اُسکو رنج یا ایذا بھی نہیں ہوتی تھی کیونکہ صدقہ اور ہدیہ دونوں کی صورت ایک ہی ہے صرف دینے والے کی نیت اور محلِ مصرف کا فرق ہوتا ہے باقی اس سے زیادہ تفتیش نہیں فرمائی کہ کس طرح کمایا اور کہاں سے حاصل کیا ہے؟ آپ کی عادت تھی کہ جو

جس تفتیش سے مسلمان کو رنج اور ایذا پہنچے وہ حرام ہے

۱ گنہگاری ۲ دھکی چھپی فسق اور ظلم کھلا فجور ۱۲ ۳ آتش پرستی ۱۲ ۴ عیسائیت ۱۲ ۵ بخاری و مسلم ۱۲ +

مسلمان آپ کی ضیافت کرتا آپ بلا تامل قبول فرما لیتے اور کہیں منقول نہیں ہے کہ آپ نے اس کا سوال کیا ہو کہ تمھارا مال کس ذریعہ سے حاصل ہوا ہے البتہ شاذ و نادر کسی غالب شبہ کے موقع پر تحقیق حال فرمالی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہؓ سفر میں بازار سے تمام ضرورت کی چیزیں خریدتے اور کھاتے تھے حالانکہ یہ بھی جانتے تھے کہ سود اور لوٹ اور مالِ غنیمت میں خیانت کئے ہوئے مال بھی بازاروں ہی میں فروخت ہوتے ہیں مگر ان تو ہمات کی طرف کبھی توجہ نہیں فرمائی بلکہ غالب اور کثرت کی بنا پر بازار میں فروخت ہونیوالے سارے مال کو تفتیش و تحقیق کے بغیر حلال سمجھا اسی طرح تم بھی بازار کی چیزوں کو حرام نہ سمجھو البتہ اگر حرام اور ناجائز طریقے سے حاصل کی ہوئی چیزیں کسی شہر یا بازار میں کثرت فروخت ہونے لگیں تو اُسوقت تفتیش و تحقیقِ حال کے بغیر خریدنا اور استعمال میں لانا بیشک جائز نہیں ہے۔

بازار کی چیزوں میں اصل حلّت ہے۔

آٹھویں اصل مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت اور اُن کیساتھ نیک برتاؤ

تمام مخلوق کے ساتھ حسن معاشرت۔

تمام مخلوق عمر کی کشتی پر سوار ہو کر دنیا کا سفر ختم کر رہی ہے اور دنیا ایک مسافر خانہ ہے اسلئے آخرت کے مسافروں یعنی مسلمانوں کو اپنی سرائے کے ہم جنس مسافروں کیساتھ نیک برتاؤ کرنا بھی دین کا ایک رکن ہے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ انسان کی تین حالتیں ہوتی ہیں کیونکہ یا تو مجرد اور تن تنہا ہوگا اور یا اہل عیال اور دوست احباب وغیرہ کے تعلقات رکھتا ہوگا اور یا بین بین حالت ہوگی کہ تعلق تو ہوگا مگر صرف اقربا اور رشتہ داروں یا پاس پڑوسیوں سے ہوگا عام مخلوق سے نہ ہوگا پس تینوں حالتوں کے حقوق اور حُسنِ سلوک سے تم کو واقف ہونا چاہیے جن کو ہم جُدا جُدا بیان کرتے ہیں۔ **پہلی حالت** چونکہ آدمی کو صرف اپنی ذات سے تعلق ہے اسلئے اپنے نفس کی اصلاح اور اُس خدائی لشکر کے حقوق ادا کرنے ضروری ہیں جو اِس عالمِ اصغر یعنی انسان میں حق تعالیٰ نے پیدا کئے ہیں اور چونکہ اس جگہ ہمیں اختصار مقصود ہے اسلئے جسمِ انسان میں خدائی لشکر کے صرف سرداروں کا تذکرہ کرتے ہیں اور متنبہ کئے دیتے ہیں کہ ہر مجرد و تنہا مسلمان کو بھی ان کی حفاظت و نگہداشت ضروری ہے۔ **جان لو** کہ تمہارے اندر ایک خواہش پیدا کی گئی ہے جس کی وجہ سے تم ہر مفید اور پسندیدہ مرغوب شے کو حاصل کرنیکی سعی کرتے ہو اور ایک غصّہ پیدا کیا گیا ہے جس کے ذریعہ سے تم ہر مضر اور مکروہ چیز کو دفع کرنیکی کوشش کرتے ہو اور تیسری چیز عقل پیدا کی گئی ہے جس سے تم اپنے معاملات کا انجام سوچتے اور اپنی رغبت کی حفاظت کرتے ہو پس غصّہ کو کتا سمجھو اور خواہش کو گھوڑا اور عقل کو بادشاہ۔ اسکے بعد معلوم کرو کہ یہ تینوں قوتیں تمھاری ماتحت بنائی گئی ہیں کہ انمیں عدل و انصاف کرنا اور اس قدرتی سپاہ سے مدد لیکر ابدی سعادت حاصل کرنا تمھارا فرض ہے پس اگر تم کتے کو مہذب اور گھوڑے کو شائستہ کر کے بادشاہِ عقل کا مطیع و فرمانبردار بنائے رکھو گے تو عدل کا حق ادا کرو گے اور ضرور مقصود تک پہنچ جاؤ گے اور اگر محکوم کو حاکم کی مسند پر بٹھا دیا اور حاکم بادشاہ کو تابعدار غلام بنا دو گے تو انصاف کھو بیٹھو گے اور ظالم کہلاؤ گے کیونکہ کسی شے کا بے محل رکھنا ہی تو ظلم کہلاتا ہے لہٰذا جب خواہشِ نفسانی کوئی چیز حاصل کرنی چاہے یا غصہ کسی شے کو دفع کرنا چاہے تو

تجرد کی حالت۔

بحالت تجرد اپنی ذات کے متعلق حقوق۔

۱؎ دعوت ۱۲ ۲؎ ہیچ ہیچ ۱۲ ۳؎ چھوٹا سا جہان ۱۲ ۴؎ ہوشیار ۱۲ ۵؎ تکلیف دینے والی اور ناپسند ۱۲ ۶؎ ہمیشگی کی ۱۲ +

تہذیب نفس اور اُس پر ظلم یا انصاف کی حقیقت۔

مخلوق کے حقوق کی نگہداشت اور اُسکے علاج۔

عقل سے سوچا کرو کہ اسکا انجام کیا ہے؟ اگر انجام اچھا ہو تو عقل کو چاہیئے کہ اس کام کرنیکی اُنکو اجازت دیدے اور اگر انجام بُرا دیکھے تو ہرگز اجازت نہ دے بلکہ اپنے ماتحت غلاموں سے اسکو پکڑوا دے۔ مثلاً نفس اگر بیجا خواہش کرتا ہے تو غصہ کو اُس پر حملہ کرنیکا حکم دے کہ وہ اس بدخواہ نادان خادم کو پابزنجیر کردے اور اگر غصہ بھڑکنا اور بے راہ چلنا چاہے تو شہوت کا اُس پر حملہ کرائے کہ وہ اُس کو ٹھنڈا کردے اور اس کا خیال پورا نہ ہونے دے اور اگر تم نے اپنی عقل سے دریافت ہی نہیں کیا یا دریافت تو کیا مگر اسکے حکم کی سماعت[1] و اطاعت نہ کی بلکہ اُسکو خادم و تابعدار غلام بنالیا کہ شہوت و غصہ جو کچھ کرنا چاہیں عقل انکی ہاں میں ہاں ملاکر اُن کا منشا پورا کرنے میں حیلے اور تدبیریں سوچے تو گویا تم نے قدرتی سپاہ میں اَوَل بَدَل کردیا اور جن میں عدل و انصاف رکھنے کا حق تعالیٰ نے حکم فرمایا تھا اُن میں ظالمانہ کارروائی کی۔ پس قیامت کے دن جب تمام اعراض[2] کو اجسام عطا کئے جائینگے اور شہوتِ نفسانی کو کُتّے کی اور غصہ کو گھوڑے کی صورت مرحمت ہوگی اور عقل شاہانہ لباس پائیگی تو اُسوقت یہ راز کُھل جائیگا اور تم کہوگے کہ ہائے افسوس ہم نے کیسا ظلم کیا کہ بادشاہ کو کُتّے اور گھوڑے کے سامنے سربسجود رکھا کاش شکاری مرد کی طرح اس کُتّے اور گھوڑے کو بوقت ضرورت کام میں لاتے کہ بے موقع نہ اُنکو بھگاتے نہ خلافِ عقل اُن سے کوئی کام لیتے اور نہ عقل کی ماتحتی سے اُن کو باہر نکالتے بلکہ اُنکو عقل کا ایسا تابعدار بنائے رکھتے کہ جہاں وہ چاہتی وہاں اُن سے کام لیتی۔ ورنہ بیکار اپنی جگہ پڑے رہتے گویا ہیں ہی نہیں۔ دوسری حالت یعنی جب تم کو عام مخلوق سے تعلق ہو تو اُسوقت اس کا ضرور لحاظ رکھو کہ مخلوق کو تم سے کسی قسم کی ایذا نہ پہنچے[3]۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "وہ مسلمان ہی نہیں ہے جسکے ہاتھ اور زبان سے اللہ کی مخلوق محفوظ نہ ہے[4]" اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ مخلوق کو نفع پہنچاؤ۔ اور اس سے بھی اعلیٰ درجہ صدیقین کا ہے کہ جن سے ایذا اُٹھاؤ اُن کیساتھ سلوک اور احسان کرو "کیونکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو نصیحت فرمائی تھی کہ اے علی اگر صدیقین کا درجہ حاصل کرنا چاہو تو جو تم سے قطع تعلق کرے تم اُس سے تعلق رکھو اور جو تم پر ظلم کرے تم اُس کیساتھ سلوک کرو[5]" مخلوق کے حقوق قائم رکھنے میں بیسؔ باتوں کا لحاظ رکھو۔ جن کی تفصیل یہ ہے:۔

اوّل۔ جو کچھ اپنے لئے بہتر سمجھو وہی دوسروں کیلئے بہتر سمجھو کیونکہ حدیث[6] میں ایسے شخص کیلئے بشرطیکہ اسکا خاتمہ بالخیر ہو جائے جہنم سے محفوظ رہنے کی بشارت آئی ہے۔ **دوم**۔ ہر کسی کیساتھ تواضع سے پیش آؤ کیونکہ حق تعالیٰ مغرور اور متکبر کو پسند نہیں فرماتا۔ پس اگر کوئی دوسرا شخص تمہارے ساتھ تکبر سے بھی پیش آئے تو اُسکو برداشت کرجاؤ دیکھو حق تعالیٰ نصیحت فرماتا ہے کہ "عفو کی خصلت اختیار کرو۔ بھلائی کی ترغیب دو اور جاہلوں سے پہلوتہی کرو[7]" **سوم**۔ بڑوں کی تعظیم کرو اور چھوٹوں پر شفقت کی نظر رکھو۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[8] کہ جو جوان کسی بوڑھے کی تعظیم اُس کے بڑھاپے کی وجہ سے کریگا تو اُس جوان کے بڑھاپے کی حالت میں اللہ تعالیٰ اُسکی تعظیم کرنیوالا شخص پیدا فرمائیگا اُس حدیث میں اشارۃً درازی عمر کی بھی بشارت آگئی کہ اسکو بوڑھا ہونا نصیب ہوگا[9]۔ **چہارم**۔ ہر شخص کیساتھ خندہ[10] روئی کیساتھ پیش آؤ کیونکہ

[1] سُن لینا اور فرمانبرداری کرنا ۱۲ [2] وہ چیزیں جو کسی کے تابع ہو کر موجود ہوتی ہیں خود بخود نہیں رنگ و روپ اعمال غصہ حلم وغیرہ ۱۲ [3] تخلیق ۱۲ [4] بخاری ۱۲ [5] کچھ مضمون مسند احمد ۱۲ [6] مضمون مسلم و مکارم الاخلاق ۱۲ [7] ترمذی حسن غریب ۱۲ [8] ... [9] ... [10] ہنس مکھ ہونا ۱۲ +

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے شخص کو دوزخ سے بچنے اور اللہ کے محبوب ہونے کی بشارت دیتے ہیں۔ **پنجم** دو مسلمانوں میں رنجش ہو جائے تو صلح کرادو۔ شریعت میں ایسے موقع پر تالیفِ قلوب کی وجہ سے بضرورت جھوٹ بولنے تک کی اجازت آئی ہے اور شرعاً اُس کا درجہ نفل نماز اور روزہ سے بھی افضل ہے۔ **ششم** جو لوگ ایک کی دوسرے سے چغلی کھاتے ہیں یا اِدھر کی اُدھر لگاکر مسلمانوں میں باہم رنجش پیدا کرتے ہیں اُنکی بات ہرگز نہ سنو کیونکہ وہ اپنا دین برباد اور جہنم میں جانیکا سامان کررہے ہیں۔ **ہفتم** تمھاری کسی سے اگر رنجش ہو تو تین دن سے زیادہ علیحدگی مت رکھو کیونکہ اگر تم مسلمان کی خطا سے درگذر کروگے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمھاری خطاؤں سے درگذر فرمائیگا۔ **ہشتم** سلوک اور احسان کرتے وقت اہل اور نااہل مت دیکھا کرو کیونکہ اگر کوئی نااہل بھی ہو تو تم اُسکے ساتھ کیوں نااہل بنتے ہو سلوک کرنے کیلئے تمھارا اہل ہونا کافی ہے۔ **نہم** لوگوں سے اُنکی حالت کے موافق برتاؤ کیا کرو یعنی جاہل میں اُس کمال اور تقویٰ کو مت ڈھونڈو جو علماء میں ہوا کرتا ہے اور عوام کی طبیعتوں میں خواص کی سی سمجھ اور سلیقہ کی توقع مت رکھو۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے دعا مانگی تھی کہ الٰہی وہ طریق بتلادے جس سے مخلوق بھی مجھ سے محبت کرے اور آپ بھی راضی رہیں تو حکم ہوا کہ اے داؤد دنیا داروں سے اُنکی حالت کے موافق برتاؤ کرو اور دینداروں سے اُنکے حال کے مطابق۔ **دہم** برتاؤ کے وقت لوگوں کے مرتبوں کا بھی لحاظ رکھو یعنی اگر کوئی دنیا دار باعزت آدمی تمھارے پاس آجائے تو اُسکی بھی عظمت کرو۔ دیکھو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض دنیادار ذی عزت شخص کیلئے چادرِ مبارک بچھادی اور یوں فرمایا ہے کہ "جب کسی قوم کا کوئی بڑا شخص تمھارے پاس آیا کرے تو اُسکی عزت کیا کرو"۔ **یازدہم** مسلمانوں کے عیب ہرگز ظاہر نہ کرو کیونکہ پردہ پوشی کرنیوالے جنت میں جائینگے۔ غیبت بھی نہ کرو اور کسی کے عیب کی ٹوہ میں بھی نہ رہو۔ یاد رکھو کہ اگر آج تم کسی مسلمان کی عیب جوئی کروگے تو کل کو حق تعالیٰ تمھارا عیب ظاہر فرماکر رسوا کردیگا۔ اور جسکو وہ رسوا کرے پھر اسکو امان کہاں؟ **دوازدہم** تہمت کی جگہ سے بھی بچو ورنہ لوگ بدگمان ہونگے اور تمھاری غیبت کیا کرینگے۔ اور چونکہ اُنکی غیبت میں مبتلا ہونیکا سبب تم بنے ہو کہ نہ تہمت کے موقع پر تم جاتے اور نہ اُنکو غیبت کا موقع ملتا۔ لہذا گناہ تم پر بھی ہوگا اسلئے کہ گناہ کا سبب بننا بھی گناہ ہے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ ازواجِ مطہرات میں کسی کیساتھ دروازہ مکان پر کھڑے ہوئے کچھ باتیں کررہے تھے کسی شخص کا اُس جانب گذر ہوا چونکہ موقع تہمت تھا اسلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آواز دیکر اُس شخص سے فرمایا۔ "اے شخص جس عورت سے میں باتیں کررہا ہوں یہ میری بی بی صفیہ ہے۔" اُس شخص نے عرض کیا کہ یارسول اللہ توبہ ہے کہیں آپ کی جانب بھی بدگمانی ہوسکتی ہے؟ حضرت نے فرمایا تعجب ہی کیا ہے شیطان تو بنی آدم کی رگ رگ میں سرایت کئے ہوئے ہے۔ یعنی شاید تمھارے دل میں یہ وسوسہ پیدا کرتا اور وہ تمھاری بربادی کا سبب بنتا۔ اسلئے مجھے اطلاع دینی ضروری ہوئی۔ **سیزدہم** مسلمانوں کی حاجت روائی میں کوشش کیا کرو۔ حدیث میں آیا ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اکثر کسی کو کچھ دینے دلانے میں تاخیر کرتے اور یوں ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ "میں صرف اس وجہ سے جلدی حکم نہیں

ابن حبان صحیح۔ بیہقی ضعیف ۱۲ الفت کرانا ۱۲ مضمون بخاری ومسلم ۱۲ بخاری وابوداؤد ونسائی وغیرہ ۱۲ ابن حبان صحیح ۱۲

دیناکہ تم کو سفارش کرنیکا موقع ملجائے اور تم زبان سے کلمۃ الخیر نکالکر ثواب حاصل کرو"۔ مسلمان کی حاجت روائی میں سعی کرنا بہرحال نافع ہے خواہ تمہاری کوشش سے اُسکی حاجت پوری ہو یا نہ ہو۔ حدیث میں اس سعی کا اجر وثواب سال بھر کے اعتکاف سے زیادہ آیا ہے۔ **چہاردہم**۔ ہر مسلمان سے سلام علیک اور مصافحہ میں پیش قدمی کیا کرو۔ حدیث میں آیا ہے کہ جب دو مسلمان مصافحہ کرتے ہیں تو رحمت خداوندی کے سنتر حصّوں میں سے اُنہتر حصّے تو اُسکو ملتے ہیں جس نے مصافحہ میں ابتدا کی ہے اور ایک حصّہ دوسرے کو۔ **پانزدہم**۔ مسلمان بھائی کی عدم موجودگی میں بھی اُسکی مدد کرو یعنی اُسکی آبرو یا مال پر اگر دھبہ یا نقصان آئے تو اسکو مٹاؤ۔ کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ جہاں کسی مسلمان کی آبروریزی ہو رہی ہو تو جو مسلمان ایسے وقت میں اُسکی مدد کریگا تو حق تعالیٰ اُسکی ضرورت کے وقت اُسکی مدد فرمائیگا اور جو مسلمان اُسکی کچھ پروا نہ کریگا تو حق تعالیٰ بھی اُس کی اعانت کے موقع پر اُس کی کچھ پرواہ نہ فرمائیگا۔ **شانزدہم**۔ شریر لوگوں سے بھی اس نیت سے مدارات کر لیا کرو کہ اس طرح پر ان کے شر سے محفوظ رہوگے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہونیکی اجازت چاہی آپ نے فرمایا "اچھا آنے دو برا شخص ہے"۔ اور جب وہ اندر آگیا تو آپ نے ایسی نرمی اور ملاطفت کیساتھ اُس سے باتیں کیں جس سے معلوم ہوتا تھا کہ حضرت اُسکی بڑی قدر کرتے ہیں۔ جب وہ چلا گیا تو میں نے حضرت سے اسکی وجہ پوچھی تب آپ نے فرمایا کہ "بدتر شخص قیامت کے دن وہ ہے جسکی بدی سے بچنے کے لئے لوگ اُسکو چھوڑ دیں"۔ نیز حدیث میں آیا ہے کہ جس طریقہ سے بھی انسان اپنی آبرو بچائے وہ صدقہ میں شمار ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت ہے کہ لوگوں سے اُن کے اعمال کے موافق میل جول رکھو البتہ بدکاروں کو دل میں جگہ نہ دو۔ **ہفدہم**۔ زیادہ تر مسکینوں کے پاس اُٹھو بیٹھو اور امرا کی صحبت سے پرہیز کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی ہے کہ بار الٰہا میری موت وحیات مسکنت ہی کی حالت میں رکھیو اور مسکینوں ہی کی جماعت میں میرا حشر فرمائیو۔ حضرت سلیمان علیہ السلام باوجود اس جاہ واقتدار کے جب کبھی مسجد میں کسی مسکین کو بیٹھا دیکھتے تو اُسکے پاس بیٹھ جاتے اور فرمایا کرتے تھے کہ مسکین اپنے ہم جنس مسکین کے پاس بیٹھ گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے ایک مرتبہ دریافت کیا کہ یا اللہ میں آپ کو کہاں ڈھونڈوں؟ تو حکم ہوا کہ شکستہ دل لوگوں کے پاس۔ **ہشتدہم**۔ حتی الامکان اُنہیں کے پاس بیٹھو جنکو کچھ دینی فائدہ پہنچا سکو یا جن سے دین کا کچھ نفع خود حاصل کرسکو اور غفلت والوں سے علیحدہ رہو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "برے ہمنشین سے تنہائی بہتر ہے اور تنہائی سے نیک بخت ہمنشین بہتر ہے۔ یہ خیال کرو کہ اگر تم ایسے شخص کے پاس آتے جاتے رہو جو ہر دفعہ تمہارے کپڑے کا ایک تار یا داڑھی کا ایک بال نوچ لیا کرے تو ضرور تم کو اندیشہ ہوگا کہ اس طرح پر تو عنقریب کپڑا ختم اور داڑھی ندارد ہو جائیگی اور تم اسکے پاس آمد ورفت ترک کردوگے پس اسی طرح جسکی صحبت میں حبہ برابر بھی دین کی کمی ہو تو اُس سے پرہیز کرو ورنہ تھوڑا تھوڑا ہو کر ایک دن سارا دین برباد ہو جائیگا۔ **نوزدہم**۔ مسلمان بھائی اگر بیمار ہو تو اُس کی عیادت کیا کرو اور انتقال کر جائے تو اُس کے جنازے

له ابوداؤد [illegible] مسلم ۱۲ [illegible] حاکم [illegible] ترمذی ۱۲ [illegible] ابوداؤد [illegible] ۱۲ [illegible] ابوداؤد حسن ۱۲ [illegible] دارقطنی [illegible] حاکم [illegible] ابن ماجہ [illegible] مسلم [illegible] حسن ۱۲

کے ساتھ جاؤ اور اس کے بعد بھی کبھی کبھی گورستان میں اُنکی قبر پر ہو آیا کرو اور اُن کیلئے ایصالِ ثواب اور استغفار وطلب رحمت کرتے رہا کرو **بسم** - اگر انکو چھینک آئے تو یرحمک اللہ کہو اور اگر وہ تم سے کسی بات میں مشورہ کریں تو نیک صلاح دیا کرو۔ المختصر جو اہتمام اپنے نفس کو نفع پہنچانے اور ضرر سے بچانے کا کر سکتے ہو وہی عام مسلمانوں کیلئے ملحوظ رکھو۔

خاص متعلقین سے برتاؤ

متعلقین اور اقارب کے حقوق

نسبی اور صہری رشتہ دار یعنی بیوی بچے ماں باپ اور ہمسایہ و غلام نوکر چاکر سب متعلقین میں داخل ہیں۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن سب سے پہلے جنکا مقدمہ پیش ہوگا وہ دو ہمسایہ ہونگے۔ لہذا پڑوس کے حقوق کا زیادہ خیال رکھنا چاہئے کیونکہ ہمسایہ کے پلے ہوئے کتے کے اگر ڈھیلا بھی مارو گے تو ہمسایہ کے ایذا رساں سمجھے جاؤ گے۔ ایک عورت نہایت پارسا تھی مگر اُسکے پڑوسی اُس سے نالاں رہتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسکو دوزخی فرمایا ہے۔

پڑوس کے حقوق

ایک مرتبہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا جانتے بھی ہو کہ ہمسایہ کے کتنے حق ہیں؟ اگر ہمسایہ مدد چاہے تو مدد کرو اور قرض مانگے تو قرض دو۔ اگر تنگدست ہو جائے تو سلوک کرو اور بیمار پڑے تو عیادت کرو اور انتقال کر جائے تو جنازہ کیساتھ جاؤ اگر اُسکو کوئی خوشی حاصل ہو تو مبارکباد دو اور رنج پہنچے تو تسلی دو اُسکی اجازت کے بغیر اپنا مکان اتنا اونچا نہ بناؤ کہ اُس کو خاطر خواہ ہوا نہ پہنچ سکے اگر کوئی پھل خرید کر لاؤ تو اسمیں سے بقدر مناسب اُسکو بھی دو اور اگر نہ دیسکو تو چھپکے سے گھر میں لیجاؤ تاکہ دیکھکر اُسکو حرص نہ ہو اسکے بعد مناسب ہے کہ تمھارا بچہ پھل لیکر باہر نکلے کیونکہ ہمسایہ کے بچہ کو حرص ہوگی تو اُسکو رنج پہنچیگا۔ اسی طرح اگر ہانڈی چڑھے تو ایک چمچہ پڑوسی کو بھی پہنچاؤ۔ جانتے ہو کہ پڑوسی کا حق کس قدر ہے؟ بس یہ سمجھ لو کہ پڑوسی کا حق وہی پورے کر سکتا ہے جس پر حق تعالیٰ کا فضل ہو۔

قرابت کے حقوق

قرابت داری کے حقوق کا بھی لحاظ رکھو کیونکہ رحم جسکے معنی قرابت کے ہیں رحمٰن سے مناسبت رکھتا ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ ”جو شخص رحم سے میل رکھیگا میں اس سے میل رکھونگا اور جو اس سے قطع تعلق کریگا میں اس سے قطع تعلق کرونگا۔ صلہ رحمی کرنیوالے کی عمر میں برکت ہوتی ہے جنت کی خوشبو جو پانچسو برس کی مسافت سے آتی ہے وہ قاطع رحم کو ہرگز نہ آئیگی۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ماں باپ کی خدمت کرنا نماز روزے حج و عمرہ اور جہاد فی سبیل اللہ سے بھی افضل ہے اور ماں کا حق باپ کی بہ نسبت دو چند ہے حدیث میں حکم ہے کہ جو کچھ دینا ہو ساری اولاد کو مساوی دیا کرو۔

غلام کے حقوق

غلاموں کے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ انکے متعلق خدا سے ڈرو اور جو کچھ خود کھاؤ وہی انکو بھی کھلاؤ اور جو تم پہنو وہی انکو بھی پہناؤ و تحمل سے زیادہ ان سے کام نہ لو اور یہ سمجھو کہ صاحب قدرت خدا نے انکو تمھارا غلام بنا دیا ہے اگر وہ چاہتا تو تم کو اُن کا غلام بنا دیتا جب غلام کھانا لاکر تمھارے سامنے رکھے تو چونکہ آگ کی تپش اور دھوئیں کی کلوس اسی نے برداشت کی اور تم کو ان تکلیفوں سے بچایا ہے اسلئے اُسکی دلدہی کرو اور اُسکو شفقت کیساتھ اپنے پاس بٹھا کر ساتھ کھلاؤ یا کم سے کم ایک

لہ خدا تم پر رحم کرے یہ سب مضمون صحیح حدیثوں کے ہیں ۱۲ ؎ جو نکاح سے ہوں ۱۲ ؎ طبرانی صحیح ۱۲ ؎ ابن ابی شیبہ ۱۲ ؎ مکارم الاخلاق خرائطی و ابو الشیخ ۱۲ ؎ حدیث قدسی ابو داؤد و ترمذی حسن ۱۲ ؎ رشتہ داری باقی رکھنا مضمون بخاری و مسلم ۱۲ ؎ رشتہ داری قطع کرنیوالا احادیث طبرانی ۱۲ ؎ مضمون ابو یعلی و طبرانی صغیر ۱۲ ؎ ابن منیع ۱۲ ؎ طحاوی صحیح یعنی زندگی میں اور مرنے کے بعد بقدر وراثت ۱۲ ؎ ابو داؤد ۱۲ ؎ مسلم ۱۲ ؎ بخاری ۱۲ ؎ ابن عساکر آخر تک ۱۲

لقمہ اُسکے ہاتھ پر رکھدو اور پیار کے لہجہ میں کہو کہ کھالو ایسا کرنیسے اُسکا دل خوش ہو جائیگا اور تمھاری عزت میں فرق آئیگا اگر وہ کوئی خطا کر بیٹھے تو درگذر کرو اس کو غرور او حقارت کی نظر سے مت دیکھو۔ بی بی کے حقوق چونکہ غلام سے کہیں زیادہ ہیں لہذا بی بی کی تمام ضرورتوں کو پورا کرو اور حسنِ معاشرت خوش کلامی کا برتاؤ رکھو کیونکہ بیبیوں کیساتھ نیک برتاؤ رکھنے والوں کے بڑے درجے ہیں۔ دیکھو مقتدائے اُمت جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ازواجِ مطہرات کیساتھ کیسی خوش طبعی دلجوئی اور محبت و نرمی کا برتاؤ فرماتے تھے حدیثوں میں حسنِ معاشرت کی بڑی تاکید آئی ہے۔ **فصل** انھیں اصول میں سے ایک اصل یہ بھی ہے کہ اپنے لئے کچھ دینی دوست تجویز کرلو کہ جن سے محض اللہ ہی کیواسطے محبت ہو۔ قیامت کے دن حق تعالیٰ آواز دیگا کہ "کہاں ہیں جو خاص میرے واسطے محبت باہم رکھتے تھے آج جبکہ میرے سایہ کے سوا کہیں سایہ نہیں ہے میں اُنکو اپنے سایہ میں لونگا"۔ حدیث میں آیا ہے کہ عرش کے گرد نور کے ممبر ہیں جن پر ایک جماعت بیٹھے گی جنکے لباس اور چہرے سرتاپا نور ہونگے۔ اور وہ لوگ نہ نبی ہیں نہ شہید مگر انبیا اور شہدا اُنکی حالت پر رشک کرینگے صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ وہ کون لوگ ہونگے تو آپ نے فرمایا کہ اللہ کے مخلص بندے جو باہم اللہ کیواسطے کی محبت کرتے اور اللہ کیواسطے ایک دوسرے کے پاس بیٹھتے اُٹھتے اور آتے جاتے ہیں" یاد رکھو کہ ایمان کے بعد اللہ واسطے کی محبت کا مرتبہ ہے اور اسمیں بھی دو درجے ہیں۔ **پہلا درجہ** یہ ہے کہ تم کو کسی شخص سے اس بنا پر محبت ہو کہ دنیا میں تم کو اس کے ذریعہ سے ایسی چیز حاصل ہوئی ہے جو آخرت میں مفید ہے مثلاً شاگرد کو اپنے اُستاد کیساتھ علم دین حاصل کرنیکے سبب محبت ہے اور مرید کو اپنے مرشد سے راہ طریقت معلوم کرنیکی وجہ سے محبت ہے بلکہ اُستاد کو اپنے شاگرد کیساتھ جو محبت ہوتی ہے وہ بھی اسی بنا پر ہوتی ہے کہ علم دین کا سلسلہ اسکی وجہ سے مدتوں تک میری طرف منسوب ہو کر جاری رہیگا اور مجھکو آخرت میں صدقہ جاریہ کا اجر ملیگا۔ اسی طرح اپنے خادم اور محسن دونوں کیساتھ اسی نیت سے محبت ہوتی ہے کہ انکی خدمت اور احسان کی وجہ سے فارغ البالی حاصل ہوتی ہے اور اطمینان کیساتھ عبادت و طاعت کا وقت نصیب ہوتا ہے پس یہ سب اللہ ہی کیواسطے کی محبت ہے کیونکہ کوئی دنیاوی غرض اس محبت سے مقصود نہیں ہے۔ مگر پھر بھی چونکہ خاص اللہ کی ذات مطلوب نہیں ہے اسلئے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ کسی اللہ کے پیارے اور نیک بندے سے بغیر کسی دینی غرض کے صرف اسوجہ سے محبت ہو کہ یہ شخص اپنے محبوب یعنی حق تعالیٰ کا محبوب ہے کیونکہ معشوق کے تو کوچہ کا کتا بھی دوسرے کتوں سے ممتاز ہوتا ہے پھر بھلا کیسے ممکن ہے کہ تمھیں حق تعالیٰ سے محبت ہو اور اُسکے محبوب بندوں سے محبت نہ ہو؟ یاد رکھو کہ رفتہ رفتہ یہ تعلق یہانتک قوی ہو جاتا ہے کہ اللہ کے محبوب بندوں کیساتھ اپنے نفس کا سا برتاؤ ہونے لگتا ہے بلکہ اپنے نفس پر بھی اُنکو ترجیح ہوتی ہے پس جتنا بھی یہ علاقہ مضبوط ہوگا اُسی قدر کمال میں ترقی ہوگی۔

ایسا ہی بغض کا حال ہے کہ حق تعالیٰ کے نافرمان بندوں سے عداوت ہونی چاہیئے جنکو یہ درجہ نصیب ہوتا ہے اُنکی یہ حالت ہوتی ہے کہ اللہ کے نافرمان بندوں کے پاس اُٹھنا بیٹھنا اور اُن سے بات کرنا تک چھوڑ دیتے ہیں اگر ان کی صورت نظر

بی بی کے حقوق۔

دینی دوست بنانے کی فضیلت اور حب فی اللہ کے درجے۔

بغض فی اللہ

ابوداؤد و ترمذی ۱۲ مسلم ۱۲ سنن کبریٰ نسائی مضمون ابن حبان ۱۲ رشک کبھی بڑے کو چھوٹے پر بھی ہوتا ہے جیسے حاکمِ اعلیٰ کے معائنہ تحصیل کے وقت چپراسی کی بے فکری اور اپنی ذمہ داری دیکھکر تحصیلدار کو اُس پر رشک ہوتا ہے اسی طرح حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی اُمت کے فکر میں مشغول ہوں گے اور یہ لوگ اُن سے چھوٹے درجہ میں ہونیکی وجہ سے ان فکروں سے آزاد ہوں گے ۱۲

نظر آتی ہے تو آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا مانگی ہے کہ خداوندا کسی فاسق شخص کا مجھ پر احسان نہ کرائیو کہ اسکے احسان کی وجہ سے میرے دل میں اسکی محبت نہ آجائے[1] حُبِّ فی اللہ[2] اور بُغض فی اللہ اسی کا نام ہے اور جس مسلمان کو اپنے مولا سے اتنی بھی محبت نہیں جس کا یہ اثر ہو کہ اللہ کے محبوب بندے اسکے محبوب بنجائیں اور خدا کے دشمنوں کو وہ اپنا دشمن سمجھے تو سمجھنا چاہئے کہ اس شخص کے ایمان میں ضعف ہے اور اُسکو اپنے خدا ہی کیساتھ محبت نہیں ہے۔

نویں اصل امر بالمعروف[3] اور نہی عن المنکر[4] یعنی وعظ و نصیحت کا بیان

اللہ پاک فرماتا ہے کہ "تم میں کچھ لوگ ایسے بھی ہونے چاہئیں جو نیکی کی جانب بلائیں اور اچھے کاموں کا حکم کریں۔ برائیوں سے منع کریں۔ یہی لوگ فلاح پانیوالے ہیں۔" حدیث[5] میں آیا ہے کہ "جب لوگ معصیت میں مبتلا ہو جائیں اور اُن میں ایسے لوگ بھی موجود ہوں جو اُنکو معصیت سے روک سکتے ہیں مگر وہ کاہلی کریں اور اُنکو معصیت سے منع نہ کریں تو حق تعالیٰ اُن پر عذاب جلد نازل فرمائیگا" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ[6] "ایک ایسے قصبہ پر عذاب نازل ہو چکا ہے جسمیں اٹھارہ ہزار مسلمان آباد تھے اور اُنکے اعمال انبیاء علیہم السلام جیسے[7] تھے مگر اتنا نقص تھا کہ اللہ کی نافرمانیاں دیکھکر اُنکو غصہ نہ آتا تھا اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑے ہوئے تھے لہذا ہلاک کر دیئے گئے۔" اگر تم کسی جگہ پر کوئی ناجائز کام ہوتا ہوا دیکھو گے اور خاموش بیٹھے رہو گے تو اس گناہ میں تم بھی شریک سمجھے جاؤ گے کیونکہ غیبت کرنیوالا اور سُننے والا گناہ کے اندر دونوں برابر ہیں اسی طرح ریشمی لباس یا سونے کی انگوٹھی پہننے والے جس قدر گناہگار ہیں اُسی قدر اُسکے وہ یار دوست یعنی اُسکے پاس بیٹھنے اُٹھنے والے مسلمان بھی گناہگار ہیں جو اُسکو ریشمی لباس اور طلائی انگشتری پہنے دیکھتے ہیں اور منع نہیں کرتے۔ اسی طرح ایسے مکانوں میں بیٹھنا جنکی دیواروں پر تصویریں ہوں یا ایسی مجلس میں شریک ہونا جہاں کوئی بدعت ہو رہی ہو یا کسی مباحثہ اور مناظرہ کے ایسے جلسہ میں جانا جہاں سب و شتم اور لغو مشغلہ ہو سب گناہ ہے۔ پس خوب سمجھ لو کہ ان گناہ ہونیکے موقعوں سے صرف بچنا ہی ضروری نہیں ہے بلکہ جب تک بے تأمل نصیحت نہ کرو گے اور گناہ سے اُن کو روک نہ دو گے اُسوقت تک عہدہ برآ[8] ہرگز نہ ہوسکو گے۔ یہی سبب ہے کہ گوشہ نشینی بہتر سمجھی گئی ہے اور جتایا گیا ہے کہ کثرتِ اختلاط[9] سے ضرور معصیت ہوتی ہے کیونکہ مسلمان کیسا ہی متقی کیوں نہ ہو جبتک ملامت کرنیوالوں کی ملامت کا خوف دل سے نہ نکال دے اور گناہ ہوتا دیکھے اُسکو روک نہ دے گناہ سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ غرض مداہنت[10] حرام ہے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر واجب ہے البتہ دو حالت میں اسکا وجوب قائم نہیں رہتا۔

واعظوں کی بے پروائی معصیت ہے۔

گناہگاروں سے میل رکھنا اور معصیت کی مجلس میں بیٹھنا۔

علماء کے گناہوں پر سکوت کرنا۔

پہلی حالت۔ اس کو معلوم ہو کہ میں اس گناہ سے منع کرونگا تو مجھ کو نظرِ حقارت سے دیکھا جائیگا اور نہ میری بات کی یہ لوگ پرواہ کرینگے اور نہ اس گناہ کو چھوڑینگے تو ایسی صورت میں نصیحت کرنا واجب نہ رہیگا اور یہ حالت اکثر اُن معصیتوں کے متعلق پیش آتی ہے جنکے مرتکب فقہاء و علماء یا ایسے لوگ ہوتے ہیں جو اپنے آپکو دیندار اور متقی سمجھتے ہیں کیونکہ اگر

---

۱ دیلمی ۱۲ ۲ صرف اللہ کیواسطے محبت اور صرف اللہ کے واسطے کی دشمنی ۱۲ ۳ نیکی کا حکم ۱۲ ۴ برائی سے روک ۱۲ ۵ ابوداؤد مضمون ترمذی صحیح ۱۲ ۶ ثابت نہیں۔ عراقی ۱۲ ۷ یعنی قریب قریب ورنہ انبیاء تک کسی کا عمل نہیں پہنچ سکتا ۱۲ ۸ بری الذمہ ۱۲ ۹ بہت میل جول ۱۲ ۱۰ بے توجہی ۱۲

کوئی شخص اُن کو نصیحت کرے تو اُن کو سخت ناگوار گذرتا ہے اور وہ گناہ چھوٹتا نہیں جسکو انھوں نے اختیار کیا ہے ایسی موقع پر بیشک سکوت جائز ہے۔ البتہ زبان سے پھر بھی نصیحت کردینا مستحب ہے اسکے ساتھ اسکا بھی خیال رکھو کہ گو ایسی جگہ نصیحت کرنا واجب نہیں ہا مگر خود وہاں سے اُٹھ آنا ضرور واجب ہے کیونکہ بیٹھا رہنا اپنا اختیاری فعل ہے اور باختیار خود معصیت کا دیکھنا بھی معصیت ہے پس جہاں دورِ شراب جاری ہو یا غیبت ہو رہی ہو یا ڈاڑھی منڈے بددین غیر متشرع[1] فاسق فاجر بیٹھے ہوں وہاں ہرگز نہ بیٹھو۔ **دوسری حالت** یہ ہے کہ ناجائز فعل سے باز رکھنے پر قدرت تو ہو مگر اس کا غالب اندیشہ ہو کہ اگر دست اندازی کی تو ضرور یہ لوگ مجھ کو مارینگے۔ مثلاً کسی جگہ شراب کا شیشہ یا ستار وغیرہ یا اور کوئی سامانِ لہو ولعب کھا ہوا دیکھو اور ممکن ہو کہ آگے بڑھکر اسکو توڑ پھوڑ دو مگر غالب گمان یہ ہو کہ ایسا کرنے سے ان کا مالک تم کو ایذا دیئے بغیر باز نہ رہیگا تو اس صورت میں بھی چُپ ہو رہنا جائز ہے۔ البتہ ہمت کرنا پھر بھی مستحب ہے کیونکہ ایسے امر خیر میں جو کچھ ایذا پہنچے گی اسکے بھی بڑے اجر ہیں ایسی حالت میں سکوت کا جائز ہونا اس شرط پر ہے کہ بدنی تکلیف یعنی مارپیٹ یا مالی نقصان یا شکیت اور آبروریزی یا ایذا رسانی کا یقین یا غالب گمان ہو نہ یہ کہ نصیحت کرنے سے اُنکو میری محبت نہ رہیگی یا ناگوار گذریگا اور مجھ کو زبان سے کچھ بُرا بھلا کہنے لگیں گے یا مجھکو اپنا دشمن سمجھنے لگیں گے اور آئندہ کوئی تکلیف پہنچانے کی فکر کرینگے یا جو کچھ دیتے ہیں وہ بند کرلیں گے یا آئندہ کوئی دینی مصلحت بہبودی کی توقع ہے اور نصیحت کرنے سے وہ مصلحت ہاتھ سے جاتی رہیگی تو ایسی موہوم باتوں کی شریعت میں کچھ وقعت نہیں ہے اور نہ ان خیالات سے خلافِ شرع امر پر نصیحت کئے بغیر چُپ ہو رہنا جائز ہے اس کو خوب سمجھ لو۔

بحالت ایذا کے خوف کے مرتکبِ منکر کو نصیحت چھوڑنا۔

فصل۔ یوں تو واعظ کو حلیم الطبع[2] نرم مزاج ہونا نہایت ضروری ہے کیونکہ اپنی نیک بختی جتانے اور دوسروں پر اعتراض کرنیکی نیت سے وعظ کرنیکا نتیجہ اچھا نہیں نکلتا بلکہ اس سے لوگوں کو صدمہ ہوتا اور برافروختگی بڑھتی ہے اور بجائے معصیت چھوڑنے کے وہ لوگ معصیت پر ضد اور اصرار کرنے لگتے ہیں اور جب ضد بندھ گئی تو پھر نصیحت کرنا اللہ واسطے نہ رہا بلکہ اپنے دل کی جلن نکالنے اور پھپھولے پھوڑنے کی غرض ہو گیا لہذا جب وعظ کہو تو نہایت نرمی سے کہو اور نیت رکھو کہ کاش حق تعالیٰ کی یہ معصیت چھوٹ جائے اور کوئی دوسرا ہی واعظ اُسکو چھڑا دے تو بہت بہتر ہے۔ کیونکہ خود معترض اور ناصح بننے کی عزت کا خواستگار ہونا خلوص کی خلاف ہے۔ ایک مرتبہ خلیفہ مامون رشید کو ایک واعظ نے کسی بات کی سختی کیساتھ نصیحت کی تو مامون رشید نے واعظ سے کہا کہ ذرا نرمی سے نصیحت کیا کرو۔ دیکھو تم سے بہتر ناصح حضرت کلیم اللہ[3] علیہ السلام پیغمبر مجھ سے بدتر بندہ فرعونِ مصر کی جانب ناصح بنا کر بھیجے گئے اور اُن کو اللہ تعالیٰ کا یوں حکم ہوا فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا کہ اے موسیٰ اور اے ہارون فرعون سے نرمی کیساتھ باتیں کیجیو۔ حضرت امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ایک نوجوان شخص رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ مجھے زنا کرنے کی اجازت دیدیجیے۔ اُس شخص کا کلمہ سُنکر لوگ اُسکو ڈانٹنے لگے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چھوڑ دو اور اُس شخص کی جانب متوجہ ہو کر فرمایا

واعظ کے فضائل و اخلاق۔

[1] خلاف شرع ۱۲ [2] بردبار طبیعت والا ۱۲ [3] حضرت موسیٰ ۱۲ [4] احمد و طبرانی صحیح ۱۲

کہ "یہاں آؤ" اور جب وہ شخص پاس آیا تو آپ نے کہا کہ "میں تم سے ایک بات پوچھتا ہوں۔ بھلا اگر تمھاری ماں سے کوئی شخص زنا کرے تو کیا تم کو ناگوار نہیں گذریگا؟" اُس نے عرض کیا کہ کیوں نہیں گذریگا ضرور گذریگا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ "پھر تم ہی بتاؤ کہ دوسروں کو اپنی ماؤں کیساتھ ایسا ہونا کیونکر گوارا ہوگا؟" اسکے بعد آپ نے فرمایا کہ "اچھا تمھاری بیٹی کیساتھ اگر کوئی ایسا فعل کرے تو کیا تم کو پسند ہے؟" اُس نے جواب دیا کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا "پھر دوسرے اپنی بیٹیوں کیساتھ اسکو کیوں پسند کرنے لگے" یہانتک کہ آپ نے بہن اور پھوپھی اور خالہ سب ہی کا نام لیکر دریافت فرمایا اور یوں ہی جواب دیتے رہے کہ پھر دوسرے لوگ اپنے رشتہ داروں کیساتھ ایسی بیحیائی کیوں پسند کرنے لگے۔ آخر یہ عورت کہ جس سے زنا کیا جائیگا کسی کی ماں یا بیٹی یا پھوپی یا خالہ تو ضرور ہوگی اور جب تمھیں اپنے رشتہ داروں میں کسی کیساتھ بھی کسی کا زنا کرنا گوارا نہیں ہے تو دوسرے مسلمانوں کو اُنکے کسی رشتہ دار سے تمھارا زنا کرنا کیونکر گوارا ہونے لگا ہے"۔ اسکے بعد دست مبارک اُس کے سینہ پر رکھا اور دعا کی کہ "خداوندا اسکا قلب پاک کر دیجئے اور گناہ بخشدیجئے اور اسکی شرمگاہ کی حفاظت فرمائیے"۔ اسکے بعد ہم نے دیکھا کہ سب سے زیادہ ناپسندیدہ گناہ اُس کے نزدیک زنا ہی تھا۔

ایک مرتبہ مجمع میں حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ سے شکایت کی گئی کہ حضرت سفیانؒ بن عیینہ نے شاہی تحفہ قبول کر لیا شیخ نے یہ سنکر مجمع میں تو صرف یہ کہکر بات کو ٹالدیا کہ نہیں جی سفیان نے اپنا حق لیا ہوگا اور وہ بھی ناتمام۔ مگر خلوت میں سفیانؒ کو پاس بٹھا کر نہایت نرمی سے نصیحت کی اور فرمایا کہ "اے ابو علی ہم اور تم اگر بزرگ نہیں ہیں تو بزرگوں کے محب اور دوست رکھنے والے تو ضرور ہیں" مطلب یہ کہ ہم لوگ چونکہ اس زمرہ میں شمار ہوتے ہیں اسلئے تم کو ایسے افعال سے بچنا چاہیئے جسکو لوگ حجت پکڑیں اور بزرگونکے نام پر عیب لگائیں۔ **دوم**۔ واعظ کو اول اپنی اصلاح کرنی چاہیئے کیونکہ نصیحت کا اثر اُسی وقت ہوتا ہے جبکہ ناصح خود بھی باعمل ہو ورنہ لوگ ہنستے اور مذاق اڑایا کرتے ہیں۔ ہاں یہ ضرور سمجھ لینا چاہیئے کہ نصیحت کرنیکا جواز یا وجوب عامل ہونے پر موقوف نہیں ہے اگر کوئی عالم خود عامل نہ بھی ہو تب بھی اُسکو نصیحت اور وعظ کا چھوڑ دینا اور گناہوں کو ہوتے ہوئے دیکھکر سکوت اختیار کرنا جائز نہ ہوگا۔ خوب سمجھ لو کہ یہ خیال بھی ایک شیطانی وسوسہ ہے کہ جبتک خود پورے عامل نہ بنجائیں اُسوقت تک دوسروں کو کیا نصیحت کریں۔ اگر ایسا خیال معتبر سمجھا جاوے تو وعظ اور نصیحت کا سلسلہ مفقود اور دروازہ بالکل مسدود ہو جائیگا۔ یاد رکھو کہ امر بالمعروف واجب اور ضروری ہے اور عاصی اور گنہگار شخص کو بھی وعظ کہدینا جائز ہے البتہ واعظین پر یہ دوسرا وجوب مستقل ہے کہ اپنے علم پر عمل کریں اور جس کام کی بھی دوسرونکو نصیحت کریں اُس پر خود بھی کاربند ہوں۔ پس اگر ایک واجب کو ترک کیا کہ خود عامل نہ بنے تو دوسرا واجب ترک کرنا کیونکر جائز ہونے لگا کہ دوسرونکو نصیحت بھی نہ کریں۔

واعظ کو عالم باعمل ہونا چاہئے اگرچہ امر بالمعروف اسکے بغیر بھی ضروری ہے

دسویں اصل اتباعِ سُنّت کا بیان

چونکہ اصل سعادت یہی ہے کہ تمام حرکات و سکنات میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کیا جاوے اسلئے سمجھ لو کہ حضرت کے

تمام افعال کی دو قسم ہیں۔ **اوّل** ۔عبادات جیسے نماز روزہ حج جہاد وغیرہ **دوم** ۔عادات مثلاً کھانا پینا سونا
اُٹھنا بیٹھنا وغیرہ اور مسلمانوں پر لازم ہے کہ دونوں قسم کے افعال میں آپکا اقتدا کریں کیونکہ حق تعالیٰ نے جس آیت میں آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کا حکم فرمایا ہے وہاں کوئی قید نہیں لگائی بلکہ یوں ارشاد فرمایا ہے کہ پیغمبر جو کچھ بھی تم کو دیں
اُسکو لیلو اور جس چیز سے منع کریں اُس سے باز آجاؤ۔ شیخ محمد بن اسلم نے تمام عمر صرف اس خیال سے کبھی تربوز نہیں کھایا
کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تربوز کھانیکا انداز اُنکو معلوم نہیں ہوا تھا۔ ایک بزرگ نے ایکمرتبہ موزہ سہواً اول
بائیں پاؤں میں پہن لیا تو اُسکے کفارہ میں جبتک ایک من گیہوں خیرات نہ کرلئے اُسوقت تک چین سے نہ بیٹھے معلوم ہوا کہ کامل
اتباع اور پوری سعادتمندی یہی ہے کہ عادتوں میں بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اقتدا کیا جائے کیونکہ اسمیں بیشمار فائدے
ہیں اور ذراسے تساہل میں ایسی نعمتِ عظمیٰ کا کھو بیٹھنا بیوقوفی ہے۔ اب ہم اسکا سبب اور یہ بات بیان کرتے ہیں کہ اتباعِ کامل میں کیا
فائدے ہیں سُنو۔ اسکی تین وجہ ہیں۔ **اول** تمھیں معلوم ہے کہ قلب کو اعضا سے خاص تعلق ہے اور اعضائے بدن کے تمام افعال
کا اثر دل کے اندر پہنچتا ہے لہذا جبتک اعضا کی حرکات و سکنات حدِ اعتدال پر نہ ہونگی اُسوقت تک قلب کو صلاحیت اور
نور کبھی حاصل نہ ہوگا کیونکہ انسان کا قلب آئینہ کی طرح اور آئینہ آفتاب کی روشنی سے اُسوقت روشن ہو سکتا ہے جبکہ اسمیں
تین باتیں موجود ہوں۔ **اوّل** یہ کہ اسکو صیقل کیا جائے **دوم** ۔ یہ کہ اُسکا جرم صاف اور شفاف ہو۔ **سوم** یہ کہ اسمیں کجی
بالکل نہ ہو اسی طرح جب قلب کے اندر تینوں اوصاف موجود ہونگے کہ خواہشاتِ نفسانی کو ترک کردینے سے اسکی صیقل
ہوجائیگی اور ذکر آلہی سے اُسمیں صفائی پیدا ہوگی اور افعالِ اعضا کو اعتدال پر رکھنے سے اسمیں کجی نہ آنے پاویگی تو اسوقت بیشک
اسمیں تجلیاتِ باری تعالیٰ کا انعکاس ہوگا اور اعتدال کے یہ معنی ہیں کہ ہر چیز کو اُسکے موقع پر رکھا جائے مثلاً چار سمت ہیں ایک
سمت یعنی جانبِ قبلہ کو اللہ تعالیٰ نے عزت بخشی ہے اسلئے تمام نیک کاموں میں خواہ ذکرِ آلہی ہو یا تلاوتِ قرآن اور وضو یا
دعا قبلہ کی جانب منہ کیا جائے اور جو افعال گھنیانے قابل ہوں مثلاً قضائے حاجت یعنی بول و براز اور جماع میں ستر کھولنا
وغیرہ اُس وقت اس جانب سے رُخ پھیر لیا جائے ایسا کرنا چونکہ سمتِ قبلہ کی عزت کا قائم رکھنا ہے لہذا یہی اعتدال
ہے۔ یا مثلاً حق تعالیٰ نے داہنی جانب کو بائیں جانب پر شرف بخشا ہے اسلئے تم کو بھی اس شرف کا ہر وقت خیال رکھنا چاہئے
کہ اگر اچھے کام کرنے مثلاً کلام مجید اُٹھانا یا روٹی کھانی ہو تو داہنا ہاتھ آگے بڑھاؤ اور میلے کام مثلاً استنجا کرنا ناک سنکنا یا
بضرورت کسی ناپاک چیز کو ہاتھ لگانا ہو تو بایاں ہاتھ آگے بڑھاؤ۔ کپڑا پہنو تو اول دائیں طرف اور جوتہ پہنو تو اول
بائیں پاؤں میں پہنو۔ مسجد میں جاؤ تو اول داہنا پاؤں رکھو اور جب باہر نکلو تو اول بایاں پاؤں نکالو۔ الغرض ہر
شے کے مرتبے کا خیال رکھنا عدل و انصاف کہلاتا ہے اور اس ظاہری اعتدال سے قلب بھی معتدل اور مستوی ہوجاویگا
اگر یہ رمز تمھاری سمجھ میں نہیں آیا ہے تو تم تجربہ کر دیکھو اور اسکا تو تم نے تجربہ بھی کیا ہوگا کہ جو لوگ سچ بولنے کے خوگر ہیں اُنکے خواب بھی اکثر
سچے ہوتے ہیں اور جو لوگ جھوٹ بولتے ہیں اُنکی خوابیں بھی زیادہ جھوٹی ہوتی ہیں کیونکہ راست گوئی سے قلب میں اعتدال اور راستی

خربوزہ

ا درمیانی ۱۲ ۲ صاف ۱۲ ۳ جسم ۱۲ ۴ ٹیڑھاپن ۱۲ ۵ عکس ۱۲ ۶ پیشاب پاخانہ ۱۲ ۷ ہمبستری ۱۲

و استقامت آجاتی ہے اور بد دعگوئی سے اسمیں کجی پیدا ہو جاتی ہے۔ دیکھو چونکہ شاعر اکثر جھوٹے اور لغو تخیلات کے عادی ہو جاتے ہیں اسلئے انکے قلوب میں کجی پیدا ہو جاتی ہے۔ لہذا جہانتک ہو سکے جھوٹے خیالات کو دل میں جگہ نہ دو ورنہ دل کا اعتدال ہاتھ سے جاتا رہیگا۔ **دوسرا رمز** یہ ہے کہ دوائیں دو قسم کی ہوتی ہیں بعض وہ کہ جن کے اثر اور تاثیر میں مناسبت ہے مثلاً شہد چونکہ گرم ہے اسلئے گرم مزاج والونکو نقصان دیتا ہے اور سرد مزاج والونکو نفع پہنچاتا ہے ایسی دوائیں تو بہت کم ہیں کیونکہ اکثر دوائیں دوسری قسم میں داخل ہیں یعنی وہ دوائیں کہ جنکی تاثیر کسی مناسبت سے معلوم نہیں ہوتی اسکا نام **خاصیت** ہے اور ظاہر ہے کہ ہر شے کی خاصیت یا تو الہام سے معلوم ہوتی ہے یا وحی سے یا تجربہ سے مثلاً سقمونیا دست آور ہے اور رگوں سے صفرا کو کھینچ لیتا ہے۔ یا مقناطیس کی یہ خاصیت ہے کہ لوہے کو اپنی جانب کھینچتا ہے یہ دونوں تاثیریں تجربہ سے ہی معلوم ہوئی ہیں اسی طرح اعمال و افعال کی تاثیریں بھی دو ہی طرح کی ہیں یعنی بعض اعمال ہیں اور اُنکی تاثیروں میں تو مناسبت کھلی ہوئی موجود ہے مثلاً نفس کی خواہشوں کا پورا کرنا اور دنیوی لذتوں کے پیچھے پڑ جانا مضر ہے کیونکہ جب مرتے وقت دنیا سے روانگی ہوگی اور ظاہر ہے کہ یہ ایک ایک دن ضرور ہونا ہے تو اُسوقت ضرور ان لذتوں کو چھوڑتے ہوئے حسرت ہوگی اور جب کچھ بن نہ پڑیگا تو حسرت بھری نظروں سے دیکھتا ہوا رخصت ہوگا پس لذتوں میں پڑنے اور اُنکے نقصان و ضرر میں مناسبت کھلی ہوئی ہے یا مثلاً ذکرِ الٰہی مفید ہے کیونکہ ذکر کے سبب حق تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوگی اور معرفت کی بدولت محبت پیدا ہوگی۔ اور محبتِ خداوندی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آخرت کی پایدار لذتوں کا شوق ہوگا لہذا دنیا سے جاتے وقت کچھ بھی حسرت نہ ہوگی بلکہ اپنے محبوب سے ملنے کے شوق میں ہنسی خوشی روانہ ہوگا۔ پس ذکر اللہ اور اُسکے ثمرہ و اثر میں بھی مناسبت ظاہر ہے **البتہ** دوسری قسم کے اعمال اور انکی تاثیر میں کچھ مناسبت معلوم نہیں ہوتی اور یہی خاصیت ہے جو وحی اور نورِ نبوت کے علاوہ کسی طرح بھی معلوم نہیں ہوسکتی اور اکثر اعمالِ شریعت چونکہ اسی قسم میں داخل ہیں لہذا جب تم دیکھو کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مباح کاموں میں سے باوجود دونوں پر قدرت ہونیکے ایک کو ترجیح دی ہے مثلاً استنجا داہنے ہاتھ سے بھی کرسکتے تھے مگر پھر بائیں ہاتھ کو اس کام میں لگایا اور سیدھے ہاتھ کو علیحدہ رکھا ہے تو یہ علامت ہے کہ آپ نے اسکی خاصیت معلوم فرماکر ہی ایسا کیا ہے اور ضرور اسمیں کوئی خاص نفع ہے جسکو ہر شخص نہیں سمجھ سکتا تعجب کی بات ہے کہ محمد بن زکریا طبیب پتھروں اور بوٹیوں کی جو خاصیتیں بتائے وہ تو بلا چون و چرا اور بے سوچے سمجھے صحیح مان لی جائیں اور سید البشر محمد بن عبد اللہ علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام نورِ نبوت اور وحی ربانی سے اعمال و افعال کی جو خاصیتیں بیان فرمائیں اُن کو نہ مانا جائے اور خلافِ عقل بتایا جائے مسلمانو یقین جانو کہ طبیبِ روحانی جو کچھ بھی کریگا ضرور اُسمیں نفع ہوگا اگرچہ اسکی مصلحت تمہاری عقل اور علم میں نہ آسکے **تیسرا رمز** یہ ہے کہ انسان جانوروں کی طرح آزاد و بیکار نہیں پیدا کیا گیا بلکہ اسکو اشرف المخلوقات اور شریعت کا پابند بنایا گیا ہے اسلئے تمکو مناسب ہے کہ جو کام کرو سنت کے موافق کرو تاکہ نفس محکوم اور مطیع بنا رہے اور فرشتہ خصلت بنجاؤ اور یوں سمجھو کہ بندگی بجالانگی کا

نام ہو اسلیئے بندہ کو چاہیئے کہ جو حرکت بھی کرے وہ اتباعِ رسول کی نیت اور پیغمبر کے حکم سے کرے تاکہ آثارِ بندگی ہر وقت ظاہر ہوتے رہیں اور ہر دم ریاضت اور اطاعت کا اجر ملتا رہے۔ پابندی وہ چیز ہے کہ اگر فرضاً کوئی شخص اپنا تمام اختیار کسی جانور کے ہاتھ میں دیدے تب بھی یہ شخص ایسی اچھی حالت میں ہوگا جو سراپا اپنی خواہش پر چلتا ہو۔

یہ فائدہ اخیرہ حکم شرعی کی ہر وضع سے حاصل ہو سکتا ہے خواہ کسی طرح حکم مقرر ہو جائے کیونکہ اسکا جو مقصود اصلی ہے کہ ایک خاص طرز کی پابندی ہو یہ ہر طور پر حاصل ہے تو شرائع مختلفہ کے احکام بدل جانے پر بھی یہ فائدہ خاصۃ محفوظ رہا۔ بخلاف اول اور دوسرے فائدے کے کہ حکمت اور خاصیت ایک معین چیز ہے اور وہ اختلاف شرائع سے بدل نہیں سکتی پس اگر تم تینوں رمزوں پر آگہی حاصل کر لوگے تو تمام حرکات و سکنات میں اتباعِ سنت کی ضرورت تم کو واضح ہو جاویگی

فصل۔ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے وہ امورِ عادیہ میں اتباعِ سنت کی ترغیب کیلیئے بیان کیا ہے اور جن اعمال کو عبادت سے تعلق ہے اور اُنکا اجر و ثواب بیان کیا گیا ہے اُنمیں بلا عذر اتباع چھوڑ دینے کی تو سوائے کفر خفی یا حماقت جلی کے اور کوئی وجہ ہی سمجھ میں نہیں آتی۔ مثلاً رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جماعت سے نماز پڑھنے میں تنہا نماز پڑھنے پر ستائیس درجہ فضیلت ہے اُسکے ماننے کے بعد اگر کوئی مسلمان بلا کسی معقول عذر کے جماعت کی نماز ترک کرے تو اُسکا سبب یا تو اُسکی حماقت ہے کہ اگر کوئی شخص دو پیسہ چھوڑ کر ایک پیسہ لے تو اُسکو احمق بتاوے اور خود ستائیس فضیلتیں چھوڑ کر ایک پر اکتفا کرے تو بیوقوف ہو اور یا نعوذ باللہ یہ خیال ہو کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد محض انتظامی مصلحت کی بنا پر ہے تاکہ اس رغبت سے لوگ ایک جگہ جمع ہو جایا کریں کیونکہ ستائیس کے عدد اور جماعت سے نماز پڑھنے میں کوئی مناسبت نہیں معلوم ہوتی۔ پس اگر خدانخواستہ ایسا خیال ہے تو یہ کفر ہے اور کفر بھی ایسا خفی کہ اسکی اطلاع اپنے آپکو بھی نہیں ہے۔ لوگوں کا ایسا حال ہو گیا ہے کہ اگر کوئی طبیب یا رمّال یا نجومی کوئی بات بتائے تو اُسکی وجہ خواہ سمجھ میں آئے یا نہ آئے اُسکو فوراً تسلیم کریں گے لیکن نبی کے قول میں مناسبت ٹٹولتے ہیں۔ بھلا اگر کوئی نجومی یوں کہے کہ ستائیس دن گذرنے پر تم کو ایک مصیبت کا سامنا ہوگا کیونکہ تمہارے طالع اور زحل میں ستائیس درجہ کا بُعد ہے اور ہر روز ایک درجہ کم ہوگا اسلیئے اگر اپنا بھلا چاہتے ہو تو گھر میں بیٹھے رہو اور باہر نکلو اسکو سنکر بیشک تم گھر کے پیوند ہو جاؤ گے اور سب کاروبار چھوڑ بیٹھو گے اور اگر کوئی سمجھائے بھی کہ ارے میاں ایک درجہ کو اور ایک دن کو مناسبت کیا ہے؟ اور مصیبت اور زحل میں کیا تعلق ہے؟ نیز باہر نکلنے اور مصیبت کے ٹلجانے میں کیا علاقہ ہے؟ یہ سب واہیات باتیں اور نجومی پنڈتوں کے ڈھکوسلے ہیں۔ اسکا خیال ہی مت کرو تو تم اس کا کہنا کبھی نہ مانوگے اور اسکو احمق و بیوقوف اور علم نجوم کا منکر سمجھوگے۔ پھر افسوس صد افسوس کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے اعمال میں تمام مناسبتوں کا سمجھنا چاہتے ہو اور اگر نہ سمجھ میں آئیں تو منکر و بد اعتقاد بنے جاتے ہو تم ہی بتاؤ کہ کیا یہ کفر اور انکار رسالت نہیں ہے؟ حالانکہ ان عبادات کا موثر ہونا تجربہ سے بھی معلوم ہو چکا ہے اور یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ نبی کی دی ہوئی

عبادات میں اتباعِ سنت کو بلا عذر چھوڑنا کفر خفی یا حماقت جلی ہے

[1] جن کی علامت ہو ۱۲ [2] پوشیدہ ۱۲ [3] ظاہر ۱۲ [4] بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، احمد، مالک ۱۲ [5] علم رمل والا [6] جو نجوم جیسا علم ہے ۱۲

خبروں کی مناسبتیں اور مصلحتیں سب ہی کو معلوم ہو جایا کریں۔ بھلا میں تم سے پوچھتا ہوں کہ اگر طبیب کوئی دوا بتلائے اور اُسکی خاصیت تم سے نہ بیان کرے یا نجومی کسی آئندہ واقعہ پر کوئی حکم لگائے اور اسکی مناسبت تم کو نہ بتائی تو کیا اُسکی بات منظور نہیں کرتے؟ مگر افسوس کہ نبی و رسول کوئی روحانی علاج فرمائیں اور اُسکی مناسبت اور خاصیت نہ بتلائیں تو اسکو منظور نہیں کرتے اسکا سبب سوائے اسکے اور کیا ہے کہ نجومی اور طبیب چونکہ موجودہ زندگی کی متعلق علاج بتاتے ہیں اور اس زندگی کیساتھ تم کو محبت ہے لہذا آنیوالی مصیبت یا مرض کے فکر میں اسکی وجہ اور مناسبت تک پوچھنے کا ہوش نہیں رہتا بلکہ دس برس بعد آنیوالی مصیبت کا آج ہی سے فکر و انتظام شروع ہو جاتا ہے حالانکہ وہ محض موہوم اور انسانی لوگوں کی بتائی ہوئی باتیں ہیں جنکا ہزاروں دفعہ جھوٹ تم خود آزما چکے ہو اور جو ٹکے ٹکے پر ایسی باتیں بتاتے در بدر مارے پھرتے ہیں اور نبی چونکہ طبیب روحانی ہیں اسلئے قلبی امراض کا علاج اور دائمی صحت کی تدبیر بتلاتے ہیں اور اسکی تمھیں مطلق پروا نہیں فکر نہیں اندیشہ نہیں۔ بلکہ آنیوالی آخرت کی زندگی کا جیسا یقین ہونا چاہئے وہ یقین ہی حاصل نہیں اسلئے اسمیں مناسبتیں پوچھتے ہو اللہ تعالیٰ ایسی غفلت سے بچائے جسکی وجہ سے عبادتوں میں بھی اتباعِ رسول نہ ہو سکی۔ مسلمانوں کی یہی شان ہے کہ جس امر میں بھی کوئی حدیث وارد ہوئی ہو اسمیں بے چون و چرا اقتدا کر لیا کریں۔ مثلاً رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے[۱] کہ شنبہ یا پنجشنبہ کے دن پچھنے لگوانے سے برص کا اندیشہ ہے ایک محدث نے اس حدیث کو ضعیف کہکر قصداً شنبہ کے دن پچھنے لگوائے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ برص میں مبتلا ہو گئے۔ چند روز بعد ایک شب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے اور مرض کی شکایت کرنے لگے تو حضرت نے فرمایا کہ جیسا کیا ویسا بھگتو شنبہ کے دن پچھنے کیوں لگوائے تھے؟ اُنھوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اس حدیث کا راوی ضعیف تھا آپ نے فرمایا کہ حدیث تو میری نقل کرتا تھا[۲]۔ عرض کیا کہ یا رسول اللہ خطا ہوئی میں توبہ کرتا ہوں۔ یہ سُنکر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اور صبح کو آنکھ کھلی تو مرض کا نشان بھی نہ رہا۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے[۳] کہ عصر کے بعد سو جانے سے عقل کے جاتے رہنے کا خوف ہے اور ایک حدیث میں آیا ہے[۴] کہ "جس شخص کے ایک جوتہ کا تسمہ ٹوٹ جائے تو جب تک اُسکو درست نہ کر لے اُسوقت تک صرف ایک جوتہ پہنکر ہرگز نہ چلے" اور دوسری حدیث میں ہے کہ زچہ کی اول خوراک تر کھجور ہونی چاہئے اور اگر یہ نہ ہو تو خشک چھوارا ہی سہی۔ کیونکہ اگر اس سے بہتر کوئی غذا ہوتی تو حق تعالیٰ عیسیٰ روح اللہ کے پیدا ہونے پر بی بی مریم علیہا السلام کو وہی کھلاتا" نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[۵] کہ "جب کوئی تمھارے پاس مٹھائی لائے تو اُسمیں سے کچھ کھا لیا کرو اور خوشبو لائے تو لگا لیا کرو" اسی طرح جو کچھ بھی طبیب روحانی فرما دیں اُس میں مناسبتیں نہ ٹٹولو۔ بے چون و چرا مان لو کیونکہ ان امور میں بے شمار اسرار اور رموز ہیں جن کی خاصیتیں ہر شخص کی سمجھ میں نہیں آ سکتیں۔

خاصیتِ اعمال میں ضعیف حدیث پر بھی عمل کرنا مناسب ہے۔

---

[۱] حاکم و بیہقی صحیح ۱۲ [۲] ابو یعلی بضعف ۱۲ [۳] مسلم ۱۲ [۴] بیہقی مگر مضمون جو ابو داؤد کا ہے وہ قوی ہے ۱۲ [۵] یعنی میری طرف منسوب کرتا درجۂ موضوعیت میں نہ تھا اور بیان تھا خاصیتِ عمل کا نہ حلال اور حرام کا پھر عمل کرنا ہی احتیاط کی بات تھی ۱۲ مولانا تھانوی رحمہ اللہ
+

خاتمہ اور اَورادِ مذکورہ کی ترتیب

مذکورہ عبادتوں میں بعض عبادتیں جمع ہوسکتی ہیں جیسے نماز اور روزہ اور تلاوتِ کلام اللہ کہ تینوں ایک وقت میں پائی جاسکتی ہیں مثلاً روزہ دار شخص نماز میں قرآن شریف پڑھے تو دیکھو ایک ہی وقت میں تینوں عبادتیں حاصل ہورہی ہیں اور بعض عبادت دوسری عبادت کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی مثلاً یہ نہیں ہوسکتا کہ ذکرِ الٰہی بھی ہو اور تلاوتِ کلام اللہ بھی ہو یا نماز بھی ہو اور مسلمانوں کے حقوق کی خبر گیری بھی ہو اسلئے مناسب ہے کہ رات دن کی چوبیس گھنٹوں پر ان مختلف عبادتوں کو تقسیم کرلو۔ کیونکہ اوقات کا انضباط ہونیسے سہولت بھی ہوجائیگی اور جو عبادت کا مقصود ہے وہ بھی حاصل ہوجائیگا یعنی ذکرِ الٰہی سے اُنس اور جہانِ فانی سے بیزاری اور نفرت پیدا ہوجائیگی یاد رکھو کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے اور اس عالمِ فانی کے پیدا کرنے سے مقصود یہ ہے کہ انسان حق تعالیٰ سے محبت کرے تاکہ آخرت کی خوبی اسکو حاصل ہو اور چونکہ محبت بغیر معرفت کے ہو نہیں سکتی اسلئے معرفتِ الٰہی مقدم اور ضروری ہے اور معرفت حاصل کرنیکا طریقہ یہی ہے کہ ہر وقت حق تعالیٰ کے دھیان اور یاد میں مشغول رہو اور چونکہ جتنی بھی عبادتیں ہیں سب دھیان اور یاد ہی کی غرض سے ہیں اور انکو مختلف اقسام کا اسلئے بنایا گیا ہے تاکہ ہر وقت ایک طرز کی عبادت میں مشغول رہنے سے دل گھبرا نہ جائے اور نیز اگر ہر وقت ایک ہی عبادت کی جائیگی تو طبیعت اسکی خوگر ہوجائیگی اور عادت ہوجانیکی وجہ سے قلبی اثر جاتا رہیگا اسلئے ہر عبادت کیلئے جُدا وقت تجویز کرلینا ضروری ہے۔ البتہ جو لوگ فنا اور مستغرق ہوجائیں اُنکو ترتیب و تقسیم کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس مرتبہ میں پہنچکر ایک ہی عبادت رہ جاتی ہے اور ہر وقت ذکر میں مشغولی ہوتی ہے مگر یہ درجہ ایسا نہیں کہ ہر شخص اسکو حاصل کرسکے اسلئے تمھیں اوقات منضبط کرنیکی نہایت ضرورت ہے کہ فلاں وقت سے فلاں وقت تک یہ عبادت اور اس گھنٹہ سے اُس گھنٹہ تک یہ عبادت۔ اور دن کو یہ۔ اور رات کو یہ۔ البتہ اگر علمِ دین پڑھتے پڑھاتے ہو یا کسی جگہ کے حاکم ہو اور رعایا کی حفاظت میں مشغول ہو تو دن بھر اس میں مشغول رہنا دوسری عبادتوں سے بہتر ہے کیونکہ علمِ دین ہی کی بدولت حکمِ الٰہی کی تعظیم حاصل ہوتی ہے اور جو نفع اس تعلیم و تعلّم یا مخلوق کی حفاظت و نگہبانی سے لوگوں کو پہنچتا ہے وہ اصل دین ہے اسی طرح عیالدار آدمی کو محنت مزدوری کرنا اور حلال معاش سے بال بچوں اور متعلقین کا پیٹ بھرنا بھی عبادتِ بدنی سے افضل ہے مگر ان حالتوں میں بھی ذکرِ الٰہی سے علیحدگی مت اختیار کرو بلکہ جس طرح کسی حسینہ معشوقہ کا عاشق اپنے معشوق کے سوا جس کام میں بھی مشغول ہوتا ہے بحالتِ مجبوری صرف ہاتھ پاؤں سے مشغول ہوتا ہے اور دل ہر وقت معشوقہ ہی میں پڑا رہتا ہے۔ اسی طرح تم بھی جس کام میں مشغول ہو اعضائے بدن سے اسکو انجام دو مگر دل کو حق تعالیٰ ہی کے خیال میں مصروف رکھو۔ حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ ہاتھ سے کسب کرتے اور محنت مزدوری سے معاش حاصل کیا کرتے اور یوں فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں تین چیزیں مرحمت ہوئی ہیں یعنی ہاتھ اور زبان اور قلب۔ سو ان میں سے ہاتھ تو کسبِ معاش کیلئے ہے۔ اور زبان مخلوق کیواسطے تاکہ پڑھائیں اور سمجھائیں اور باتیں کریں اور قلب دنیا کی کسی شخص کا بھی نہیں ہے بلکہ صرف

عبادتوں کے مختلف اقسام ہونے میں حکمت۔

عیالدار شخص اور عالم اور حاکم کے لئے عبادت۔

اللہ جل جلالہ کے لئے ہے کہ ہر وقت اس کے حضور میں حاضر رہے۔

اعمالِ ظاہری کا بیان ختم ہوا۔ عمل کرنیوالوں کے لئے انشاء اللہ تعالیٰ یہی کافی ہے حق تعالیٰ توفیق مرحمت فرمائے۔

دوسری قسم میں قلب کے مذموم اخلاق سے پاک کرنیکی ضرورت کا بیان اور اُن کی تفصیل اور طریقہ کا ذکر ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "جسنے اپنا قلب پاک بنالیا وہی فلاح کو پہنچا" اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "طہارتِ نفس ایمان ہے" کیونکہ ایمان کے دو جزو ہیں یعنی قلب کا اُن نجاستوں سے پاک کرنا جو حق تعالیٰ کو ناپسند ہیں اور اُن خوبیوں سے آراستہ کرنا جو اللہ پاک کو پسند اور محبوب ہیں گویا نجاست سے طہارت کرنا ایمان کا ایک جزو ہے اور طاعت سے زینت و آرائش اسکا دوسرا ٹکڑا ہے۔ لہٰذا اوّل وہ اخلاقِ ذمیمہ معلوم ہونے چاہئیں جن سے قلب کو پاک رکھنا ضروری ہے۔ سو ان کے اصول بھی دس ہیں جن میں سے ہر ایک کا بیان جُدا جُدا کیا جاتا ہے۔

پہلی اصل کثرتِ اکل اور حرصِ طعام کا بیان

زیادہ کھانا اور پیٹ بھرنے کی ہوس بیسیوں گناہوں کی جڑ ہے کیونکہ اس سے جماع کی خواہش بڑھتی ہے اور جب شہوت بڑھتی ہے تو مال حاصل کرنے کی خواہش ہوتی ہے کیونکہ شہوتیں مال کے بغیر پوری نہیں ہوسکتیں اور اسکے بعد طلبِ جاہ کی خواہش ہوتی ہے۔ کیونکہ جاہ کے بغیر مال کا حاصل ہونا دُشوار ہے اور جب مال و جاہ کی خواہش پیدا ہوگی تو تکبر ریا حسد کینہ عداوت۔ غرض بہتیری آفتیں جمع ہوجائیں گی اور دین کی تباہی کا پورا سامان اکٹھا ہوجاویگا اسلئے حدیث میں بھوک کی زیادہ فضیلت آئی ہے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ آدمی کے لئے بھرنے کیواسطے پیٹ سے زیادہ کوئی بُرا برتن نہیں ہے۔ آدمی کو ضرورت کیلئے تو چند لقمے کافی ہیں جن سے زندگی قائم اور کمر مضبوط رہے اور اگر اس سے زیادہ ہی کھانا ضرور ہے تو پیٹ کے تین حصے کر لینے چاہئیں کہ تہائی حصہ کھانے کے لئے ہو اور تہائی حصہ پانی کے لئے اور تہائی حصہ سانس لینے کے لئے خالی چھوڑ دیا جائے۔ بھوک میں فائدے تو بیشمار ہیں مگر ہم ان میں سے چند بڑے فائدوں کا ذکر کرتے ہیں جن کو اصول کہنا چاہئے اور درحقیقت آخرت کی سعادت کا حاصل ہونا انھیں پر موقوف ہے۔ اوّل قلب میں صفائی اور بصیرت میں روشنی حاصل ہوتی ہے کیونکہ پیٹ بھر لینے سے بلادت پیدا ہوتی ہے اور قلب کی آنکھیں اندھی ہوجاتی ہیں اور جب ذکاوت جاتی رہی تو معرفتِ الٰہی ہرگز حاصل نہیں ہوسکتی۔ دوم دل رقیق ہوجاتا ہے اور مناجات میں مزہ آتا ہے۔ کیونکہ جب پیٹ خالی ہوگا تو اپنے مالک کے سامنے سوال اور التجا اور دعا کرنے میں لطف آئیگا اور خوف و خشیت و انکسار پیدا ہوگا جو معرفت کے حاصل کرنیکی کنجیاں ہیں۔ سوم سرکش نفس ذلیل اور مغلوب ہوجاتا ہے اور ظاہر ہے کہ جب دشمنِ خدا کو شکست ہوتی اور

---

[۱] بُرا عادتیں ۱۲ [۲] مسلم و ترمذی ۱۲ [۳] پاک ۱۲ [۴] زیادہ کھانا ۱۲ [۵] غذا ۱۲ [۶] ترمذی و نسائی و ابن ماجہ و حاکم صحیح ۱۲ [۷] سُستی اور طبیعت کا کند ہونا ۱۲ [۸] اللہ کا ڈر ۱۲

غفلت کا دروازہ بند ہوگیا تو حق تعالیٰ کی جانب توجہ ہوگی اور سعادت کا دروازہ کھُل جائیگا یہی وجہ ہے کہ جب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر دُنیا پیش کی گئی تو آپ نے منظور نہیں فرمایا اور یوں عرض کیا کہ "بار الٰہا میں چاہتا ہوں کہ ایک دن پیٹ بھرے تاکہ شکر ادا کروں اور ایک دن فاقہ ہو تاکہ صبر کروں۔ **چہارم** آخرت کی مصیبتوں اور عذاب کی تکلیفوں کا دنیا میں بھی کچھ مزہ چکھنا چاہیئے تاکہ اُنکی اذیت سے نفس خبردار ہو کر ڈرے اور ظاہر ہے کہ بھوک سے زیادہ انسان اپنے نفس کو کوئی عذاب نہیں پہنچا سکتا کیونکہ اسمیں کسی قسم کے تکلف اور سامان فراہم کرنیکی حاجت نہیں ہے اور جب بھوک کی وجہ سے عذاب الٰہی کا ہر وقت مشاہدہ رہیگا تو حق تعالیٰ کی معصیت کی جانب توجہ بھی نہ ہوگی اور نافرمانی کی جراُت نہ ہوسکے گی۔ **پنجم**۔ تمام شہوتیں کمزور پڑ جاتی ہیں کہ کسی خواہش کے پورا ہونیکی آرزو نہیں رہتی اور دنیا کی محبت دل سے نکل جاتی ہے۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "جب کبھی میں نے پیٹ بھر کر کھایا ہے تو ضرور کوئی نہ کوئی گناہ مجھ سے صادر ہوا یا کم سے کم گناہ کا قصد تو ہو ہی گیا"۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ "رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے پہلی بدعت جو ایجاد ہوئی وہ پیٹ بھر کر کھانا ہے"۔ پس جب مسلمانوں کے پیٹ بھرنے لگے تو اُنکے نفس اُنکو دنیا کی جانب کھینچ لیگئے۔ **ششم** زیادہ نیند نہیں آتی اور عبادت گراں نہیں گذرتی کیونکہ پیٹ بھر کر کھانے سے نیند کا غلبہ ہوا کرتا ہے۔ اور نیند سے عمر بھی کم ہوتی ہے کیونکہ وہ خدا کی عبادت نہیں کرنے دیتی۔ حضرت ابوسلیمان دارانیؒ فرماتے ہیں کہ "جنھوں نے شکم سیر ہو کر کھایا ہے اُن میں چھ خصلتیں پیدا ہوئیں اوّل عبادت کی حلاوت جاتی رہی دوم حکمت وفراست اور ذکاوت و نورِ معرفت کا حاصل ہونا دشوار پڑ گیا۔ سوم مخلوقِ خدا پر شفقت اور ترس کھانے سے محرومی ہوئی کیونکہ سب کو اپنا ہی جیسا پیٹ بھرا ہوا سمجھا۔ چہارم معدہ بھاری ہوگیا۔ پنجم خواہشات نفسانی زیادہ ہوگئیں اور ششم یہ حالت ہوگئی کہ مسلمان مسجدوں میں آرہے ہونگے اور یہ بیت الخلا جارہا ہوگا۔ اللہ کے بندے بیت اللہ کا چکر لگا رہے ہونگے اور یہ کوڑیوں کا گشت کر رہا ہوگا۔ **ہفتم**۔ دنیوی تفکرات کم ہو جائیں گے اور فکرِ معاش کا بار ہلکا ہو جائیگا کیونکہ جب بھوک کی عادت ہوگئی تو تھوڑی سی دُنیا پر قناعت کر سکے گا اور پیٹ کی خواہش پورا کرنے کو دوسروں سے قرض نہ لیگا بلکہ اپنے نفس ہی سے قرض مانگ لیگا یعنی اُس کو خالی رکھیگا۔ شیخ ابراہیم ابن ادہمؒ سے جب کہا جاتا تھا کہ فلاں چیز گراں ہوگئی تو یوں فرما دیا کرتے تھے کہ "ترک کردو اور اُس کی خواہش چھوڑ کر اس کو ارزاں بنالو"۔ اس سے زیادہ سستی چیز کیا ہو سکتی ہے کہ اس کو خریدا ہی نہ جائے۔

فصل۔ چونکہ شکم سیری اور زیادہ کھانے کی لوگوں کو عادت پڑی ہوئی ہے اس لئے یک لخت اسکا چھوڑنا دشوار ہے لہٰذا اپنی خوراکِ مقررہ میں روزانہ ایک لقمہ کم کر دیا کرو تو مہینہ بھر میں ایک روٹی کم ہو جائیگی اور کچھ گراں بھی نہ گذریگا اور جب اسکی عادت ہو جائے تو اب مقدار اور وقت اور جنس کی طرف توجہ کرو تاکہ رفتہ رفتہ اعلیٰ درجہ پر پہنچ جاؤ۔ یاد رکھو کہ مقدار کے تین درجے ہیں **اعلیٰ** درجہ صدیقین کا ہے۔ یعنی بس اتنا کھانا چاہیے جس سے کمی کر نہیں

لہ ترمذی ۱۲ ۵ بخاری کتاب الضعفاء میں۔ ابن ابی الدنیا کتاب الجوع میں ۱۲

مقدار طعام کے مراتب

زندگی جاتی رہے یا عقل میں فتور آجائے اس سے زیادہ کھانا اس مرتبہ میں گویا پیٹ بھر کر کھانا ہے جسکی ممانعت ہے حضرت سہل تستری رح کے نزدیک یہی مختار ہے اُنکی رائے یہ تھی کہ بھوک کے ضعف کی وجہ سے بیٹھکر نماز پڑھنا شکم سیری کی قوت کے سبب کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے افضل ہے **متوسط** - درجہ یہ ہے کہ روزانہ نصف مُد یعنی دو تہائی رطل[۱] پر اکتفا کیا کرو۔ حضرت عمر فاروق رض اور اکثر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عادت یہی تھی کہ ہفتہ بھر میں ایک صاع[۲] جو سے زیادہ نہ کھاتے تھے۔ **ادنیٰ** درجہ یہ ہے کہ روزانہ ایک مُد کی مقدار کھاؤ بس اگر اس سے زیادہ کھاؤگے تو پیٹ کے بندے سمجھے جاؤگے اور چونکہ مقدار خوراک کے بارہ میں لوگوں کی طبیعتیں اور حالات مختلف ہوتے ہیں لہذا اس کے لئے ایک مقدار معین نہیں ہو سکتی چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ بعض لوگ سیر بھر اناج کھا سکتے ہیں اور بعض آدمیوں سے پاؤ بھر بھی نہیں کھایا جاتا اسلئے قاعدہ کلیہ یاد رکھو کہ جب اشتہائے صادق ہو تو کھانے کی جانب ہاتھ بڑھاؤ اور یہ اشتہا پوری نہ ہونے پائے کہ ہاتھ روک لو اور صادق اشتہا کی علامت یہ ہے کہ جیسی بھی روٹی سامنے آجائے اُسکو سالن اور ترکاری کے بغیر کھانے کی رغبت ہو کیونکہ جب خاص گیہوں کی روٹی کی خواہش ہوئی یا سالن کے بغیر روٹی کا کھانا گراں گذرا تو معلوم ہوا کہ بھوک کی سچی خواہش نہیں ہے بلکہ طبیعت کو لذت اور ذائقہ کی جانب ایسا میلان ہے جیسا شکم سیر ہونے کے بعد پھل یا میوہ کا ہوا کرتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اسکا نام بھوک نہیں ہے بلکہ تفکّہ اور تلذذ ہے۔

وقت اکل کے مختلف درجات

کھانے کے وقت میں بھی کئی درجے ہیں اعلیٰ درجہ تو یہ ہے کہ کم سے کم تین دن بھوکے رہکر چوتھے دن کھایا کرو دیکھو حضرت صدیق رض پے در پے چھ چھ دن بھوکے رہتے تھے اور حضرت ابراہیم بن ادہم رح اور حضرت سفیان ثوری رح سات دن بھوکے رہنے کے عادی تھے اور بعض بزرگوں کے فاقہ کی نوبت چالیس دن تک پہنچی ہے اور یاد رکھو کہ جو شخص چالیس دن بھوکا رہیگا اس پر ملکوتی عجائبات اور اسرار میں سے کوئی راز ضرور منکشف ہوگا اور چونکہ یکلخت اسکا حاصل کرنا بھی دشوار ہے اسلئے آہستہ آہستہ بھوک کی عادت ڈالو متوسط درجہ یہ ہے کہ دو دن بھوکے رہو اور تیسرے دن کھایا کرو اور ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ روزانہ صرف ایک دفعہ کھاؤ کیونکہ دونوں وقت کھانے سے تو بھوک کی کبھی حاجت ہی نہ ہوگی۔ پس جو شخص دو وقت کھانے کا عادی ہے اُس کو تو بھوک کا مزہ ہی نہیں معلوم ہو سکتا کہ کیسا ہوتا ہے ؟

جنس طعام کے مراتب مختلف

جنس میں اعلیٰ درجہ گیہوں کی روٹی کا ترکاری کیساتھ کھانا ہے اور ادنیٰ درجہ جو کی روٹی کو بلا ترکاری کھانا یاد رکھو کہ ترکاری کی عادت اور مداومت بہت بُری ہے حضرت فاروق رض نے اپنے بیٹے کو نصیحت فرمائی تھی کہ صاحبزادہ کبھی گوشت روٹی کھاؤ اور کبھی روٹی اور گھی اور کبھی دودھ روٹی کبھی سرکہ اور روٹی۔ کبھی زیتون کیساتھ روٹی کھاؤ اور کبھی نمک کیساتھ اور کبھی روٹی پر قناعت کیا کرو۔ حضرت فاروق رض کا یہ ارشاد بھی اُن لوگوں کیلئے ہے جن کو ترکاری کی ہمیشہ عادت ہے، اور جو اہلِ طریقت اور سالک ہیں انکو ترکاری کیا یعنی ساری ہی مزہ دار چیزوں اور خواہشوں کے پورا کرنے سے منع کیا جاتا ہے۔ بعض بزرگوں نے ایک ایک چیز کی خواہش کو دس دس اور بیس بیس برس روکے

[۱] ایک رطل چالیس تولہ یعنی آدھ سیر کا ہوتا ہے ۱۲ [۲] ایک صاع تخمیناً ساڑھے تین سیر انگریزی وزن سے ہوتا ہے ۱۲

رکھا ہے اور پورا نہیں ہونے دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری اُمت میں بدتر لوگ وہ ہیں جنکے بدن عمدہ غذاؤں اور لذیذ طعام سے پرورش پائے ہوئے ہیں ایسے لوگوں کی ہمتیں بس طرح طرح کے کھانوں اور قسم قسم کے لباس ہی کی جانب متوجہ ہیں کہ مُنہ پھاڑ پھاڑ کر باتیں بناتے ہیں اور کام کچھ بھی نہیں کرتے۔

دوسری اصل کثرتِ کلام کی ہوس اور فضول گوئی کا بیان

اسکا قطع کرنا بھی بہت ضروری ہے کیونکہ یوں تو اعضا کے تمام کاموں کا اثر قلب پر پڑتا ہے مگر زبان چونکہ قلب کی سفیر ہے اور جو نقشہ قلب میں کھنچتا اور جس چیز کا تصور دل میں آتا ہے اُسکا اظہار زبان ہی کیا کرتی ہے اسلیے اسکی تاثیر قلب پر زیادہ نمایاں ہوتی ہے۔ یاد رکھو کہ جب زبان جھوٹی ہو جاتی ہے تو دل میں بھی صورتِ کاذبہ کی تصویر کھنچتی اور کجی آجایا کرتی ہے خصوصاً جبکہ جھوٹ کیساتھ فضول و لغو گوئی بھی شامل ہو تو اُسوقت تو قلب بالکل ہی سیاہ ہو جاتا ہے یہانتک کہ کثرتِ کلام سے قلب مرجاتا ہے اور معرفتِ الٰہی حاصل کرنیکی قابلیت ہی اسمیں نہیں رہتی اسی وجہ سے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص اپنی زبان اور شرمگاہ کی حفاظت کا کفیل ہو گیا میں اُسکے لیے جنت کا کفیل ہوں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ زبان ہی کی کرتوت اکثر لوگوں کو اوندھے منہ جہنم میں ڈھکیلیں گے لہٰذا اسکی حفاظت بہت ضروری ہے مسلمان کو چاہیے کہ اگر زبان ہلائے تو نیک بات اور کلمۂ خیر بولے ورنہ چپ رہے کیونکہ جب زبان زیادہ چلنے لگتی ہے تو لغو گوئی بڑھ جاتی ہے اور جب لغو گوئی بڑھ گئی تو خدا جانے کس حد پر پہنچے اور کیا کچھ منہ سے بکتا پھرے حضرت ابو بکر صدیق رضی اپنے منہ میں ایک پتھری رکھ لیتے تھے تاکہ نفس کو تنبیہ رہے اور زبان ضرورت سے زیادہ کلام نہ کرے

فصل۔ زبان کے متعلق گناہوں سے بچنے کیلیے اس آیت پر عمل کرنا کافی ہے۔ لَاخَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ جس کا خلاصہ منشا یہ ہے کہ فضول اور بے فائدہ کلام نہ کرو صرف ضروری بات کے اظہار پر اکتفا کرو اسی میں نجات ہے۔ حضرت انس رض فرماتے ہیں کہ کسی غزوہ میں ایک جوان شخص شہید ہو گیا لڑائی سے فراغت کے بعد شہیدوں کی نعشوں میں اُسکی نعش بھی ملی اور دیکھا گیا تو اُسکے پیٹ پر پتھر بندھا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اُسکی ماں آئی اور فاقہ کی حالت میں اللہ کے نام پر جان دینے والے شہید بیٹے کے پاس بیٹھ کر اُسکے منہ سے مٹی پونچھی اور کہا کہ بیٹا تجھ کو جنت مبارک ہو۔ یہ سنکر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "کیا خبر ہے ممکن ہے کہ بے فائدہ کلام کرنیکا عادی ہو" اس سے معلوم ہوا کہ فضول گوئی کی عادت جنت میں جانے سے روکنے والی چیز ہے۔ مسلمان کو وہی بات زبان سے نکالنی چاہیے جسمیں یا تو ثواب حاصل ہو اور یا کوئی نقصان دفع ہو۔ اور جس بات کے زبان سے نکالنے میں نہ کوئی ثواب جاتا ہے نہ کچھ نقصان ہوتا ہے تو وہ عبث اور فضول ہے اور اس سے احتراز کرنیکی ضرورت ہے جتنی دیر فضول گوئی میں مشغول رہتی ہو اگر یہ وقت ذکر الٰہی میں صرف ہو تو نیکیوں کا کتنا بڑا خزانہ جمع ہو جائے پھر بھلا خزانہ کو چھوڑنا اور پتھر ڈھیلے جمع کرنا کونسی عقلمندی ہے اور اگر فضول

لہ رواہ الحکیم حسن بغیرہ ۱۲ ؎ جھوٹی ۱۲ ؎ بخاری و ترمذی ۱۲ ؎ ذمہ دار کہ ان سے گناہ ہو کیونکہ اکثر گناہ انہی سے ہوتا ہے ۱۲ ؎ طبرانی و ترمذی صحیح ۱۲ ؎ بھلائی کی بات ۱۲ ؎ آئی ہے ۱۲ ؎ نہیں بھلائی ہے انکی بہت سی سرگوشی میں ۱۲ ؎ ابن ابی الدنیا و ابو یعلی ۱۲

لہ جبکہ اسکے مرتبوں میں کمی آجائے کہ شہادت کا ثواب اور حدیث میں اس ثواب کی نفی نہیں اور یہ جنت سے محروم کئے کا مضمون مسترحم جناب

فضول گوئی سے بچنے کی ضرورت

عبث کلام کی عادت کا نقصان

فضول کلام جنت سے محرومی کا باعث

بعض علما کے نزدیک ابو یعلی نے روایت کی ۱۲

گوئی سے بڑھکر دروغ گوئی تک نوبت پہنچی اور زبان سے غیبت اور گالیاں اور فحش یعنی ایسی باتیں نکلنے لگیں جنمیں نفع تو درکنار اُلٹا دین کا ضرر اور نقصان ہو تب تو ایسی مثال ہوگی کہ بھرپور خزانہ چھوڑکر آگ کے الاؤ میں جا گھسے اللہ بناہ میں رکھے اس حالت سے۔ تمام قصے کہانیاں سفرنامے مختلف ملکوں کی تاریخیں اور باشندگان دنیا کے لباس وخوراک اور طرزِ معاشرت وتمدن کے تذکرے اور تجارتوں حرفتوں صنعتوں کے حالات سب اسی فضول اور عبث کلام میں داخل ہیں جسمیں مشغول ہونا مسلمان کے مقصود اور آیت مذکورہ کی منشاء کے بالکل خلاف ہے۔

فصل۔ زبان کے متعلق بیس آفتیں ہیں اور چونکہ ہر ایک کی جدا جدا تشریح کا یہ موقع نہیں ہے اسلئے مختصر طور پر یہاں صرف اُن پانچ گناہوں کا بیان کئے دیتے ہیں جنمیں لوگ بکثرت مبتلا ہیں اور جن سے زبان گویا نجاستوں کی خوگر ہوگئی ہے **پہلی آفت** جھوٹ بولنا ہے حدیث[1] میں آیا ہے کہ "آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے یہانتک کہ اسکا عادی ہو جاتا ہے اور خدا کے یہاں جھوٹا لکھ لیا جاتا ہے" جناب رسول[2] اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "جھوٹ بولنا مسلمان کی شان نہیں اور ایمان جھوٹ ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے"۔ یاد رکھو کہ جھوٹ بولنے سے قلب میں کجی آجاتی ہے اور خواب بھی سچے نظر نہیں آتے اسلئے مذاق میں بھی دوسروں کے ہنسانے کو جھوٹ نہ بولو اور ہمیشہ جھوٹے خیالات اور خطرات سے قلب کو بچائے رکھو ورنہ قلب میں کجی پیدا ہو جائیگی۔ اور تجربہ اسکا شاہد ہے کہ ایسے آدمیوں کو خواب بھی سچا نظر نہیں آتا۔ ایک مرتبہ کسی عورت[3] نے اپنے صغیر سن بچے کو بلایا اور کہا کہ آؤ ہم تمھیں ایک چیز دینگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس عورت سے دریافت فرمایا کہ اگر بلانے سے بچہ آگیا تو کیا چیز دیگی؟ عورت نے کہا کہ چھوارہ دیدیتی آپ نے فرمایا کہ اگر کچھ دینے کا ارادہ نہ ہوتا اور صرف بہلانے کیلئے ایسا لفظ نکلتا تو یہ بھی زبان کا جھوٹ شمار ہوتا۔ البتہ[4] ضرورت کے وقت جھوٹ بولنا جائز بھی ہے بشرطیکہ سچ بولنے سے کسی ایسے گناہ یا نقصان کا اندیشہ ہو جو جھوٹ کے گناہ و نقصان سے زیادہ ہے مثلاً دو مسلمانوں میں صلح کرا دینے یا جہاد میں دشمن کو دھوکہ دینے یا بی بی کو رضامند اور خوش کرنے کیلئے جھوٹ بول دینے کی حدیث[5] میں اجازت آئی ہے اُسکی وجہ یہی ہے کہ مسلمان میں عداوت اور رنج رہنے سے جو بُرا نتیجہ پیدا ہوگا وہ جھوٹ کے نقصان سے بڑھا ہوا ہے اسی طرح جنگ کے راز کا پوشیدہ رکھنا ضروری ہے کیونکہ اگر دشمن کو اطلاع ہوئی تو اُسکو حملہ کا موقع ملیگا اور ہزاروں پاک جانیں تلف ہو جائینگی اسلئے اصل بات کا ظاہر نہ کرنا اور جھوٹ بات بنا دینا افضل ہوا اسی طرح خاوند کے بعض اسرار بی بی سے مخفی رہنے کے قابل ہیں پس اگر راست گوئی کے سبب کوئی خیال اس پر ظاہر ہوگیا اور میاں بی بی میں نا اتفاقی ہوگئی تو جو بُرا اثر پیدا ہوگا اسمیں جھوٹ بولنے کی بہ نسبت بڑا گناہ ہے پس ایسی صورتوں میں جھوٹ بولنے کی اجازت ایسی ہے جیسے کوئی شخص دو بلاؤں میں مبتلا ہو جائے تو آسان اور ہلکی مصیبت کو ترجیح دیکر اختیار

[1] بخاری ومسلم ۱۲ [2] ابن عبد البر مگر مضمون موطا میں صحیح ہے ۱۲ [3] بخاری کی تاریخ میں وطبرانی وابن سعد وذہبی ۱۲ [4] مسلم میں ہے ۱۲
[5] اس سے بدعہدی مراد نہیں کہ وہ تو حرام ہے بلکہ دھوکہ یہ ہے کہ حالت عدم صلح میں ایسی کارروائی کہ غنیم کچھ اور سمجھا اور بےفکر ہوگیا اور اس نے اپنا کام نکال لیا ۱۲ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ +

کرلیتا ہے۔ اس کی مثال ایسی سمجھو کہ جیسے کسی شخص کے بھوکا مرجانے کا اندیشہ ہو تو اس کیلئے مُردار بھی حلال ہے اسی طرح اپنا یا اپنے مسلمان بھائی کا مال ظالم کے ہاتھ سے بچانیکو یا کسی کی خفیہ رکھی ہوئی امانت کو محفوظ رکھنے کیلئے دوسروں کے سامنے انکار کردینا اور جھوٹ بول دینا جائز ہے اور اپنی معصیت و گناہ کا انکار کردینا بھی اسی وجہ سے جائز ہے کہ فسق و فجور کا اعلان حرام ہے یا اپنی بی بی سے یہ کہدینا کہ میری دوسری بی بی تمہاری سَوت مجھے تم سے زیادہ پیاری نہیں ہے یہ سب باتیں اسی بنا پر جائز ہیں کہ اس جھوٹ سے ایک ضرر دفع کیا گیا ہے۔ البتہ روپیہ کمانے یا عزت و جاہ حاصل کرنیکی غرض سے جھوٹ بولنا ہرگز حلال نہیں ہے کیونکہ اگر مال و جاہ نہ بڑھے تو کوئی نقصان نہیں ہوتا زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ نفع حاصل نہیں ہوتا اور نفع کا حاصل نہ ہونا نقصان نہیں کہلاتا اس باریکی کو لوگ سمجھتے نہیں اور اکثر اس غرض کیلئے جھوٹ بولا کرتے ہیں حالانکہ یہ حرام قطعی ہے اور درحقیقت اُنکے دین کی تباہی کا یہی سامان ہے کیونکہ ضرورت اور بے ضرورت میں تمیز نہیں کرتے افسوس کی بات ہے کہ جاہلوں نے خیالی اور فرضی ضرورتوں کو بھی ضرورت سمجھ لیا ہے حالانکہ شرعی اور واقعی ضرورت جس کا نام ہے وہ ہم اوپر بیان کرچکے ہیں کہ جب تک حالتِ اضطرار اور کسی بڑے نقصان کا غالب گمان نہ ہووے اُسوقت تک جیسے مُردار کا کھانا حلال نہیں ہے ایسے ہی جھوٹ بولنا جو شرعاً حرام ہے وہ بھی جائز نہیں ہے اور اس شدید ضرورت کے موقع پر بھی حتی الامکان تعریض اور توریہ ہی کرنا چاہیے تاکہ نفس کو جھوٹ بولنے کی عادت نہ ہوجائے۔ شیخ ابراہیمؒ گھر کے اندر کسی ضروری کام میں مشغول ہوتے اور کوئی شخص اُن کو باہر بلاتا تو خادمہ سے کہتے تھے یوں کہدے کہ "مسجد میں ڈھونڈو" اور حضرت شعبیؒ انگلی سے ایک دائرہ کھینچکر خادمہ سے فرماتے کہ "اس لکیر کے اندر انگلی رکھکر کہدے کہ یہاں نہیں ہیں" اس تعریض سے اپنا مقصد بھی حاصل ہوجاتا تھا اور حقیقت میں جھوٹ بھی نہ ہوتا تھا البتہ صورت جھوٹ کی سی تھی اور یہی تعریض و توریہ کہلاتا ہے اس قسم کی تعریضیں معمولی غرض کیلئے بھی جائز ہیں جبکہ کسی کا حق ضایع نہ ہو جیسے کہ ایک بڑھیا عورت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزاح کے طور پر یوں فرمادیا تھا کہ "بڑھیا جنت میں کبھی نہ جائیگی" یہ سنکر بڑھیا رونے لگی کیونکہ جو مطلب ظاہری لفظوں سے سمجھ میں آتا تھا وہ یہی تھا کہ کوئی بڑھیا بھی جنتی نہیں ہے حالانکہ مراد یہ تھی کہ بڑھاپے کی حالت سے جنت میں نہ جائیگی بلکہ جو بڑھیا بھی جنت میں جائیگی وہ جوان بنکر جائیگی۔ یا مثلاً ایک شخص نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے سواری کیلئے اونٹ مانگا تو آپ نے فرمایا کہ "اچھا ٹھیرو ہم تمھیں اونٹ کا بچہ دیں گے" یہ سنکر سائل نے عرض کیا کہ بچہ لیکر کیا کرونگا اُسوقت آپ نے تعریض کا مطلب سمجھادیا کہ "میاں بڑا اونٹ بھی تو آخر کسی اونٹ سے پیدا ہی ہوا ہے جس اونٹ سے پیدا ہوا اُسکا تو بچہ ہی ہے" یا مثلاً ایک شخص سے آپ نے فرمایا کہ "تمھاری آنکھ میں سفیدی ہے" اور ظاہر ہے کہ سب کی آنکھ میں سفیدی ہوتی ہے۔ مگر چونکہ بظاہر یہ مطلب سمجھ میں آتا ہے کہ یہی کوئی عیب اور سپیدی کا مرض پیدا ہوگیا ہے اسلئے سُننے والے کو فکر لاحق ہوکر اچھا خاصا مزاح ہوگیا اس قسم کی تعریضیں بی بی بچوں سے خوش طبعی کے طور پر جائز ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کھانا کھانے کی صلاح کرے اور تمھیں باوجود بھوک ہونیکے

تحصیل مال و جاہ کیلئے جھوٹ بولنا حرام ہے

ضرورت شرعی کے وقت بھی حتی الامکان صاف جھوٹ نہ بولے

کھانا منظور نہ ہو تو یہ ہرگز نہ کہو کہ "مجھے بھوک نہیں ہے" کیونکہ جھوٹ ہوگا بلکہ تعریض کرلو بلکہ یوں کہدو کہ "میں اسوقت نہ کھاؤں گا آپ نوش فرمائیے وغیرہ" **دوسری آفت**۔ غیبت کرنا ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے "کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ اپنے مُردہ بھائی کا گوشت کھائے (اور غیبت کرنا متوفّی[ف] مسلمان کا گوشت ہی کھانا ہے) پس اس سے پرہیز کرو۔ حدیث[ع] میں آیا ہے کہ غیبت زنا سے بھی سخت تر ہے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ شب معراج میں میرا گذر ایسی جماعت[ع] پر ہوا جو اپنے منھ اپنے ناخن سے نوچ رہے تھے یہ لوگ غیبت کیا کرتے تھے" کسی مسلمان کے پیٹھ پیچھے اُسکے متعلق کوئی واقعی بات ایسی ذکر کرنی کہ اگر وہ سُنے تو اُس کو ناگوار گذرے غیبت کہلاتی ہے مثلاً کسی کو بیوقوف یا کم عقل کہنا یا کسی کے حسب و نسب میں نقص نکالنا یا کسی شخص کی کسی حرکت یا مکان یا مویشی یا لباس غرض جس سے بھی اسکو تعلق ہو اُس کا کوئی عیب ایسا بیان کرنا جسکا سُننا اُسے ناگوار گذرے خواہ زبان سے ظاہر کی جائے یا رمز و کنایہ سے یا ہاتھ اور آنکھ کے اشارہ سے یا نقل اُتاری جاوے یا تعریض کی جاوے یہ سب غیبت میں داخل ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک موقع پر کسی عورت کا ٹھنگنا ہونا ہاتھ کے اشارہ سے ظاہر کیا اور یوں کہا تھا کہ "یا رسول اللہ وہ عورت جو اتنی سی ہے" اسپر آپ نے فرمایا کہ "اے عائشہ تم نے اُسکی غیبت کی ہے"۔ اور سب میں بدتر غیبت وہ ہے جس کا رواج مقتدا اور دیندار لوگوں میں ہو رہا ہے کیونکہ وہ غیبتیں کرتے ہیں اور پھر اپنے آپکو نیک سمجھتے ہیں اُن کی غیبتیں بھی نرالے انداز کی ہوتی ہیں مثلاً مجمع میں کہنے لگے کہ "اللہ کا شکر ہے اُس نے ہم کو امیروں کے دروازوں پر جانے سے بچا رکھا ہے۔ ایسی بے حیائی سے خدا پناہ میں رکھے اس کلمہ سے جو کچھ اُن کا مقصود ہے وہ ظاہر ہے کہ امراء کے پاس بیٹھنے والے مولویوں پر طعن کرنا اور اُن کو بے حیا کہنا منظور ہے اور ساتھ ہی اپنی صلاحیت و تقویٰ جتانا ہے اور ریاکاری کا گناہ کما رہے ہیں۔ اسی طرح مثلاً کہنے لگے کہ "فلاں شخص کی بڑی اچھی حالت ہے اگر اس میں حرص دنیا کا شائبہ نہ ہوتا جس میں ہم سب مبتلا ہو جاتے ہیں اس فقرہ سے بھی جو کچھ مقصود ہے وہ ذرا سے تامل میں سمجھ میں آسکتا ہے کہ اس کا بے صبرا ہونا ظاہر کرتے ہیں اور اپنی طرف غیبت کی نسبت اس نیت سے کرتے ہیں کہ سُننے والا اُن کو متواضع سمجھے اور یہی غیبت ہے اور ساتھ ہی ریاکاری بھی ہو۔ زیادہ تعجب تو اس پر ہوتا ہے کہ یہ حضرات غیبت کرتے ہیں اور پھر اپنے آپکو غیبت سے محفوظ اور پارسا سمجھتے ہیں یا مثلاً بول اُٹھے "سبحان اللہ بڑے تعجب کی بات ہے" اور جب اتنا کہنے پر لوگوں نے اس بات کے سُننے کے شوق میں اُنکی جانب کان لگائے تو کہنے لگے "دیکھو نہیں فلاں شخص کا خیال آگیا تھا حق تعالیٰ ہمارے اور اُس کے حال پر رحم فرمادے اور توبہ کی توفیق دے" اس فقرہ کا بھی جو کچھ منشا ہے وہ عقلمند پر مخفی نہیں ہے کیونکہ اُن کا یہ کلمہ ترحم و شفقت یا دعا کی نیت سے نہیں ہوتا جیسا کہ ظاہری الفاظ سے وہم پڑتا ہے اسلئے کہ اگر دعا کرنی مقصود ہوتی تو دل ہی دل میں کیوں نہ کرلیتے سبحان اللہ کہکر لوگوں کو متوجہ کرنا اور معصیت کا اشارہ کرنا ہی کیا ضرور تھا، بھلا کسی شخص کا عیب ظاہر کرنا بھی کوئی شفقت یا خیر خواہی کی بات ہے؟ اسی طرح بعض لوگوں کی عادت ہے کہ غیبت سے منع کرتے اور کہتے ہیں کہ بھائی غیبت مت کیا کرو مگر دل اُنکا غیبت کو

غیبت کی حقیقت

مولوی کا انداز غیبت

ف مُردہ۔ اور جیسے مردہ کو اس تکلیف کا احساس نہیں ہوتا ایسے ہی جسکی غیبت کی جائے اُسے بھی نہیں ہوتا ۱۲ ع ابن ابی الدنیا۔ اور یہ اسلئے کہ زنا حق اللہ ہے اور غیبت

مکروہ نہیں سمجھتا بلکہ اس نصیحت کرنے سے محض اپنی دینداری اور تقویٰ ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اسی طرح کسی مجمع میں غیبت ہوتی ہے تو ناصح اور پارسا بنکر کہنے لگتے ہیں کہ "میاں غیبت کرنا گناہ ہے اس سے ہم سُننے والے بھی گناہگار ہوتے ہیں" یہ لوگ کہنے کو تو کہہ جاتے ہیں مگر دل انکا مشتاق رہتا ہے کہ کاش یہ شخص ہماری نصیحت پر عمل نہ کرے جو کچھ کہہ رہا ہے کہے جائے اور ہمیں سُنائے جائے۔ بھلا کوئی ان سے پوچھے کہ غیبت سُننے کا انتظار بھی ہے اور پھر یوں بھی سمجھتے ہو کہ ہم منع کر کے گناہ سے سبکدوش ہوگئے؟ یاد رکھو کہ جب تک غیبت کرنے اور سُننے کو دل سے بُرا نہ سمجھوگے اُس وقت تک غیبت کے گناہ سے ہرگز نہ بچوگے۔ کیونکہ غیبت کرنیوالا اور سُننے والا دونوں برابر ہیں اور جس طرح زبان سے غیبت کرنا حرام ہے اسی طرح دل سے غیبت کرنا بھی حرام ہے۔ البتہ چند صورتوں میں خاص لوگوں کی غیبت کرنا جائز ہے جسکی تفصیل ہم بیان کرتے ہیں۔ اوّل مظلوم شخص ظالم کی شکایت اگر افسرِ اعلیٰ تک پہنچائے اور اپنے اوپر سے ظلم رفع کرنیکی نیت سے اسکے مظالم بیان کرے تو گناہ نہیں ہے البتہ ظالم کے عیوب ایسے لوگوں سے بیان کرنا جنھیں اُسکو سزا دینے یا مظلوم کے اوپر سے ظلم رفع کرنیکی طاقت نہ ہو بدستور غیبت میں داخل اور حرام ہے ایک بزرگ کی مجلس میں حجاج بن یوسف کا ذکر آگیا تھا تو انھوں نے یوں فرمایا کہ حق تعالیٰ انصاف کے دن مظلوموں کا بدلہ حجاج سے لیگا اور حجاج کا بدلہ اس کی غیبت کرنے والوں سے لیگا اسلئے کہ بہتیرے آدمی حجاج کے مظالم ایسے آدمیوں کے سامنے بیان کرتے ہیں جن کو حجاج کے کئے ہوئے ظلم رفع کرنیکی طاقت نہیں ہے۔ تو ایسے لوگوں کے سامنے حجاج کی غیبت کس طرح جائز ہوسکتی ہے۔ دوم کسی شخص سے کوئی بدعت یا خلافِ شرع امر کے رفع کرنے میں مدد لینی ہو یا کسی کو اُسکے فتنہ سے بچانا ہو تو اُس سے بھی اُن بدعتی لوگوں کا حال بیان کرنا اگرچہ اُن کی غیبت کرنا ہے مگر جائز ہے۔ سوم مفتی سے فتویٰ لینے کے لئے استفتاء میں امرِ واقعی کا اظہار کرنا بھی جائز ہے اگرچہ اس اظہارِ حال میں کسی کی غیبت ہوتی ہو۔ دیکھو رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ہندہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ میرا خاوند ابوسفیان اتنا بخیل ہے کہ بقدرِ کفایت بھی مجھ کو خرچ نہیں دیتا" اور ظاہر ہے کہ ابوسفیان کی شکایت اور غیبت تھی مگر چونکہ مفتیٔ شریعت سے استفسار کیا جا رہا ہے کہ ایسی صورت میں میرے لئے شریعت کیا حکم دیتی ہے؟ لہٰذا اس غیبت میں کچھ حرج نہیں مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اس صورت میں بھی یہ غیبت اُسی وقت جائز ہے جبکہ اُس میں اپنا یا کسی مسلمان کا کوئی فائدہ متصور ہو۔ چہارم اگر کوئی شخص کسی سے نکاح یا خرید و فروخت کا معاملہ کرتا ہے اور تم کو علم ہو کہ اس معاملہ میں ناواقفیت کی وجہ سے اسکا نقصان ہے تو اسکو نقصان سے بچانے کیلئے اسکا حال بیان کر دینا بھی جائز ہے۔ اسی طرح قاضی کی عدالت میں کسی گواہ کا کوئی عیب اس نیت سے ظاہر کرنا کہ صاحبِ حق کو اس مقدمہ میں میرے خاموش رہنے سے نقصان نہ پہنچے جائز ہے البتہ صرف اُسی شخص سے ذکر کرنا جائز ہے جس کے نقصان کا اندیشہ ہو یا جس پر فیصلہ اور حکم کا مدار ہو۔ پنجم اگر کوئی شخص کسی ایسے نام سے مشہور ہوگیا ہو جس میں عیب ظاہر ہوتا ہے مثلاً اعمش (چُندھا) اعرج (لنگڑا) تو اس نام سے اسکا پتہ بتلانا غیبت

مظلوم کو ظالم کی غیبت کرنا جائز ہے۔

فتوے کی ضرورت سے کسی کی غیبت کرنا درست ہے۔

دوسرے کو نقصان سے بچانے کیلئے غیبت کرنا جائز ہے۔

---

[1] بخاری و مسلم۔ ابوسفیان حضرت معاویہ کے والد ہیں اور ہندہ انہیں کی زوجہ ہیں ۱۲

میں داخل نہیں ہے۔ پھر بھی اگر دوسرا پتہ بتلادو تو بہتر ہے تاکہ غیبت کی صورت بھی پیدا نہ ہو۔ ششم اگر کسی شخص میں کوئی عیب ایسا کھلا ہوا پایا جاتا ہے کہ لوگ اُس کا یہ عیب ظاہر کرتے ہیں تو اُسے ناگوار نہیں گذرتا مثلاً مخنث یا ہیجڑا کہ اُن کے اس فعل کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو اُن کو خیال بھی نہیں ہوتا تو یہ تذکرہ بھی غیبت سے خارج ہے البتہ اگر اسکو ناگوار گذرے تو حرام ہے کیونکہ فاسق کے بھی کسی ایسے گناہ کا ذکر کرنا جو اُسکو ناگوار گذرے بلا عذر خاص جائز نہیں ہے[1]۔

غیبت کے علاج کی تدبیر

فصل۔ نفس کو غیبت سے روکنے کی تدبیر یہ ہے کہ غیبت کی سزا اور نقصان میں غور کرو۔ حدیث میں آیا ہے[2] کہ آگ جو اثر گھاس میں کرتی ہے غیبت اُس سے جلد اور زیادہ اثر مسلمان کی نیکیوں میں کرتی ہے۔ یعنی غیبت کرنے سے نیک اعمال جل جاتے ہیں اب ذرا سوچو کہ جب کوئی نیکوکار شخص جس نے دنیا میں مشقتیں اٹھا اٹھا کر نیکیاں جمع کی تھیں جب قیامت کے دن اپنے اعمال کو بے دیکھیگا اور اسکو معلوم ہوگا کہ غیبت کی وجہ سے اسکی نیکیاں اُس شخص کے نامہ اعمال میں لکھدی گئی ہیں جسکی وہ غیبت کرتا تھا تو کس قدر حسرت و افسوس کریگا۔ مسلمان کو سوچنے کے لئے اپنے ہی نفس کے عیوب بہت ہیں اس لئے مناسب ہے کہ جب فرصت ملے اپنی حالت پر نظر ڈالو اور جو عیب پاؤ اسکے رفع کرنے میں مصروف ہو جاؤ کہ دوسروں کے عیوب دیکھنے کا موقع ہی نہ آئے اور یوں سمجھو کہ تمہارا ذرا سا عیب جتنا تم کو نقصان پہنچائیگا دوسرے کا بڑا عیب بھی تم کو اس قدر نقصان نہیں پہنچائیگا اور اگر تمھیں اپنا عیب نظر نہ آئے تو یہ خود ایسا عیب ہے جسکی برابر کوئی عیب نہیں۔ کیونکہ کوئی انسان عیب سے خالی نہیں ہے پس اپنے آپکو بے عیب سمجھنا تو بڑا سخت عیب ہے اسلئے اول اسکا علاج کرو اور اسکے بعد جو عیب نظر آتے جائیں اُنکی تدبیر کرتے رہو اور اگر اتفاقاً اس پر بھی کسی شخص کی غیبت ہو جائے تو اللہ سے توبہ جدا کرو اور اُس شخص کے پاس جاکر غیبت کی خطا جدا معاف کراؤ اور اگر اُس سے نہ مل سکو تو اُس کیلئے دعائے مغفرت مانگو اور خیرات کرکے اسکی روح کو ایصال ثواب کرو۔ غرض چونکہ تم نے غیبت کرکے اپنے مسلمان بھائی پر ظلم کیا ہے اسلئے جس طرح ممکن ہو اس ظلم کی جلدی تلافی کرو۔

جھگڑے اور نزاع کی حقیقت

تیسری آفت۔ فضول جھگڑا کرنا ہے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو مسلمان باوجود حق پر ہونے کے جھگڑے سے دست بردار ہو جائے تو اُس کیلئے اعلیٰ جنت میں محل تیار ہوگا۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ برسر حق ہو کر خاموش ہو بیٹھنا بہت دشوار ہے اور اسی لئے حق پر ہو کر جھگڑے سے علیحدہ ہو جانا ایمان کا کمال شمار کیا گیا ہے۔ جان لو کہ کسی بات پر اعتراض کرنا اور اسکے لفظ یا معنی میں غلطی اور نقص نکالنا جھگڑا کہلاتا ہے اور اکثر یہ دو وجہ سے ہوتا ہے یعنی یا تو تکبر کی بنا پر کہ اپنی بڑائی اور لسانی یا تیز زبانی کا اظہار مقصود ہوتا ہے اور یا دوسرے شخص کو چپ کرنے اور عاجز بنا دینے کا شوق ہوتا ہے اسلئے مسلمان کو چاہئے کہ جو بات واقعی اور حق ہو اُسکو تسلیم کرے اور جتنی خلاف واقع یا غلط ہو تو اُس پر سکوت اختیار کرے البتہ اگر اس غلطی کے ظاہر کرنے میں کوئی دینی فائدہ ہو تو اُس وقت سکوت کرنا جائز نہیں ہے مگر پھر بھی اسکا ضرور خیال رکھے کہ جو کچھ بیان کرے وہ نرمی اور سہولت سے بیان کرے تکبر اور سختی کے ساتھ نہ کہے۔ **چوتھی آفت۔** مذاق و دل لگی کرنا

[1] بشرطیکہ کھلم کھلا گناہ نہ کرتا ہو ۱۲ [2] ترمذی و ابو داؤد و ابن ماجہ ۱۲

مزاح کرنا

اور زیادہ ہنسنا ہنسانا ہے اس سے قلب مُردہ ہو جاتا ہے اور ہیبت و وقار جاتا رہتا ہے ایسا شخص لوگوں کی نظروں سے گر جاتا ہے اور بسا اوقات دوسروں کو اسکے ساتھ کینہ و عداوت بھی پیدا ہو جاتی ہے نور معرفت میں تاریکی آجاتی ہے اور تحت الثریٰ میں پھینکدیا جاتا ہے۔ البتہ تھوڑے مزاح میں کچھ مضائقہ نہیں خصوصاً اگر بیوی بچوں کا دل خوش کرنیکو ہو تو سنت ہے کیونکہ ایسا مزاح رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی منقول ہے مگر وہ مزاح درحقیقت واقعی بات ہوتی تھی کسی قسم کا جھوٹ نہ ہوتا تھا مثلاً ایک بڑھیا سے آپ نے فرمایا کہ "جنت میں بوڑھی عورت کوئی نہ جائیگی"۔ اسکا یہ مطلب تھا کہ جنت میں جو عورت بھی جائیگی وہ جوان ہو کر جائیگی یا مثلاً حضرت صہیب لڑکے تھے اور اُنھوں نے لال پال رکھا تھا اتفاق سے لال مر گیا تو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہو جی ابو عمیر تمہارا لال کیا ہوا؟ اسی طرح ایک دفعہ حضرت صہیب چھوارہ کھا رہے تھے اور اُنکی ایک آنکھ دُکھتی تھی تو آپ نے فرمایا کیوں صاحب آنکھ تو دُکھتی ہے اور چھوارہ کھا رہے ہو"۔ اُنھوں نے مزاحاً جواب دیا کہ "یا رسول اللہ دوسری طرف سے کھا رہا ہوں" یعنی جس طرف کی آنکھ دُکھتی ہے اُس جانب سے نہیں کھاتا۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کیساتھ محض دلجوئی اور خوش طبعی کے طور پر دوڑے بھی ہیں غرض ایسی مزاح میں کچھ حرج نہیں البتہ اسکی عادت ڈالنی اچھی نہیں ہے۔ **پانچویں آفت** مدح کرنا ہے۔ تم نے دیکھا ہوگا اکثر واعظوں

مدح سرائی کا نقصان

اور دنیا دار مسلمانوں کی عادت ہے کہ مالدار اور صاحب جاہ و حشم لوگوں کی تعریفیں کرتے اُنکی شان میں مدحیہ قصیدے لکھتے اور اُنکو نذرانہ کے طور پر پیش کرتے ہیں حالانکہ اسمیں چار خرابیاں مدّاح کے حق میں ہیں اور دو بُرائیاں ممدوح کے حق میں مدح خواں کی خرابیاں تو یہ ہیں **اوّل** اکثر ایسی باتیں بیان کی جاتی ہیں جو واقع کے خلاف ہوتی ہیں اور جنکا ممدوح میں نشان بھی نہیں ہوتا اور ظاہر ہے کہ یہ صریح جھوٹ ہے جو کبیرہ گناہ ہے **دوم** محبت کا لمبا چوڑا اظہار کرتے ہیں حالانکہ دل میں خاک بھی محبت نہیں ہوتی اور یہ صریح ریا اور نفاق ہے جو گناہ کبیرہ لازم ہے **سوم** اٹکل کے تیر چلائے جاتے ہیں اور جو بات یقینی طور پر معلوم نہیں محض تخمین و گمان کی بنا پر اسکو واقعی ظاہر کیا جاتا ہے مثلاً یہ کہ آپ بڑے متقی ہیں نہایت منصف ہیں حالانکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ کسی کو مدح کرنی ہو تو یوں کہا کرے کہ میرا گمان ہے کہ آپ ایسے ہیں کیونکہ ظنی بات کو واقعی بنانا کسی طرح بھی جائز نہیں ہے۔

چہارم۔ اگر ظالم اور فاسق کی مدح کی جاتی ہے اور وہ اپنی تعریف سے خوش ہوتا ہے تو فاسق کو خوش کرنیوالا مدّاح بھی فاسق اور نافرمان ہوا۔ حدیث میں آیا ہے کہ فاسق کی تعریف سے حق تعالیٰ کا عرش کانپ اُٹھتا ہے۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فاسق کی زندگی و عمر کی زیادتی کی دعا کرنیوالا شخص بھی فاسق ہے کیونکہ وہ چاہتا ہے کہ فسق و فجور قائم اور دُنیا میں مدت تک باقی رہے ظالم اور فاسق شخص کی تو مذمت کرنی چاہیے تاکہ گھبرا کر ظلم و معصیت چھوڑ دے نہ کہ تعریف۔ اور ممدوح کو جو دو نقصان پہنچتے ہیں وہ یہ ہیں۔ **اوّل** یہ کہ ممدوح مغرور ہو جاتا ہے اور اپنے نفس کو قابل تعریف سمجھنے لگتا ہے حالانکہ یہ اُسکی ہلاکت و تباہی کی جڑ ہے

---

۱ زمین کے نیچے ۱۲ ۲ ہنسی کی بات ۱۲ ۳ جیسے کہ صفحہ ہم پر گذرا ۱۲ ۴ بخاری و مسلم و ترمذی ۱۲ ۵ ابن ماجہ سب راوی ثقہ ہیں ۱۲ ۶ ابو داؤد ۷ بہت تعریف کرنیوالا ۱۲ ۸ جسکی تعریف کی جائے ۱۲ ۹ اٹکل ۱۲ ۱۰ بخاری و مسلم مگر جب کہے کہ واقع میں ایسا سمجھتا بھی ہو ورنہ جھوٹ ہوگا ۱۲ ۱۱ ابن ابی الدنیا و بیہقی و ابو یعلی ۱۲ +

حدیث[1] میں آیا ہے کہ ایک شخص نے مجمع میں اپنے دوست کی تعریف کی تو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے اپنے دوست کی گردن کاٹ دی" مطلب یہ ہے کہ اسکے نفس میں خود پسندی و بڑائی پیدا کرکے اسکو ہلاک کردیا دوم اپنی تعریف سنکر پھولتا اور اعمال خیر میں سست پڑجاتا ہے۔ حدیث[2] میں آیا ہے کہ " مسلمان بھائی کو کند چھری سے ذبح کردینا اس سے بہتر ہے کہ اسکے منھ پر اسکی تعریف کی جائے" کیونکہ قتل سے تو دنیا ہی کی زندگی تلف ہوگی اور ان برے نتیجوں سے جنکا ہم نے ذکر کیا ہے آخرت کی باعظمت زندگی برباد ہوجائیگی۔ البتہ ان مضرتوں کا اندیشہ نہ ہو تو کچھ حرج بھی نہیں ہے بلکہ بعض اوقات مستحب اور باعث اجر ہے۔ چنانچہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بعض صحابہ کی مدح فرمائی ہے مثلاً آپ فرماتے[3] ہیں کہ تمام[4] دنیا کے ایمان کو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ایمان کیساتھ وزن کیاجائے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کا ایمان وزنی رہیگا" نیز فرماتے[5] ہیں کہ "اے عمر اگر میں نبی بناکر نہ بھیجا جاتا تو ضرور تمکو نبی بنایا جاتا" گویا حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں نبوت و رسالت کی قابلیت کا انہیں سے اظہار فرمایا پس چونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں خود پسندی اور کوتاہی عمل کا اندیشہ نہ تھا اسلئے انمیں نشاط پیدا کرنے کیلئے یہ مدح مستحب تھی کہ انکی طاعات میں ترقی کا وسیلہ تھی۔

فصل اگر کسی شخص کی کوئی مدح کرے تو اسکو چاہیئے کہ اپنے اعمال اور خطرات و وساوس کا دھیان کرے اور سوچے کہ خدا جانے میرا انجام کس حالت پر ہوتا ہے؟ واقعی یہ خوبیاں جو یہ شخص بیان کر رہا ہے اگر مجھ میں موجود بھی ہیں تو ابھی انکا کیا اعتبار؟ نیز اپنی باطنی بیماریوں اور عیوب پر نظر کرے اور خیال کرے کہ یہ پوشیدہ عیب ایسے ہیں کہ اگر اس مداح کو معلوم ہوجائیں تو میری مدح کبھی نہ کرے۔ غرض مسلمان کو چاہیئے کہ اپنی تعریف سنکر خوش نہ ہو بلکہ اسکو دل سے مکروہ سمجھے۔ اسی جانب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اشارہ فرماتے[6] ہیں کہ " مداح کے منھ میں مٹی بھر دو" حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی جب مدح ہوتی تھی تو یوں دعا مانگتے پھرتے تھے کہ بار الٰہا میرے جو گناہ انھیں معلوم نہیں ہیں وہ بخشدیجئے اور جو کچھ یہ کہتے ہیں اسکا مجھ سے مواخذہ نہ کیجئے اور مجھے انکے گمانوں سے بہتر بنادیجئے۔ میں جیسا ہوں آپ ہی خوب جانتے ہیں۔ یہ نہیں جانتے۔

تیسری اصل غصہ کا بیان

غصہ آگ کا شعلہ ہے اس کا زور توڑنا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے[7] ہیں کہ " کسی شخص کے پچھاڑنے سے آدمی پہلوان نہیں ہوتا بلکہ پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس کو پچھاڑے" یاد رکھو کہ جس طرح تلخ[8] ایلوے سے میٹھا شہد بگڑ جاتا ہے اسی طرح غصہ سے ایمان بگڑ جاتا ہے۔ غصہ بری بلا ہے۔ یہی مار پیٹ گالی اور زبان درازی جیسے گناہ کرادیتا ہے۔ اور اسی سے کینہ، حسد، بدگمانی اور افشائے[9] راز و ہتک عزت کے عزم کی باطنی معصیتیں ہوتی ہیں۔ غصہ کی وجہ سے مسلمان کو اپنے مسلمان بھائی کا خوش کرنا ناگوار گذرتا ہے اور اس کا رنج و تکلف میں رہنا پسند آتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ سب تباہ کن معصیتیں ہیں۔

---

[1] بخاری و مسلم ۱۲ [2] عراقی کہتے ہیں۔ ملی نہیں ۱۲ [3] ابن عدی ۱۲ [4] انبیاء کے علاوہ کیونکہ ہر ہر نبی کا ایمان سارے دنیا والوں سے بھی بڑھا ہوا ہے ۱۲ [5] ترمذی حسن ۱۲ [6] مسلم ۱۲ [7] بخاری و مسلم و احمد ۱۲ [8] حدیث طبرانی و بیہقی ۱۲ [9] راز ظاہر کرنا عزت کو رسوا کرنا ۱۲ +

فصل۔ اس کا علاج دو طرح کرنا چاہئے۔ **اوّل** تو ریاضت اور مجاہدہ سے اس کو توڑنا چاہئے مگر توڑنے سے مقصود یہ نہیں ہے کہ غصہ کا مادّہ ہی باقی نہ رہے اسلئے کہ اگر مادّہ ہی جاتا رہیگا تو کفّار سے جہاد اور جنگ کیونکر ہوگا اور فسّاق و فجّار اور بتدعین کی خلاف شرع باتوں پر ناگواری کس طرح ہوگی؟ ناجائز افعال دیکھکر غصہ آنا تو ضروری اور شرع کا عین مقصود ہے۔ لہذا غصہ کے توڑنے اور ریاضت کرنیسے یہ مراد ہے کہ اسکو مہذب اور عقل و شرع کا تابعدار بنالیا جائے اور ایسا کردیا جائے جیسا شکاری کتا ہوتا ہے کہ جب اُسکا مالک اسکو بھگاتا ہے تو وہ بھاگتا ہے اور جب وہ کسی پر حملہ کراتا ہے تو حملہ کرتا ہے ورنہ چُپ بیٹھا رہتا ہے۔ یہی حالت غصہ کی ہونی چاہئے کہ اگر شریعت حکم دے اور غصہ کو بھڑکائے تو فوراً بھڑک اٹھے اور اپنا کام کرے ورنہ چپ ہے اور بحِس و حرکت پڑا رہے اور غصہ کو ایسا مہذب بنانیکی تدبیر یہ ہے کہ نفس کی باگ روکو حلم و برداشت کی عادت ڈالو۔ اور جب کوئی غصہ پیدا کرنیوالا واقعہ پیش آئے تو نفس پر جبر کیا کرو اور غصہ کو بھڑکنے نہ دو بس یہی وہ ریاضت ہے جس سے غصہ مطیع و فرمانبردار رہیگا دوم غصہ کے جوش کے وقت ضبط سے کام لو اور اسکو پی جاؤ۔ اور اسکا ایک علاج علمی ہے اور ایک عملی۔ علمی علاج تو یہ ہے کہ غصہ کے وقت سوچو کہ غصہ کیوں آتا ہے؟ ظاہر ہے کہ اسکا سبب حکم خداوندی میں دخیل ہونا اور دست اندازی کرنا ہے کیونکہ غصہ کرنے والے کا مطلب یہ ہے کہ یہ کام میری مرضی کے موافق کیوں نہ ہوا اور ارادۂ خداوندی کے موافق کیوں ہوا؟ اب تم ہی بتاؤ کہ یہ حماقت ہے یا نہیں؟ کیا حق تعالیٰ کے ارادہ کو اپنے ارادہ اور منشا کا تابع بنانا چاہتے ہو؟ یاد رکھو کہ خدا کے حکم کے بغیر ذرہ نہیں ہل سکتا۔ پھر تم اس میں دخل دینے والے اور اسکو ناگوار سمجھنے والے کون؟ دوسرے اس بات کا خیال کرو کہ میرا اس شخص پر کیا حق ہے؟ اور خدا کا مجھ پر کیا حق ہے اور پھر خدا کا تمھارے ساتھ کیا معاملہ ہے اور تم اُس شخص کیساتھ کیا معاملہ کرنا چاہتے ہو؟ ظاہر ہے کہ تم جس شخص پر غصہ کررہے ہو اُسکے مالک نہیں ہو خالق نہیں ہو رزق تم اُس کو نہیں دیتے حیات تمھاری دی ہوئی نہیں ہے۔ اور خداوند تعالیٰ کے تم پر ہر قسم کے حقوق ہیں کہ تم ہر طرح سے اُسکے محکوم و مملوک اور احسان مند ہو۔ باایں ہمہ تم اپنے مالک حقیقی کی بیسیوں خطائیں اور نافرمانیاں رات دن کرتے ہو اور باوجود اس احسان و استحقاق کے وہ سب کو برداشت کرتا ہے۔ اگر ایک قصور پر بھی سزا دے تو کہیں تمھارا ٹھکانا نہ رہے۔ اور تمھارا حالانکہ کسی پر کچھ بھی حق نہیں ہے پھر یہ حالت ہے کہ ذراسی خلاف طبع حرکت پر غصہ میں آپے سے باہر ہوجاتے ہو اور اُسکو دنیا ہی سے نابید کردینے کیلئے طیار ہو گیا تمھاری اطاعت و رضامندی خدا کی عبادت و حکم سے بھی زیادہ ضروری ہے۔ اور عملی علاج یہ ہے کہ جب غصہ آئے تو اعوذ پڑھو۔ کیونکہ غصہ شیطانی اثر ہے اور شیطان کے شر سے جب پناہ مانگی جائیگی تو وہ اثر زائل ہوجائیگا نیز اپنی حالت بدل دو یعنی اگر کھڑے ہو تو بیٹھ جاؤ اور بیٹھے ہو تو لیٹ جاؤ اور اگر اس سے بھی غصہ ٹھنڈا نہ ہو تو وضو کرلو اور اپنا رخسارہ زمین پر رکھدو تاکہ تکبر ٹوٹے اور عزت والا عضو جب زمین پر رکھا جائے تو نفس مرے کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ کے نزدیک سب سے بہتر گھونٹ جو مسلمان پیتا ہے غصہ کا گھونٹ ہے

ـه بخاری مسلم کی حدیثیں ہیں ـه ابوداؤد و احمد ـه ابوداؤد و احمد ۱۲ ـه مضمون قریب قریب ترمذی میں ہے ـه ابن ابی الدنیا ۱۲

جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "جس مسلمان کو اپنے بی بی بچوں یا ایسے لوگوں پر غصہ آئے جن پر اپنا غصہ جاری کر سکتا اور سزا دے سکتا ہے اور وہ اسکو ضبط کر جائے اور تحمل سے کام لے تو حق تعالیٰ اُس کا قلب امن اور ایمان سے لبریز فرما دے گا" یاد رکھو کہ تحمل کی بدولت مسلمان شب بیدار، روزہ دار، عابد و زاہد کا مرتبہ پا لیتا ہے۔

چوتھی اصل حَسَد کا بیان

حسد کی حقیقت

حَسَد کے یہ معنی ہیں کہ "کسی شخص کو فارغ البالی یا عیش و آرام میں دیکھکر کلسے اور اس نعمت کے جاتے رہنے کو پسند کرے"۔ حسد کرنا حرام ہے چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ "میرے بندہ پر نعمت دیکھکر حسد کرنیوالا گویا میری اس تقسیم سے ناراض ہے جو میں نے اپنے بندوں میں فرمائی ہے"۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "حسد نیکیوں کو اس طرح جلا دیتا ہے جس طرح آگ سوکھی لکڑیوں کو جلا دیتی ہے" البتہ ایسے شخص پر حسد کرنا جائز ہے جو اللہ کی دی ہوئی نعمت کو ظلم یا معصیت میں خرچ کر رہا ہو۔ مثلاً مالدار ہو اور شراب خواری و زنا کاری میں اُڑا رہا ہو۔ لہذا ایسے شخص سے مال چھن جانیکی آرزو کرنا گناہ نہیں ہے کیونکہ یہاں درحقیقت مال کی نعمت چھن جانے کی تمنا نہیں ہے بلکہ اس فحش و معصیت کے بند ہو جانیکی آرزو ہے اور اسکی شناخت یہ ہے کہ اگر مثلاً وہ شخص اس معصیت کو چھوڑ دے تو اب اس نعمت کے جاتے رہنے کی آرزو بھی نہ رہے۔ یاد رکھو کہ عموماً حسد کا باعث یا تو نخوت و غرور ہوتا ہے اور یا عداوت و خباثت نفس کہ بلا وجہ خدا کی نعمت میں بھی بخل کرتا اور چاہتا ہے کہ جس طرح میں کسی کو کچھ نہیں دیتا اسی طرح حق تعالیٰ بھی دوسرے کو کچھ نہ دے

غبطہ جائز ہے

البتہ دوسرے کو نعمت میں دیکھکر حرص کرنا اور چاہنا کہ اس کے پاس بھی یہ نعمت رہے اور مجھے بھی ایسی ہی حاصل ہو جائے غبطہ کہلاتا ہے اور غبطہ شرعاً جائز ہے کیونکہ غبطہ میں کسی کی نعمت کا ازالہ مقصود نہیں ہوتا بلکہ اُسی جیسی نعمت کی اپنے آپکو حاصل ہو جانیکی تمنا ہوتی ہے اور اس میں کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ (**فصل**) حسد قلبی مرض ہے اسکا علاج ایک علمی ہے اور ایک عملی۔ علمی علاج تو یہ ہے کہ حاسد کو جاننا چاہئے کہ اسکا حسد اسی کو نقصان پہنچا رہا ہے اُس محسود کا جس پر حسد کر رہا ہے کچھ بھی نہیں بگڑتا بلکہ اُس کا تو اور نفع ہے کہ حاسد کی نیکیاں مفت میں اُس کے ہاتھ آ رہی ہیں۔ برخلاف حاسد کے کہ اسکی دین کا بھی نقصان ہے اور دُنیا کا بھی۔ **دین کا نقصان** تو یہ ہے کہ اس کے کئے ہوئے نیک اعمال حبط ہوئے جاتے ہیں نیکیاں جلی جاتی ہیں اور حق تعالیٰ کے غصہ کا نشانہ بنا ہوا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے وسیع خزانہ کی بیشمار نعمتوں میں بخل کرتا اور دوسرے پر انعام ہونا چاہتا ہی نہیں۔ اور **دُنیا کا نقصان** یہ ہے کہ حاسد ہمیشہ رنج و غم میں مبتلا اور اسی فکر میں گھلتا رہتا ہے کہ کسی طرح فلاں شخص کو ذلت و افلاس نصیب ہو پس جس پر حسد ہے اُس کیلئے بھی خوشی کا مقام ہے کہ مجھے رنج پہنچانا چاہتے تھے اور خود ہر وقت کے رنج میں گرفتار ہو گئے لہذا اُس کے حسد سے اُسکی تو مُراد پوری ہو گئی اور حسد کرنیوالا بڑے خسارہ میں رہا۔ تمھیں سوچو کہ تمھارے حسد کرنے سے محسود کو کیا نقصان ہوا ظاہر ہے کہ اسکی نعمت میں کسی قسم کی بھی کمی نہیں آئی بلکہ اور نفع ہوا کہ تمھاری نیکیاں اُسکے نامہ اعمال میں درج ہو گئیں کیسا اُلٹا قصہ ہوا حاسد چاہتا تو یہ تھا

ابو داؤد سے یہ آیت نہیں بلکہ حضرت زکریا علیہ السلام کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں ۱۲ ... ورنہ تکبر ... دور کرنا ... حسد کیا ہوا ۱۲ ... ساقط ۱۲

کہ محسود دنیا میں تنگدست ہو جائے اور نتیجہ یہ نکلا کہ اسکی نعمتیں بحال ہیں اور دین کی نعمت نفع میں ملی اور حاسد نے عذاب آخرت بھی سر رکھا اور اپنی قناعت و آرام کی زندگی کو رخصت کر کے ہر وقت کی خلش اور دُنیوی کوفت خریدی یہ تو ایسی صورت ہو گئی کہ دشمن کے ڈھیلا مارنا چاہتا تھا اور وہ اپنے ہی آ لگا کہ جس سے اپنی آنکھ پھوٹ گئی اور طرہ یہ کہ دشمن یعنی شیطان کو بھی ہنسنے کا موقع مل گیا خصوصاً اگر کسی عالم یا متقی پر حسد کیا جائے کہ اسکا علم و تقویٰ زائل ہونیکی تمنا ہو تو یہ حسد سب سے زیادہ بُرا اور بدتر ہے۔ عملی علاج حسد کا یہ ہے کہ حسد کا مقصود تو یہ ہے کہ تم محسود کی عیب جوئی کرو اور رنج و غم کے گھونٹ رات دن پیو۔ لہٰذا تم نفس پر جبر کرو اور قصداً اُسکے منشا کی مخالفت کر کے اسکی ضد پر عمل کرو یعنی محسود کی تعریفیں بیان کرو اور اُسکے سامنے تواضع اور اس نعمت پر خوشی و مسرت کا اظہار کرو جو اُسے مرحمت ہوئی ہے جب چند روز بہ تکلف ایسا کرو گے تو محسود کے ساتھ تم کو محبت پیدا ہو جائیگی۔ اور جب عداوت جاتی رہیگی تو حسد بھی نہ رہیگا اور اس رنج و غم سے تم کو نجات مل جائیگی جس میں حسد کی وجہ سے تم مبتلا ہو رہے تھے۔

حسد کا علاج

(**فصل**) شاید تم کو یہ شبہ لاحق ہو کہ دوست میں اور دشمن میں فرق ہونا تو انسان کا طبعی امر ہے اور اپنی اختیاری بات نہیں کہ جس طرح اپنے دوست کو راحت میں دیکھکر خوشی ہوتی ہے اسی طرح دشمن کو بھی راحت میں دیکھکر مسرت ہوا کرے اور جب اختیاری بات نہیں ہے تو انسان اسکا مکلف بھی نہیں ہو سکتا لہٰذا میں کہتا ہوں کہ بیشک اتنی بات صحیح ہے اور اگر اسی حد تک بات رہے تو گناہ بھی نہیں لیکن اسکے ساتھ ہی جتنی بات اختیاری ہے اس سے بچنے کا لحاظ رکھنا ضروری ہے اور وہ دو امر ہیں۔ ایک یہ کہ اپنی زبان اور اعضاء اور افعالِ اختیاریہ میں حسد کا اثر مطلق نہ ہونے دو بلکہ نفس پر جبر کر کے اسکی ضد پر عمل کرو جیساکہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں دوسرا یہ کہ نفس میں جو حسد کا مادہ موجود ہے اور جو اللہ کی نعمتوں کو بندوں پر دیکھنی پسند نہیں کرتا اُسکو دل سے مکروہ سمجھو اور یہ خیال کرو کہ یہ خواہش دین کو برباد کرنیوالی ہے ان دو باتوں کے بعد اگر طبعی امر باقی رہے یعنی دل بے اختیار چاہے کہ دوست خوشحال ہیں اور دشمن پامال ہوں تو اب اسکا کچھ خیال نہ کرو کیونکہ جب اسکے ازالہ پر تم کو قدرت نہیں ہے تو اس پر گناہ بھی نہیں ہوگا مگر دل کی ناگواری ضروری بات ہے اور اسکی علامت یہ ہے کہ اگر محسود کی نعمت کے زائل کرنے پر تم کو قدرت حاصل ہو جائے تو اپنی طبیعت سے تمھاری خواہش یہی ہو کہ کاش اسکی نعمت چھن جائے۔ مگر اپنے ہاتھ پاؤں سے ایسا انتظام نہ کرو یا مثلاً محسود کی نعمت کے قائم رہنے یا بڑھانے میں اگر مدد دیسکتے ہو تو باوجود اسکے ناگوار گذرنے پر بھی اسکو مدد دو۔ اگر ایسی حالت ہو جائے تو سمجھ لو کہ جہانتک اختیار اور قابو ہے وہانتک ہم نے خدا کے حکم پر عمل کر لیا اور سبکدوش ہو گئے۔ ایسی صورت میں طبعی بات کا دُور کرنا اپنے قبضہ میں نہیں ہے اور وہ موجود تو ہے مگر چونکہ اختیاری کاموں نے اسکو چھپا اور دبا لیا ہے اس لئے گویا معدوم ہو گئی ہے اور یہ بھی یاد رکھو کہ جن کی نظر عالمِ دنیا سے اُٹھ جاتی ہے وہ تو سمجھ جاتے ہیں کہ دنیا بھی نا پائدار ہے اور اسکی تمام نعمتیں بھی فنا ہونیوالی ہیں پس اگر اپنا دشمن فراخی یا وسعت اور آرام ہی میں ہے، تو کے دن

کیلئے؟ اگر اعمال کے سبب مرنے کے بعد دوزخ میں جانیوالا ہے تو اس کم نصیب کو اس چند روزہ آرام سے کیا نفع؟ اور اگر جنتی ہے تو جنت کی نعمتوں کو اس ناپائدار نعمت سے کیا مناسبت؟ پس حسد کرنا اور دشمن کو دُنیا کی کسی خوشی میں دیکھکر جلنا بہرحال محض بے سود اور عبث ہوا ساری مخلوق خدا کی پیدا کی ہوئی ہے اور سارے آدمی اپنے پیارے خدا کے غلام ہیں پس محبوب کی طرف سے جو انعام ہوں اُنکے اثر اُسکے غلاموں پر ظاہر ہی ہونے چاہئیں لہذا جس کسی پر بھی تمہارے قدرت والے محبوب کی عطاؤں کے آثار ظاہر ہوں تمہارے لئے خوش ہونے کا مقام ہے نہ کہ رنج اور حسد کرنے کا۔

پانچویں اصل بخل اور محبت مال کا بیان

بخل بھی ایک بڑا مہلک مرض ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ "جو لوگ اللہ کی دی ہوئی نعمت میں بخل کرتے ہیں وہ اسکو اپنے حق میں بہتر نہ سمجھیں بلکہ یہ اُن کیلئے نہایت بُرا ہے کیونکہ جسمیں بخل کرینگے اُسکا طوق بناکر اُن کے گلے میں ڈالا جائیگا"۔ اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ "اپنے آپکو بخل سے بچاؤ کہ اس نے پہلی اُمتوں کو ہلاک کر دیا ہے" پس مسلمان کو شایاں نہیں کہ بخل کرے اور جہنم میں جاوے اور چونکہ بخل درحقیقت مال کی محبت ہے اور مال کی محبت قلب کو دنیا کی طرف متوجہ کر دیتی ہے جس سے اللہ کی محبت کا علاقہ ضعیف و کمزور ہو جاتا ہے اور بخیل مرتے وقت حسرت بھری نظر سے اپنا جمع کیا ہوا محبوب مال دیکھتا اور جبراً و قہراً آخرت کا سفر کرتا ہے اسلئے اسکو خالق جل جلالہٗ کی ملاقات محبوب نہیں ہوتی اور حدیث میں آیا ہے کہ "جو شخص مرتے وقت اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو پسند نہ کرے وہ جہنمی ہے"۔ جس شخص کے پاس مال نہ ہو وہ بخیل تو نہیں ہے مگر یہ ہو سکتا ہے کہ اُسکے قلب میں مال کی محبت ہو اور اس آرزو میں ہو کہ کاش مالدار ہو جائے اسی طرح بعض اہلِ ثروت سخی ہوتے ہیں مگر چونکہ سخاوت سے اُن کو محض اپنی شہرت اور مدح مقصود ہوتی ہے اسلئے اُن پر اگرچہ بخل کی تعریف صادق نہیں آتی مگر حُبِ مال کا مضمون ضرور صادق آتا ہے پس بخل کے علاج کیساتھ حُبِ مال کا بھی علاج ہونا چاہئے یاد رکھو کہ مال کی محبت خدا کی ذکر سے غافل بنا دیتی ہے یہ مال مسلمان کیلئے بڑا فتنہ ہے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "جب انسان مرتا ہے تو فرشتے پوچھتے ہیں کہ کیا چھوڑا؟ پس اگر زندگی میں مال خرچ کر کے آخرت کا کچھ ذخیرہ جمع کر لیا تھا تو مرتے وقت خوش ہوگا کہ بھیجا ہوا مال وصول کرنیکا وقت آگیا ورنہ رنجیدہ ہوگا۔ اور اس پر مرنا بہت شاق گذریگا روپیہ کا بندہ تباہ ہو نگونسار ہو اسکے کانٹا چبھے تو کوئی نکالنے والا نہ ملے"۔ یہ حدیث کا مضمون ہے۔ اب تم ہی سوچو کہ جسکو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایسی بددعا دیں اُسکا کہاں ٹھکانا

(فصل) مال مطلقاً مذموم نہیں ہے، اور مذموم کیسے ہو سکتا ہے جبکہ دُنیا و آخرت کی کھیتی ہے کہ ساری مخلوق جسم کے گھوڑے پر سوار ہو کر سفر آخرت طے کر رہی ہے اور سواری کو اس مسافر خانۂ دنیا میں گھاس دانہ کی ضرورت ہے، اور وہ مال کے بغیر مل نہیں سکتا کیونکہ جب تک پیٹ نہ بھرے اُس وقت تک عبادت نہیں ہو سکتی لہذا قوت و حیات قائم رکھنے کی مقدار کے موافق مال حاصل کرنا تو ضروری ہوا البتہ اس سے زیادہ مال و متاع ہلاکت کا سامان ہے کیونکہ مسافر بقدر ضرورت ہی توشہ اپنے ساتھ رکھتا ہے اور جہاں بوجھ زیادہ ہوا تو سفر

له ابوداؤد نسائی سنن کبریٰ ابن حبان ۱۲ که مجاہد و مقاتل ۱۲ سه بڑی ہوا گئی بزرگی ۱۲ سه یہ حدیث اصل کتاب میں نہیں مترجم صاحب نے لکھدی ہے اسلئے نہیں ہو سکی ۱۲ شه بیہقی ۱۲
ھه بخاری ۱۲ +

کرنا بھی اسکو مشکل پڑ جاتا ہے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ "اے عائشہ رضؓ مجھسے ملنا چاہو تو اتنی ہی دنیا پر قناعت کرو جتنا مسافر کا توشہ ہوتا ہے کہ جب تک پیوند نہ لگ جایا کرے۔ اسوقت تک کرتہ نہ اتارا کرو اور آل محمد کے متعلقین کی معاش بقدر کفایت ہی رکھیو اور زیادہ نہ دیجیو ورنہ ہلاک ہو جائینگے"۔ یاد رکھو کہ ضرورت سے زیادہ مال جمع کرنا تین وجہ سے مضر ہے۔ **اوّل** مال کی وجہ سے معصیت پر قدرت حاصل ہو جاتی ہے اور قدرت کے ہوتے ہوئے صبر کرنا اور گناہ سے بچنا بہت دشوار ہے اور جب ضرورت سے زیادہ مال ہی نہ ہوگا تو ظاہر ہے کہ گناہ پورا نہ ہو سکیگا **دوم** اگر متموّل شخص عابد زاہد بھی ہو اور مباح ہی لذتوں میں پیسہ خرچ کیا تب بھی اتنا نقصان اسکو ضرور پہنچا کہ اُس کے جسم نے چونکہ لذید نعمتوں سے پرورش پائی اسلئے لذتوں کا خوگر ہو گیا اور مال کو چونکہ پائداری نہیں ہے اسلئے اپنی عادت کے نباہنے کو مخلوق کا محتاج بنا رہیگا۔ اور کیا عجب ہے کہ ظالموں اور فاسقوں کے سامنے ہاتھ پھیلانا یا انکی چاپلوسی کرنی پڑے تاکہ جن لذتوں کا عادی ہو گیا ہے وہ مرتے دم تک حاصل ہوتی رہیں اور جب یہ ہوا تو اب نفاق، جھوٹ، ریا، عداوت، بغض اور حسد سب ہی ظاہر ہونگے اسی لیے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "دنیا کی محبت تمام گناہونکی جڑ ہے"۔ اور جب ضرورت سے زیادہ پیسہ ہی پاس نہ ہوگا تو مباح چیزوں کا مزہ بھی منھ کو نہ لگے گا۔ **تیسری** وجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے ذکر سے غفلت ہو جائیگی۔ کیونکہ کاشتکاروں، کارندوں، محرروں اور ملازموں کی نگرانی اور شریکوں سے حساب کتاب کرنے اور ترقی کے اسباب فراہم کرنیکی تدبیروں میں ایسی مشغولی ہوگی کہ اصل سعادت یعنی ذکر الٰہی کا وقت ہی نہ ملیگا۔ اوّل روپیہ کی تحصیل اور وصولیابی پھر اُسکی حفاظت و نگہبانی اور پھر اسکا نکالنا اور کسی کام میں لگانا یہ سب دھندے قلب کو سیاہ کرنیوالے ہیں جن سے نورِ بصیرت جاتا رہتا ہے اور جب ضرورت سے زیادہ مال ہی نہ ہوگا تو یہ تفکرات و مخمصات بھی پیش نہ آئینگے۔

ضرورت سے زائد مال جمع کرنا مضر ہونیکی وجوہات۔

(فصل) اب معلوم کرنا چاہیے کہ ضرورت کس چیز کا نام ہے اور بقدر کفایت کسقدر مال کو کہتے ہیں؟ کیونکہ یوں تو ہر شخص کتنا ہی مالدار کیوں نہ ہو جائے یہانتک کہ ہفت اقلیم کی سلطنت بھی اسکو مل جاتی ہے تب بھی یہی سمجھتا ہے کہ میری ضرورتوں کو کافی نہیں ہے۔ اسلئے جاننا چاہیے کہ فرضی ضرورتوں کا اعتبار نہیں ہے، اور واقعی ضرورت انسان کو صرف پیٹ بھرنے اور بدن ڈھکنے کی ہے۔ پس اگر زینت و تجمل کا خیال نہ ہو تو سال بھر میں جاڑے گرمی کیلئے دو دینار[عہ] کافی ہیں جنمیں موٹے کپڑے جو گرمی و سردی دفع کر سکیں باسانی تیار ہو سکتے ہیں اور کھانے میں شکم سیری اور چٹورا پن اگر چھوڑ دیا جائے تو ایک مُد روزانہ کے حساب سے سال بھر میں پانچ سو مُد اناج اور کبھی کبھی معمولی دال ترکاری کیلئے ارزانی کے موسم میں تخمینًا تین دینار کافی ہیں اب حساب لگاؤ کہ کے نفر کا نفقہ تمہارے ذمہ ہے؟ پس محنت مزدوری سے اسی مقدار کے موافق اپنا اور اپنے بال بچوں کا نفقہ روزانہ حاصل کرو اور خرچ کر ڈالو باقی سارا وقت اللہ کی یاد میں خرچ کرو۔ اگر اس سے زیادہ کماؤ اور جمع کروگے تو دنیادار اور مالدار سمجھے جاؤگے اور اگر کوئی زمین جائداد جسکی سالانہ آمدنی مذکورہ مقدار

ضرورت کی تحدید اور کفایت کی حقیقت۔

عہ ایک دینار تخمینًا عہ کا ہوتا ہے دو دینار تقریبًا للعہ کے ہوئے ۱۲ ؎ ترمذی ضعیف ۱۲ ؎ مسلم و احمد و ترمذی و ابن ماجہ ۱۲ ؎ بیہقی مرسل گر معتبر ۱۲

کے موافق ہو جاے اس نیت سے خرید لو کہ روزانہ کسب اور محنت مزدوری سے سبکدوش ہو کر اطمینان کیساتھ اللہ اللہ کر سکو تو فی زمانہ اسمیں بھی کچھ مضائقہ نہیں معلوم ہوتا کیونکہ جائداد کا خریدنا اور زمین مٹی میں روپیہ لگانا اُسوقت ناجائز ہے جبکہ دُنیا طلبی کے لئے ہو کہ عزت وجاہ میں ترقی یا زمیندار بننے کی دل میں خواہش ہو اور مذکورہ صورت میں چونکہ دین ہی کا حاصل کرنا مقصود ہے اسلئے یہ اس ممانعت سے خارج ہے جو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے اسکے ساتھ ہی اس کا لحاظ کرنا بھی ضروری ہے کہ طبائع اور ہمتیں مختلف ہوتی ہیں ممکن ہے کہ بعض لوگ مذکورہ قدرِ کفایت پر قناعت نہ کر سکیں لہٰذا اُن کے لئے اس سے دوچند کی بھی اجازت ہے کیونکہ دین میں تنگی نہیں ہے البتہ اس زیادتی میں نیت یہی ہونی چاہیئے کہ چونکہ تخفیف میں مشقت پیش آتی ہے اور عبادت میں اطمینان نصیب نہیں ہوتا اسلئے ہم کو باطمینانِ قلب یادِ حق میں مشغول رہنے کیلئے زائد خرچ کی ضرورت ہے نہ کہ تلذذ اور تنعم کیلئے بس اس سے زیادہ جو کوئی جمع کر کے رکھے وہ دنیادار ہے اور اسکو مال کی محبت ہے جو اسکے دین برباد کرنیوالی ہے یاد رکھو کہ مال جمع کرنیوالوں کی غرض مختلف ہوتی ہے یا تو یہ کہ مزہ اُڑائینگے اور لذتیں پائینگے اور یا یہ کہ موقع اور وقت پر آئندہ صدقات وخیرات کرینگے۔ اور یا وہ دور اندیشی اور اس مصلحت کے لئے جوڑ کر رکھتے ہیں کہ اگر کوئی وقت افلاس کا آگیا یا محنت مزدوری نہ ہو سکی یا فاقہ کشی کی نوبت آئی تو یہ پسماندہ پونجی کام آئیگی حالانکہ یہ تینوں نیتیں درست نہیں ہیں کیونکہ تلذذ اور تنعم تو خدا سے غافل بنانیوالی ہے اور خیرات کرنیکی نیت سے مال جمع کرنیکی بہ نسبت تو بہتر یہ ہے کہ مال ہی پاس نہ ہو۔ اب رہا آئندہ کیلئے مال جمع کرنا جس کا نام دور اندیشی ہے سو وہ تو کوئی چیز ہی نہیں کیونکہ اگر تقدیر میں فاقہ کشی اور مصیبت لکھی ہے تو وہ اُس مال کی بدولت ٹل نہیں سکتی اور نیز جس طرح آفتِ ناگہانی کی طرف سے اطمینان نہیں اسی طرح اس بات سے بھی نا اُمیدی نہیں کہ حق تعالےٰ ایسی جگہ سے رزق پہنچائے جہاں گمان بھی نہ جاتا ہو اور بھلا اس بدگمانی کا موقع ہی کیا ہے کہ شاید کسی وقت میں حق تعالےٰ رزق بند کر لے اور فاقہ کرائے۔ غلام کو آقا کیساتھ تو نیک گمان رکھنا چاہیئے نہ کہ گمانِ بد۔ اس کے علاوہ یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ اس کی ہوس کرنا کہ تمام عمر مالدار یا تندرست ہی رہیں اور کسی وقت بھی کسی قسم کی مصیبت یا رنج ہم کو نہ پہنچے اچھی بات نہیں ہے فراخ دستی وآرام کی زندگی کو بہتر خیال کر لینا عقلمندوں کا کام نہیں ہے اسلئے کہ مصیبتوں اور پریشانیوں کی بدولت بندوں کو بڑے بڑے درجے ملتے ہیں اسی سے قلب کی صیقل ہوتی ہے اس سے گناہ معاف اور وہ فائدے حاصل ہوتے ہیں جن کا حاصل ہونا آسان نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ سب سے زیادہ پریشانیاں انبیاء علیہم السلام کو برداشت کرنی پڑیں اور ان سے کم پریشانیاں ان سے کم رتبہ والوں کو غرض قربِ خدا میں انبیاء علیہم السلام کیساتھ جتنی مناسبت ہوئی اسی نسبت سے اُسکو پریشانیاں اور مصیبتیں بھی اُٹھانی پڑیں۔ یاد رکھو کہ حق تعالیٰ بڑی حکمت والا ہے اسکا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں وہ اپنے بندوں کی مصلحتوں سے خوب واقف ہے بس تم کو جس حال میں بھی رکھیگا تمہارے لئے اسی میں بھلائی ہوگی لہٰذا اپنی طرف سے راحت کو اپنے لئے انتخاب کرنا اور اس ہوس میں آنیوالی مصیبت کیلئے ذخیرہ جمع کرنا گویا اپنا انتظام آپ

له احمد و ترمذی اور حاکم نے صحیح روایت کیا ہے کہ لا تتخذوا الضیعۃ فترغبوا فی الدنیا (تم جائداد کو کہ دنیا سے رغبت کرنے لگو) ۱۲ علیہ مزہ رانا نعمت ۱۲ ارمغان ۱۲

ہاتھ میں لینا اور اپنے انتخاب کو انتخابِ خداوندی پر ترجیح دینا ہے جو سراسر حماقت ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی قابلِ
غور ہے کہ قبل از مرگ واویلا کرنیسے فائدہ کیا اور آئندہ کی دنیوی زندگی یعنی بڑھاپے یا ضعیفی کے زمانہ کی فکر سے
نتیجہ کیا؟ نہ تم اس فکر کیلئے پیدا ہوئے اور نہ تمہارے فکر کرنیسے تمہارا رزق جو مقدر ہو چکا ہے کم یا زیادہ ہو سکتا ہے
تم تو آخرت کے مسافر ہو اور اُسی کا سامان فراہم کرنے کیلئے دُنیا میں بھیجے گئے ہو پس اسکی فکر کرو دنیا کی پروا
بھی نہ کرو کہ کتنی ملتی ہے اور کیونکر گذر رہی ہے (**فصل**) کفایت کی مقدار کا جو حساب ہم نے بیان کیا ہے وہ
چونکہ تخمینی ہے اسلئے لوگوں کی طبیعتوں حالتوں اور موسم کی ارزانی و گرانی کے اختلاف سے اسمیں کمی بیشی ہو سکتی ہے۔ ہمارا
مقصود یہ ہے کہ مال کو دوا کی مثل سمجھو کہ بقدرِ ضرورت تو مفید و نافع ہوا کرتی ہے اور اگر اس میں اور کچھ زیادتی
کر دی جائے تو وہ بیماری کو بڑھا دیتی ہے اور اگر اسمیں بہت ہی زیادتی کر دی جائے تو جان ہی مار دیتی ہے پس جہانتک
ہو سکے اخراجات و مصارف میں کمی کرو کیونکہ اگر تکلیف بھی ہے تو بس چند ہی روز کی ہے کیونکہ زندگی ہی چند روزہ ہے
پس یہ جس طرح ہوگی گذر ہی جائیگی۔ اور یہ بھی یاد رکھو کہ کھانے کا مزہ بھی بھوک ہی میں معلوم ہوا کرتا ہے پس جتنے یہاں
بھوکے رہوگے اُسی قدر جنت کی نعمتوں میں مزہ بھی زیادہ آئیگا (**فصل**) بخل کی حد بھی معلوم ہونی چاہئے کیونکہ
اکثر آدمی خود اپنی حالت میں شک کرتے ہیں اور نہیں سمجھ سکتے کہ بخیل ہیں یا سخی ہیں؟ اسلئے جاننا چاہئے کہ جہاں مال خرچ
کرنیکا شرع حکم دے یا مروّت تقاضا کرے وہاں مال خرچ نہ کرنا بخل ہے پس اگر کوئی شخص اپنی بی بی بچوں کو وہ نفقہ
تو برابر دیدے جو قاضی نے مقرر اور اس پر واجب کر دیا ہے مگر اس سے زیادہ ایک لقمہ بھی دینا اسکو گوارا نہ ہو تو چونکہ یہ سختی
اگرچہ شریعت کے خلاف نہیں لیکن مروّت کے خلاف ہے اسلئے بخل میں شمار ہے۔ یا مثلاً تم نے کسی دوکاندار سے کوئی شئے خریدی اور
ذرا سی نقص یا عیب کی وجہ سے اسکو واپس کر دیا تو اگرچہ یہ واپسی شرعاً جائز ہے مگر چونکہ خلافِ مروّت ہے اسلئے بخل کہلائیگا۔ یہاں
یہ شبہ نہ ہونا چاہئے کہ جب یہ صورتیں مروّت کے خلاف ہونیکی وجہ سے بخل میں داخل ہیں تو پھر شریعت نے انکو جائز کیوں
کہدیا؟ بات یہ ہے کہ شریعت کا منشا اس قسم کی بے مروّتی کی باتوں کو جائز کہدینے میں یہ ہے کہ عام لوگوں کا باہمی نزاع دور کرے
اور بخیلوں پر اتنا قلیل بوجھ ڈالے کہ جسکے وہ متحمل ہو سکیں انتظامِ دُنیوی کو قائم رکھے مگر اس کیساتھ ہی مروّت کا برتاؤ اور جو
ضرورتیں اتفاقیہ پیش آجائیں اُنکو پورا کرنا بھی ضروری ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ جس مال کے ذریعہ سے آدمی اپنی آبرو بچائے وہ بھی
صدقہ ہے۔ مثلاً کسی مالدار کو اندیشہ ہو کہ یہ شاعر میری ہجو کریگا اور اگر میں اسکو کچھ دیدوں تو اسکا منہ بند ہو جائیگا اور باوجو
اس علم کے اسکو کچھ نہ دے تو وہ شخص بخیل سمجھا جائیگا۔ کیونکہ اس نے اپنی آبرو محفوظ رکھنے کی تدبیر کی اور بدگو کو بدگوئی کا
موقع دیا۔ ظاہر ہے کہ مال کی ذات تو مقصود اور محبوب نہیں ہے چنانچہ کوئی اسکو چباتا یا نگلتا نہیں ہے۔ ہاں
البتہ چونکہ اس سے ضرورتیں پوری اور غرضیں حاصل ہوتی ہیں اسلئے مال مرغوب ہے، لہذا جس جگہ اسکے خرچ کرنے میں فائدہ
ہو وہاں خرچ نہ کرنا غلطی کی بات ہے۔ پس جو شخص باوجود ضرورت کے مال خرچ نہ کرے تو سمجھ لو کہ اس شخص کو مال کی ذات

بخل اور اسکی حقیقت

سلہ حاکو صحیح ہے ۱۲ +

کے ساتھ محبت ہے اس نفع کے ساتھ جو کہ مال سے مقصود ہے اسکو مطلق بحث نہیں۔ کبھی مال کی محبت یہانتک بڑھ جاتی ہے کہ انسان کو اپنا فائدہ اور نقصان بھی نظر نہیں آتا ایسی حالت بہت خطرناک ہے جسکو جہل مرکب کہنا چاہیے۔ پس ایسی صورت میں عقل و شرع کے پابند بننے کی طرف زیادہ توجہ کرو اور جس جگہ پر خرچ کرنے کا یہ دونوں حکم کریں وہاں بیدریغ مال خرچ کرو۔ یہ تو بخل کا تذکرہ تھا اب رہی سخاوت تو اس کی تو کوئی حد ہی مقرر نہیں ہے بس اتنا سمجھ لو کہ بخل کی حد سے باہر نکل کر جتنا بھی خرچ کیا جائیگا وہ سب سخاوت میں داخل ہے۔

(فصل)

بخل کا علاج علمی بھی ہے اور عملی بھی۔ علمی علاج تو یہ ہے کہ بخل کے نقصانات معلوم کرو کہ آخرت کی تباہی اور دنیا کی بدنامی دونوں اس سے پیدا ہوتی ہیں۔ خوب سمجھ لو کہ مال بخیل کیساتھ جانیوالا نہیں ہے صرف قبر کے گڑھے تک کا دھندا ہے۔ بس دنیا میں انسان کو جو مال دیا گیا ہے تو صرف اس غرض سے دیا گیا ہے کہ وہ اس کو اپنی ضرورتوں میں خرچ کیا کرے سو اگر تم جانور بنکر اسکو اپنی نفسانی خواہشوں کی پورا کرنے میں خرچ کر دوگے تو بڑی ضروری نعمت یعنی آخرت کی لذتوں سے محروم رہوگے اور اگر دنیا میں اولاد کے لیے چھوڑ مروگے تو گویا اولاد کو تو آرام دے جاؤگے مگر خود خالی ہاتھ چلے جاؤگے اب تم ہی بتاؤ کہ اس سے زیادہ حماقت کیا ہو سکتی ہے؟ ذرا غور کرو کہ اگر تمہارے پسماندہ بچے صالح اور نیکوکار اُٹھیں گے تو کیا خدا اُنکی ضرورتوں کا کفیل نہ ہوگا یعنی تمہارے جمع کرنے سے کیا نفع؟ اور اگر خدانخواستہ وہ بدکار ہوئے تو ظاہر ہے کہ یہ تمہارا جمع کیا ہوا مال حق تعالیٰ کی معصیت میں خرچ ہوگا اور اُس کا تم پر وبال پڑے گا کہ معصیت کے سبب تم قرار پاؤگے۔ جوں جوں دوسرے لوگ تمہارے مال سے مزے اُڑائیں گے ووں ووں تم پر عذاب بڑھیگا۔ اس قسم کی باتیں سوچنے اور بخل کے نتائج پر غور کرنے سے اُمید ہے کہ انشاء اللہ بخل سے نجات مل جائیگی۔ اور عملی علاج یہ ہے کہ نفس پر جبر کرو اور خرچ کرنیکی بے تکلف عادت ڈالو ضرورت کے وقت خرچ کرنیکی خوبی کا تصور باندھکر اسقدر ڈالو کہ خرچ کرنیکی رغبت ہونے لگے اور پھر بتدریج بُرے خیالات اور مذموم اخلاق کو دُور کرتے رہو۔ یہانتک کہ بخل کی جڑ کٹ جائے اور اب مال کا خرچ کرنا خالصاً لوجہ اللہ بنجائے۔

چھٹی اصل رعونت اور شہرت و جاہ کی محبت کا بیان

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ دارِ آخرت کی بھلائیاں اُنھیں کے لئے مخصوص ہیں جو زمین پر رہکر بڑھنا چڑھنا اور فتنہ و فساد کرنا نہیں چاہتے اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "بکریوں کے گلے میں دو بھیڑیے آپڑیں تو وہ اتنا نقصان نہ کرینگے جتنا مال و جاہ کی محبت دیندار مسلمان کے دین کا نقصان کرتی ہے"۔ خوب سمجھ لو کہ رعونت اور حبِ جاہ بُری بلا ہے انکے قلب میں نفاق پیدا ہوجاتا ہے حقیقت میں وہ لوگ بڑے آرام میں ہیں جنکو کوئی جانتا بھی نہیں پریشان حال غبار آلودہ کہ نہ لوگ انکو پاس بٹھانا پسند کرتے ہیں نہ اُمرا اُنکو اپنی بنگلوں میں گھسنے کی اجازت دیتے ہیں اگر وہ نکاح کرنا چاہیں تو کوئی اُن کو لڑکی دینا پسند نہیں کرتا۔ پھٹے پُرانے کپڑے پہنے اور ذلت و مسکنت کی حالت میں پڑے ہوئے ہیں انھیں میں ایسے بندے ہوتے ہیں کہ اگر کسی بات پر قسم کھا بیٹھیں تو حق تعالیٰ انکی خاطر اسکو پورا فرماتا ہے یاد رکھو

بخل کا علاج علمی

عملی علاج بخل

حب جاہ و شہرت بہت نقصان دہ ہیں

سلہ خود آرائی ۱۲ سلہ عزت ۱۲ سلہ ترمذی و احمد صحیح ہے ۱۲

کہ جہاں انسان کی شہرت ہوئی اور اسکو مسندِ عزت کی جگہ بیٹھنا اور لوگوں کے آگے آگے چلنا پسند آیا۔ تو بس تباہی آگئی۔ خدا کے بندے اپنے آپکو بہت چھپاتے ہیں۔ البتہ بلا طلب و بلا خواہش اگر حق تعالیٰ ہی ان کو ظاہر فرما دے تو اب اُن کو اپنا چھپانا مناسب نہیں رہتا۔ دیکھو انبیاء علیہم السلام خلفاء راشدین اور اکثر اولیاء کی دنیا میں شہرت ہوئی ہے مگر چونکہ ان میں سے کسی نے بھی اپنی شہرت کی آرزو یا خواہش نہیں کی بلکہ محض حق تعالیٰ کی اطاعت کی تھی کہ اُسنے جس حال میں بھی رکھا اُس پر راضی ہو گئے اسلئے نہ تکبر پیدا ہوا اور نہ حُبّ جاہ کہلائی۔ کیونکہ حُبّ جاہ اسکا نام ہے کہ اپنی شہرت کی خود خواہش کرے اور ظاہر ہے کہ اس سے رعونت پیدا ہو جاتی ہے۔ حق تعالیٰ محفوظ رکھے۔

فصل۔ حُبّ جاہ کے معنی یہ ہیں کہ ”انسان لوگوں کے قلوب پر قبضہ کرنا چاہے اور اسکی خواہش کرے کہ اُنکے دل میرے مطیع بن جائیں۔ میری تعریف کیا کریں، میری حاجت کے پورا کرنے میں لگیں اور جان تک سے دریغ نہ کریں“ مال کیساتھ بھی انسان کو اسی غرض سے محبت ہوتی ہے کہ وہ رفع حاجت کا ذریعہ بنے اور جاہ و شہرت کی خواہش بھی اسی لئے ہوتی ہے کہ کوئی ضرورت بند نہ رہے۔ پس مقصود کے اعتبار سے دونوں ایک ہی نفع کے سبب ہیں البتہ چونکہ حُبّ جاہ سے مال بھی حاصل ہو سکتا ہے اور نہ اُس کو کوئی چُرا سکتا ہے نہ لوٹ سکتا ہے۔ اور مال کے ذریعہ سے بسا اوقات جاہ حاصل نہیں ہوتا اور مال میں چوری کا اور لوٹ کا بھی خطرہ رہتا ہے اسلئے حُبّ جاہ کا درجہ حُبّ مال سے بڑھا ہوا ہے اور چونکہ یہ عام قاعدہ ہے کہ جب کسی کی تعظیم کا اعتقاد لوگوں میں پیدا ہو جاتا ہے تو لامحالہ لوگ اس کی تعریفیں کرتے اور دوسروں کو اس مضمون میں اپنا ہم خیال بنانا چاہتے ہیں اور جب ان کو اس کی دُھن لگتی ہے تو بسا اوقات کامیاب بھی ہو جاتے ہیں پس اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہتا ہے اور آخر کار حُبّ جاہ میں بلا تکلف و بلا مشقت کامیابی ہو جاتی ہے۔ برخلاف اس کے مال کے جمع کرنے میں بیسیوں تدبیریں اور حیلے کرنے پڑتے ہیں اور پھر بھی خاطر خواہ مال جمع ہونا مشکل ہوتا ہے اسوجہ سے انسان کو مال کی بہ نسبت جاہ کی محبت و خواہش زیادہ ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ فقرا بھی حُبّ جاہ میں مبتلا پائے جاتے ہیں۔ حُبّ جاہ کے بکثرت ہونیکا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ہر آدمی اپنی بڑائی اور عزت کی بالطبع خواہش ہوتی ہے اور ہر شخص چاہتا ہے کہ میں ایسا بے مثل و یکتا بن جاؤں کہ روزگار بھر کہ بس میں ہی میں ہوں حالانکہ یہ حقیقت ایسی الٰہیہ ہے اور خداوند متعال ہی کو شایاں ہے کیونکہ یکتائی اُسی کی شان ہے اور تمام مخلوق اُس واجب الوجود کی نورِ قدرت کا پرتو ہے۔ پس جو انسان حُبّ جاہ کے مرض میں گرفتار ہے وہ گویا اللہ عز اسمہ کے ہم پلہ ہو جانیکا خواہشمند اور اُس کیساتھ اس نسبت کے قائم رکھنے سے ناراض ہے جو دھوپ کو آفتاب کے ساتھ ہوتی ہے گویا اسکا نفس فرعون کی طرح اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی پکار رہا ہے کہ (میں ہی تم سب کا بڑا پروردگار ہوں) بس اتنا فرق ہے کہ فرعون نے یہ کلمہ زبان سے نکالدیا اور لوگوں کے سامنے کہدیا تھا اور دوسرے لوگ اسکو اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں مگر چونکہ شانِ یکتائی کسی کو حاصل نہیں ہو سکتی اور اس آرزو میں کامیاب ہونا محال ہے اسلئے انسان کا نفس چاہتا ہے کہ اگر مستقل وجود میں کامیاب نہ ہو تو کم سے کم اتنا ضرور ہو کہ ساری مخلوق پر قبضہ ضرور حاصل

حُبّ جاہ و حُبّ مال کا فرق۔

انسان کو مال کی بہ نسبت جاہ کی محبت زیادہ ہونیکا پہلا سبب

حُبّ جاہ کا دوسرا سبب

ف لہ یعنی معبود ہونے کی تو حقیقت یہی ہے کہ وہ ذات اور اوصاف میں یکتا ہو تو گویا یہ خدائی کا دعویٰ کرنا چاہتا ہے ۱۲ +

ہو جائے کہ جس شے پر جو چاہوں تصرف کروں مگر چونکہ آسمان ستاروں پہاڑ سمندر اور دوسری بڑی مخلوقات پر قبضہ ہونا دشوار نظر آیا اسلئے ذرا نیچے اتر کر اسکا متمنی ہوا کہ صرف زمین ہی کی مخلوق پر مالکانہ تصرف حاصل ہو جائے یعنی حیوانات مسخر ہو جائیں اور معدنیات[1] نباتات تابع فرمان بنجائیں اور ان علویات[2] آسمانی اور بڑی مخلوقات ارضی[3] کی جن پر مالکانہ تصرف حاصل ہونا ناممکن ہے، پوری واقفیت اور تحقیق تام[4] حاصل ہو جائے تاکہ ہاتھ کا قبضہ نہ ہو تو علم ہی کا قبضہ قائم رہے۔ اور دنیا کی آبادی میں سے ذوی العقول[5] مخلوق یعنی انسان اپنے قلوب کے اعتبار سے کیسر مطیع و فرمانبردار بنجائیں کہ میری عظمت و بڑائی کے معتقد ہو کر مجھکو صاحب کمال سمجھنے لگیں۔ ہاتھ باندھے ہوئے میری تعظیم کریں اور میری شہرت کا آوازہ اُن ملکوں تک پہنچ جائے جہاں میں خود نہیں پہنچ سکتا۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

فصل ۔ انسان ایکدن مرنے والا ہے اور جاہ و شہرت مرنیکے بعد ختم ہو جائیگی پس اگر ناپائدار شہرت حاصل بھی ہوئی اور مخلوق میں عزت اور جاہ مل بھی گئی تو ہوا کیا؟ یہ تو کوئی خوبی اور کمال کی بات نہیں۔ کمال تو ایسی چیز کا حاصل کرنا ہے کہ جسمیں موت کوئی خلل یا کمی نہ پیدا کرے اور وہ معرفت الٰہی ہے کہ صاحب معرفت شخص دنیا سے انتقال بھی کر جائے تب بھی معرفت کے بیشمار مراتب میں اسکی ترقی رہتی ہے۔ لہٰذا اس رعونت اور طلب شہرت کا علاج کرو اور اسکی محبت دل سے نکالو یوں سمجھو کہ اگر مثلاً تمام دنیا تم کو سجدہ بھی کرنے لگے تو کے دن کیلئے۔ آخر ایکدن وہ ہوگا کہ نہ تم باقی رہوگے اور نہ سجدہ کرنیوالے باقی رہینگے۔ تعجب ہے کہ زمانہ تو تمہارے ساتھ یہانتک بخل کرتا ہے کہ شہر یا قصبہ تو درکنار تمہارے محلہ پر بھی تم کو پورا قبضہ نہیں دیتا اور تم زمانہ کی ہمدردی میں ایسے ڈوبے کہ دائمی نعمت اور جاوید سلطنت کے چھوڑنے پر راضی ہوگئے کہ دنیا کی اس مکدر و حقیر شہرت اور چند ایسے احمق و ضعیف لوگوں کی تعظیم و تکریم پر نازاں ہوگئے جنکو نہ کسی کی موت و حیات کا اختیار ہے اور نہ کسی کے ضرر اور نفع پر دسترس ہے اور اسکی بدولت اس پائدار عزت اور عالم ملکوتی کی شہرت کو کھو بیٹھے جو حق تعالیٰ اور اسکی برگزیدہ و پاک مخلوق یعنی فرشتوں میں تم کو حاصل ہوتی ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ انسان مال کی طرح بقدر ضرورت جاہ کا بھی محتاج ہے تاکہ اسکی وجہ سے مخلوق کے ظلم و تعدی سے محفوظ اور ظالم حاکموں کی دست برد سے بیخوف ہو کر باطمینان قلب عبادت میں مشغول رہ سکے لہٰذا اتنی طلب جاہ میں مضائقہ نہیں ہے مگر اسکے ساتھ ہی اسکا خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ یہ بقدر ضرورت جاہ اپنی عبادتوں میں ریا اور دکھاوا کر کے حاصل نہ کرو کیونکہ ریا حرام ہے نیز متقی اور صوفی صورت بنا کر بھی مخلوق کو دھوکہ نہ دو کیونکہ اگر درویشانہ یا عالمانہ صورت کی بدولت مخلوق میں عزت حاصل کروگے تو خدا کے نزدیک مکار سمجھے جاؤگے کہ جو مضمون قلب کو حاصل نہ ہو اور محض صورت بنا کر اسکا اظہار کیا جائے وہ دھوکہ اور مکر کہلاتا ہے اور ظاہر ہے کہ مکر و دھوکہ حرام ہے۔ بہرحال طلب جاہ بڑی خطرناک چیز ہے کیونکہ اسکی ہوس انسان کو ایک حالت پر قناعت نہیں کرنے دیتی بس اگر سچ پوچھو تو دین اُنھیں لوگوں کا محفوظ ہے جنکا حال اتنا مخفی و پوشیدہ ہے کہ اُنکو کوئی جانتا ہی نہیں کہ وہ کس رتبہ کے ہیں؟ **فصل** ۔ اکثر حبّ جاہ کا سبب اپنی مدح و ثنا کی خواہش ہوا کرتی ہے کیونکہ انسان کو اپنی تعریف و مدح میں لذت آتی ہے

رعونت و طلب شہرت کا علاج۔

بقدر ضرورت جاہ کی تحصیل جائز ہے۔

[1] کان سے نکلنے والی چیزیں ۱۲ [2] بلندی والی چیزیں ۱۲ [3] زمین والی ۱۲ [4] پوری ۱۲ [5] عقل والے ۱۲ +

اور لذّت آنیکی تین وجہ ہیں۔ اوّل چونکہ کمال حق تعالیٰ کی صفت ہے اور ہر شخص کو مرغوب ہے کہ میرے اندر بھی یہ صفت پیدا ہو لہٰذا النفس اپنی تعریف سے خوش ہوتا ہے کیونکہ سمجھتا ہے کہ تعریف کرنے والا میرے کمال سے واقف ہے اور یہی وجہ ہے کہ بیوقوف اور جاہل شخص کی تعریف پر اتنی خوشی نہیں ہوا کرتی جتنی کسی ہوشیار اور عقلمند آدمی کی مدح سے ہوتی ہے۔ دوم تسخیر کی خواہش ہر شخص کو ہے اور اپنی مدح سنکر چونکہ معلوم ہوجاتا ہے کہ مداح کے قلب پر میرا قبضہ اور اثر ہوگیا ہے لہٰذا النفس کو اس میں مزہ آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی صاحب عزت شخص تعریف کرے تو زیادہ مسرّت ہوتی ہے اور کوئی محتاج یا بھک منگا فقیر مدح کرے تو بالکل خوشی نہیں ہوتی کیونکہ اسکے قلب پر قبضہ کرنا کوئی کمال یا خوبی نہیں سمجھی جاتی۔ سوم۔ یہ خیال ہوتا ہے کہ میرے آوازہ شہرت کے بلند ہونیکا ذریعہ پیدا ہوگیا کیونکہ لوگوں کو میری تعریف کرنے کی طرف توجہ ہوئی اور اب یہ آہستہ آہستہ پھیل کر دنیا بھر میں بہت جلد میری شہرت کرادیگی لہٰذا مدح سے نفس پھولتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ مجمع میں تعریف ہونیسے جتنی مسرّت ہوتی ہے تنہائی میں مدح ہونیسے اتنی مسرّت نہیں ہوتی۔ خوب سمجھ لو کہ اس حُبّ مدح نے لوگوں کو برباد کردیا۔ اسی کی بدولت ریا اور طرح طرح کی معصیت میں مبتلا ہوگئے۔ پس اسکا علاج کرنا چاہئیے۔ غور کرو کہ تعریف کرنیوالا کس بات کی تعریف کرتا ہے؟ اگر تمھارے مال اور عزت کی تعریف کررہا ہے تو سمجھو کہ یہ تو کوئی کمال کی چیز ہی نہیں ہے مسرّت تو حقیقی کمال یعنی معرفت الٰہی کے حصول پر ہونی چاہئے اور یہی کمال تو رونے کا مقام ہے نہ کہ مسرّت کا اور اگر تمھارے زہد اور اتقا کی تعریف ہے تو اسکی دو صورتیں ہیں یعنی یا تو یہ کہ درحقیقت تم زاہد اور متقی ہو اور تمھاری تعریف اس بارہ میں سچی ہوئی ہے اور یا محض تمھیں خوش کرنے کیلئے تمھاری جھوٹی تعریف کی جارہی ہے۔ پس اگر سچی تعریف ہے تو اسکا علاج اس طرح کرو کہ دل میں سوچو اور غور کرو کہ ان باتوں کا اپنے اندر آجانا اور حق تعالیٰ کا قبول فرمالینا خوشی کی بات ہے نہ کہ دوسروں کا بیان کرنا۔ کیونکہ لوگوں کے اظہار کو قبولیت اور قرب الٰہی میں کچھ دخل نہیں ہے اور اگر زہد و اتقا کی تعریف جھوٹی ہے تب تو خوش ہونا کھلی حماقت ہے کیونکہ اسکی مثال تو ایسی ہے کہ کوئی شخص تمھاری تعریف کرنے لگے کہ آپکی آنتوں اور معدہ میں عطر کی خوشبو آرہی ہے حالانکہ تم واقف ہو کہ ان میں تو نجاست اور فضلہ بھرا ہوا ہے اور پھر اس بیجا مدح اور بے موقع بلکہ صریح جھوٹی تعریف پر خوش ہونے لگو تم ہی بتاؤ کہ اس سے زیادہ بیوقوفی کیا ہوگی؟ اور جاہ و شہرت کا علاج ہم اوپر بیان کرچکے ہیں اس پر عمل کرنیسے امید ہے کہ حُبّ جاہ اور حُبّ مدح کی جڑ جاتی رہیگی۔

ساتویں اصل دنیا کی محبت کا بیان

دُنیا صرف مال و جاہ ہی کی محبت کا نام نہیں ہے بلکہ موت سے پہلے جس حالت میں بھی تم ہو وہ سب دُنیا ہے اور دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے دُنیا کے تمام جھگڑوں بکھیڑوں اور مخلوقات اور موجودہ چیزوں کیساتھ تعلق رکھنے کا نام دُنیا کی محبت ہے۔ البتہ علم و معرفت الٰہی اور نیک کام جنکا ثمرہ مرنیکے بعد ملنے والا ہے اُن کا وقوع اگرچہ دُنیا میں ہوتا ہے مگر درحقیقت وہ دنیا سے مستثنےٰ ہیں اور انکی محبت دُنیا کی محبت نہیں ہے بلکہ آخرت کی محبت ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ "ہم نے دنیا کی تمام

چیزوں کو زمین کی زینت کا سامان بنایا ہے تاکہ لوگوں کو آزمائیں کہ کون اُن پر فریفتہ ہو کر آخرت ضائع کرتا ہے اور کون بقدر ضرورت سفر کا توشہ سمجھ کر اپنی آخرت سنوارتا ہے"۔ یاد رکھو کہ آدمی کو جاہ و مال کے علاوہ زمین کی بھی محبت ہوا کرتی ہے مثلاً مکان بنائے یا کھیتی کرے۔ نباتات کی بھی محبت ہوتی ہے مثلاً جڑی بوٹی ہو کہ اُس کو دواؤں میں استعمال کرے۔ یا ترکاری و دیگر پیداوار یا پھل پھول ہو کہ اُس کو کھائے اور مزہ اُڑائے۔ معدنیات کی بھی محبت ہوتی ہے مثلاً برتن اور اوزار بنائے یا زیور بنوا کر پہنے یا نقد جمع کرے۔ حیوانات کی بھی محبت ہوتی ہے مثلاً شکار کرے اور کھائے یا اُن پر سواری لے اور اپنی زینت بڑھائے۔ آدمیوں کی بھی محبت ہوتی ہے مثلاً یہ کہ عورتوں کو منکوحہ اور خادمہ بنائے یا مردوں کو غلام اور نوکر و خدمتگار بنائے انھیں چیزوں کی محبت کا نام ہوائے نفس ہے جسکو حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "جس نے اپنے نفس کو خواہش سے روک لیا اُس کا ٹھکانا جنت ہے"۔ یاد رکھو کہ دُنیا کی زندگی محض کھیل اور تماشہ ہے اور اسی سے اکثر باطنی امراض جیسے مثلاً غرور و نخوت، کینہ، حسد، ریا، تفاخر اور بڑھوتری کی حرص پیدا ہوتی ہے اور جب انسان کو حیاتِ دنیوی کی درستی و آرائش کا شوق پیدا ہوتا ہے تو حرفت و صنعت اور زراعت و تجارت کے ناپائدار مشغلوں میں ایسا پھنس جاتا ہے کہ آگے پیچھے اور مبدأ و معاد کی اُس کو کچھ خبر ہی نہیں رہتی اور ظاہر و باطن دونوں دنیا ہی کے ہو رہتے ہیں قلب محبتِ دنیا میں مشغول ہو جاتا ہے اور بدن اُس کی اصلاح و تدبیر میں مصروف۔ حالانکہ دنیا توشۂ آخرت ہے اور اس سے مقصود یہی ہے کہ مسافرانِ آخرت بآسانی اپنا سفر ختم کر سکیں مگر بیوقوف اور احمق لوگوں نے اسی کو مقصودِ اصلی سمجھ لیا اور طرح طرح کے مشغلوں اور قسم قسم کی خواہشوں میں ایسے پڑے کہ آئندہ ہونے والے وقت کو بالکل بھول گئے ان لوگوں کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص حج کی نیت سے روانہ ہوا اور جنگل میں پہنچکر سواری کے گھاس دانہ اور مرکب کے موٹا تازہ کرنے کی فکر میں لگ جائے اور ہمراہیوں سے پیچھے رہ جائے۔ افسوس ہے اُسکی حالت پر کہ تن تنہا جنگل میں سو گیا اور قافلہ کوچ کر گیا جس نیت سے چلا تھا یعنی حج وہ بھی گیا گذرا ہوا اور نتیجہ یہ ہوا کہ جنگلی درندوں نے موٹی تازی سواری کو بھی چیر پھاڑ ڈالا اور اُسکو بھی اپنے مُنہ کا نوالہ بنائے گئے۔ یاد رکھو کہ دنیا آخرت کی کھیتی اور منزل کا پڑاؤ ہے اور تم اپنے جسم خاکی پر سوار ہو کر سفرِ آخرت کر رہے ہو اسلئے تم کو چاہیے کہ اپنی سواری کا گھاس دانہ بقدر کفایت اُٹھاؤ اور سفری ضرورتوں میں کام آنیوالا سامان مہیا کر کے وہ بیج بوؤ جس کو آخرت میں کاٹو اور پھر دائمی زندگی آرام سے گذار سکو اور اگر اس بحث سواری کی پرورش و فربہی میں مشغول ہو جاؤ گے تو قافلہ کوچ کر جائیگا اور تم منزلِ مقصود پر نہ پہنچ سکو گے دنیا میں مخلوق کی مثال ایسی ہے جیسے ایک کشتی پر کچھ آدمی سوار ہوں اور کشتی کسی جزیرہ کے کنارہ پر آ ٹھیرے اور کشتی کا ملاح سواریوں کو اجازت دیدے کہ جاؤ جزیرہ میں اُتر کر اپنی ضرورتیں پوری کر آؤ مگر ہوشیاری سے کام لینا جگہ خطرناک ہے اور ابھی سفر دور دراز سر پر ہے غرض سواریاں اُتریں اور ادھر اُدھر منتشر ہو کر کئی اقسام پر منقسم ہو گئیں۔ بعض تو ضروری حاجت سے فارغ ہوتے ہی لوٹ پڑے اور فضول وقت گذارنا اُنکو اچھا نہ معلوم ہوا بس دیکھا کہ کشتی خالی پڑی ہے لہذا اپنی پسند سے موافق سواری

ہوائے نفس اور خواہشاتِ دنیا کی محبت کا انجام

تن پرور کی مثال اور مسافرانِ آخرت کا طریقہ

مسافرانِ آخرت کی مثال

۱ ابتدا اور انتہا ۱۲ ۲ سواری ۱۲

کشتی میں اعلیٰ درجہ کی ہوادار اور فراخ جگہ منتخب کرکے وہاں بیٹھ گئے اور **بعض** جزیرہ کی خوشگوار ہوا کھانے اور خوش الحان پرندوں کی سُریلی آوازوں کے سُننے میں لگ گئے۔ سبز مخملی فرش اور رنگ برنگ کے پھول بوٹوں اور طرح طرح کے پتھروں، درختوں کی گلکاریوں میں مشغول ہوگئے مگر پھر جلدی ہوش آگیا اور فوراً کشتی کی جانب واپس ہوئے یہاں پہنچکر دیکھا کہ جگہ تنگ رہ گئی ہے اور پُربہار و فضا کی جگہوں پر اُن سے پہلے آجانیوالے لوگ بستر لگا چکے ہیں لہٰذا اس تنگ ہی جگہ میں تکلیف کیساتھ بیٹھ گئے۔ اور **چند لوگ** اس جزیرہ کی عارضی بہار پر ایسے فریفتہ ہوگئے کہ دریائی خوشنما سیپیوں اور پہاڑی خوشرنگ پتھروں کے چھوڑنے کو اُن کا دل ہی نہ چاہا پس ان کا بوجھ لاد کر انھوں نے اپنی کمر پر رکھا اور سمندر کے کنارہ پر پہنچے کہ کشتی پر سوار ہوں دیکھا کہ کشتی لبریز ہوچکی ہے کہ اسمیں اپنے بیٹھنے کی جگہ ہے اور نہ اس فضول بوجھ کے رکھنے کیلئے کوئی مکان ہے اب حیران ہیں کہ کیا کریں؟ ادھر تو بوجھ کے پھینکنے کو نفس گوارا نہیں کرتا اور ادھر اپنے بیٹھنے تک کو جگہ نہیں ملتی غرض قہر درویش بجانِ درویش۔ نہایت دقت کے ساتھ ایک نہایت تنگ جگہ میں گھس بیٹھے اور کنکروں پتھروں کے بارِ گراں کو اپنے سر پر لادلیا اب انکی حالت کا تم ہی اندازہ کرلو کہ کیا ہوگی۔ کمر الگ دُکھے گی۔ گردن جُدا ٹوٹے گی اور جس مصیبت و تکلیف کے ساتھ وقت کٹے گا اس کو اُن کا ہی دل خوب سمجھے گا۔ اور **بعض لوگ** جزیرہ کے دل افروز حُسن پر ایسے عاشق ہوئے کہ کشتی اور سمندر سب کو بھول گئے۔ پھول سونگھنے اور پھل کھانے میں مصروف ہوگئے اور کچھ خبر نہ رہی کہ کہاں جانا ہے اور یہاں رہ کر کن درندوں اور موذی جانوروں کی غذا بننا ہے۔ آخر جب سب کے بعد بادلِ ناخواستہ ساحل پر پہنچے تو کشتی میں نام کو بھی جگہ نظر نہ آئی۔ تھوڑی دیر بعد کشتی لنگر اُٹھا کر وہاں سے چلدی اور یہ لوگ کنارہ پر کھڑے حسرت بھری نظروں سے اپنے ہمراہیوں کو دیکھتے رہ گئے۔ آخر کار نتیجہ یہ ہوا کہ جزیرہ کے درندوں نے اُنکو پھاڑ ڈالا اور موذی جانوروں نے اُن کے نازک اور خوبصورت بدن کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا۔ یہی حال بعینہٖ دنیاداروں کا ہے۔ اب تم خود غور کرکے سمجھ لو کہ کن لوگوں پر کونسی مثال چسپاں ہوتی ہے۔

فصل۔ جو شخص اپنے نفس کی ماہیت سے واقف ہوگیا اور معرفت الٰہی حاصل کرلی اور جس نے دنیائے دنی کی حقیقت سمجھ لی وہ خوب سمجھ سکتا ہے کہ حق تعالیٰ کی محبت کے بغیر آخرت کی جاوید نعمتیں ہرگز نہیں مل سکتیں اور حق تعالیٰ کی محبت کیساتھ دنیا کی محبت کا جمع ہونا ایسا ہی ناممکن ہے جس طرح ایک برتن میں آگ اور پانی کا جمع ہونا ناممکن ہے اور جبتک انسان دُنیا سے مُنھ نہ پھیریگا کہ ان فانی تعلقات کو منقطع کرے اور بقدرِ ضرورت دُنیا پر قناعت کرکے باطمینان ہر لحظہ فکر و ذکر الٰہی میں مشغول ہوجائے اُس وقت تک حق تعالیٰ کی محبت پیدا نہ ہوگی۔ اگر تمھاری ایسی حالت ہوجائے اور نورِ بصیرت کے مشاہدہ سے یہ اسرار منکشف ہوجائیں تب تو کسی کے سمجھانے اور بتلانے کی حاجت ہی نہیں ورنہ شریعت کے تابع بنکر دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے دُنیا

کی کس قدر مذمت فرمائی ہے۔ تخمیناً تہائی قرآن اسی دلفریب سبزہ زار زہر ہلاہل کی برائیوں سے بھرا ہوا ہے۔
چنانچہ فرماتا ہے کہ "جنہوں نے سرکشی کی اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دی وہ جہنمی ہیں" رسول مقبول صلی اللہ علیہ
وسلم فرماتے ہیں کہ "تعجب ہے اُن بندوں پر جو عالم بقا کو سچا سمجھیں اور پھر اس ناپائدار پر فریفتہ ہوں" خوب
سمجھ لو کہ جو لوگ دُنیا کو مقصود سمجھ کر اس کے کمانے میں مشغول ہو جاتے ہیں وہ سدا پریشان رہتے ہیں کیونکہ اُنکی
طلب کبھی ختم نہیں ہوتی اور اُنکا فکر کبھی رفع نہیں ہوتا۔ اُن کی آرزو کبھی پوری نہیں ہو سکتی۔ اُن کا رنج و غم کبھی
دور نہیں ہو سکتا۔ حدیث میں آیا ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ابو ہریرہؓ کا ہاتھ پکڑا اور ایک
کوڑی پر لا کر کھڑا کیا جہاں مُردوں کی کھوپریاں اور نجاست و غلاظت کے ڈھیر اور بوسیدہ ہڈیاں اور تھیلے
پُرانے کپڑے پڑے ہوئے تھے۔ اور فرمایا کہ دیکھو ابو ہریرہ یہ ہے دنیا کی حقیقت۔ ایک وقت وہ تھا کہ ان کھوپریوں میں
بھی تمہاری طرح امیدیں اور آرزوئیں جوش مارتی اور حرص و ہوس سے لبریز تھیں اور آج کس بُرے حال میں کوڑی
پر پڑی ہیں کہ چند روز میں خاک ہو جائینگی اور ان کا پتہ نشان بھی نہ رہیگا اور دیکھو یہ غلاظت اور فضلہ جو تم کو نظر
آ رہا ہے وہی تمہاری غذا ہے جس کے پیٹ کے اندر بھرنے میں حلال اور حرام کا بھی امتیاز نہیں ہوتا۔ ایک دن تھا کہ
رنگ برنگ کے کھانے بنکر تمہارے پیٹ میں تھا اور آج یہاں کوڑی پر کس گندی حالت میں پڑا ہوا ہے کہ اسکی بُو
سے بھی لوگ بھاگتے اور گھنیاتے ہیں دیکھو یہی پُرانے چیتھڑے کسی وقت تمہارے چمک دمک والے لباس تھے۔
اور آج ان کو ہوائیں اِدھر اُدھر اُڑائے پھرتی ہیں اور کوئی پُرسانِ حال نہیں ہوتا اور دیکھو یہ ہڈیاں
کسی دن تمہاری سواری کے جانور اور مویشی تھے کہ جن پر جانیں دیتے اور قتل و قتال کیا کرتے تھے۔ اے ابو ہریرہؓ
یہ دنیا کی حقیقت ہے جس کا قابلِ عبرت انجام دنیا ہی میں ظاہر ہو گیا بس جس کو رونا ہو روئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام
پر ایک دن دنیا کی حقیقت منکشف ہوئی۔ اُنھوں نے دیکھا کہ ایک بدصورت بُڑھیا بناؤ سنگار کئے ہوئے زیور و پوشاک پہنے
بنی ٹھنی بیٹھی ہے۔ آپ نے پوچھا کہ اے بُڑھیا تو کتنے لوگوں سے نکاح کر چکی ہے۔ دُنیا نے جواب دیا کہ بیشمار آدمیوں سے آپ نے فرمایا
کہ اُن شوہروں کا انتقال ہو گیا یا تجھ کو طلاق دے بیٹھے؟ دنیا نے جواب دیا کہ طلاق دینے کی ہمت تو کس کو ہوتی ہے
میں نے سب کو مار ڈالا۔ یہ سُنکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تیرے موجودہ شوہروں پر افسوس ہے کہ انکو گذشتہ
شوہروں کی حالت پر عبرت نہیں ہوتی؟ مسلمانو! ہوشیار رہو اور سنبھلو دنیا بڑی بے وفا ہے اس سے بچو کہ
اس کا جادو ہاروت و ماروت کے سحر سے زیادہ اور جلد اثر کرتا ہے۔ اگر پُرانا نمک جَو کی روٹی کے ساتھ کھا کر
اور ٹاٹ پہنکر زندگی گذار دو گے تب بھی گذر جائیگی مگر آخرت کی فکر کرو کہ وہاں کی رتی برابر نعمت کا نہ ملنا بھی
بڑی تکلیف کا سبب ہے۔ **فصل** بعض لوگ دھوکہ کھاتے اور سمجھتے ہیں کہ ہمارا بدن کتنا ہی دنیا میں مصروف
ہے مگر ہمارا قلب دُنیا سے فارغ اور خالی رہتا ہے یاد رکھو کہ یہ شیطانی وسوسہ ہے بھلا کوئی شخص دریا میں گھسے اور پاؤں نہ بھیگیں

دنیا کی حقیقت اور اسکی بے نظیر مثال

... ہو اور دنیا سے ...

لہ زہر قاتل لا علاج ۱۲ عہ ابن ابی الدنیا مرسل ۱۲ سہ ابن ابی الدنیا مرسل ۱۲ کہ نجاست وغیرہ کی جو لبد غذا کے تحت خارج ہو ۱۲ شہ دو فرشتے ہیں

یہ کیسے ہو سکتا ہے اگر تم کو دنیا کی طلب ہو گی اور ضرورت سے زیادہ دنیا کمانیکی تدبیروں میں لگو گے تو ضروری بات ہے کہ پریشان رہو گے اور دین کو ہاتھ سے کھو بیٹھو گے یہ بھی یاد رکھو کہ دنیا کی یہ طلب کبھی ختم نہ ہو گی اور اسکی حرص ہمیشہ بڑھتی ہی رہیگی کیونکہ دنیا کی مثال سمندر کے کھاری پانی کی سی ہے کہ جتنا پیو گے اُسی قدر پیاس زیادہ لگی گی بھلا جو چیز ایک دن تم سے چھوٹ جانیوالی ہے اُسمیں مصروف ہونا اگر اپنے رنج کا سامان کرنا نہیں ہے تو اور کیا ہے دنیا کی مثال سانپ کی سی ہے کہ چھونے میں نہایت نرم ہے مگر منھ میں قاتل و مہلک زہر لئے ہوئے ہے۔ اس بیوفا کی مفارقت یقینی ہے لہذا اسکے ہاتھ آجانے پر خوش ہونا اور ہاتھ نہ آنے پر رنج و ملال کرنا دونوں فضول ہیں۔ دنیا کے زر و مال کو اپنے اطمینان کا ذریعہ سمجھنا بڑی حماقت ہے جہاں ہمیشہ رہنا نہیں وہاں اطمینان کیسا؟ دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے کسی مہمان نواز نے اپنا مکان آراستہ کیا اور شیشہ و آلات سے سجا کر مہمانوں کو بلایا اور اُن کو اُس میں بٹھا کر عطر اور خوشبو اور پھولوں سے بھرا ہوا طباق اُنکے سامنے رکھدیا ظاہر ہے کہ صاحبِ مکان کا مطلب اس سے یہ ہے کہ طباق میں رکھے ہوئے پھولوں کو سونگھو اور پاس والوں کے آگے سرکا دو کہ وہ اسی طرح نفع اُٹھائیں اور بخوشی خاطر برابر والوں کے سامنے کر دیں یہ مطلب نہیں ہے کہ سارے طباق پر تم ہی قبضہ کر بیٹھو پس اگر کوئی شخص آدابِ مجلس سے واقف نہ ہو اور طباق کو اپنا نذرانہ سمجھکر اپنی بغل میں دبائے تو اُسکی حماقت پر تمام حضارِ مجلس ہنسیں گے اور اُسکا مذاق اُڑائیں گے اور اسکے بعد یہ نتیجہ ہو گا کہ مالکِ مکان زبردستی اس سے طباق چھین کر دوسروں کے سامنے رکھدیگا تم ہی سوچو کہ اُسوقت اُس کو کیسی ندامت ہو گی۔ اسی طرح دنیا حق تعالیٰ کی میزبانی کی جگہ ہے اس سے حق تعالیٰ کا یہ مقصود ہے کہ مسافرانِ آخرت آئیں اور بقدرِ ضرورت اس طرح نفع اُٹھائیں جس طرح مستعار چیزوں سے نفع اُٹھاتے اور اپنی حاجتیں رفع کیا کرتے ہیں اس کے بعد بخوشی خاطر اسکو دوسروں کے حوالہ کر کے اپنا راستہ لیں اور آخرت میں آپہنچیں پس مستعار چیز سے دل کا لگانا حقیقت میں چلتے وقت اپنے آپکو شرمندہ اور رنجیدہ بنانا ہے۔

آٹھویں اصل نخوت و تکبر کا بیان

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ "تکبر[1] کرنیوالے کا بہت بُرا ٹھکانا ہے۔ کبریائی خاص میری چادر ہے پس جو شخص بھی اس میں شریک ہونا چاہیگا میں اُسکو قتل کر دونگا"[2] رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[3] "جسکے قلب میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر ہو گا وہ جنت میں نہ جائیگا" جو لوگ باوجود صاحبِ عزت و مال ہونیکے تواضع کرتے اور عاجزی و انکساری کیساتھ لوگوں سے ملتے ہیں اُنکو مبارک ہو کہ اُنکے بڑے درجے ہیں اُن کی دنیا میں بھی عزت بڑھتی ہے اور آخرت میں بھی۔ تکبر کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنے آپکو صفاتِ کمالیہ میں دوسروں سے زیادہ سمجھے اور ظاہر ہے کہ جب انسان کو اپنے متعلق ایسا خیال ہوتا ہے تو نفس پھول جاتا ہے اور پھر اس کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں مثلاً راستہ میں چلتے وقت دوسروں سے آگے قدم رکھنا۔ مجلس میں صدر مقام یا عزت کی جگہ بیٹھنا دوسروں کو نظرِ حقارت

---

[1] غافر ۷۶ [2] حاکم۔ صحیح ۱۲ [3] حاکم و احمد ۱۲ +

سے دیکھنا یا اگر کوئی سلام کرنے میں پیش قدمی نہ کرے تو اُس پر غصہ ہونا۔ کوئی اگر تعظیم نہ کرے تو ناراض ہونا کوئی اگر نصیحت کرے، تو ناک بھوں چڑھانا۔ حق بات معلوم ہوئے پیچھے بھی اس کو نہ ماننا اور عوام الناس کو ایسی نگاہ سے دیکھنا جس طرح گدھوں کو دیکھتے ہیں نعوذ باللہ منہا۔ چونکہ تکبر بڑی بڑی خباثتوں کا مجموعہ ہے اسلئے جہنم کا پورا ذخیرہ ہے **اوّل** کبریائی کہ وہ حق تعالیٰ ہی کیلئے مخصوص اور اُسی کی شان کو زیبا ہے۔ پس انسان ضعیف البنیان جسکو دوسرے کا اختیار تو درکنار اپنے ہی نفس کا اختیار نہیں ہے۔ اس صفتِ آلٰہی میں ساجھی ہونے کی کس طرح جرأت کر سکتا ہے اور چونکہ متکبر شخص باوجود اس ذلّت وضعف کے حق تعالیٰ کی مشارکت چاہتا اور اس صفتِ کمالیہ میں اسکے ساتھ منازعت کرتا ہے اسلئے پرلے درجہ کا احمق اور خبیث النفس سمجھا جائیگا۔ **دوم** تکبر کے سبب حق بات کے انکار کی نوبت آتی ہے جس سے دینی سعادت کا دروازہ بند ہو جاتا ہے اور متکبر اللہ کی مخلوق کو بہ نظرِ حقارت دیکھنے لگتا ہے اور یہ بات حق تعالیٰ کو بہت ناگوار ہے۔ کان لگا کر سُنو! ایک بزرگ کی نصیحت ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رضامندی کو اپنی طاعت میں چھپا رکھا ہے۔ لہٰذا کسی عبادت کو کتنی ہی چھوٹی کیوں نہ ہو حقیر نہ سمجھو۔ کیا خبر ہے کہ اسکی رضامندی اسمیں چھپی ہوئی ہو اور اسی طرح حق تعالیٰ نے اپنی ناراضی اور غصہ کو معصیت میں چھپا دیا ہے پس کسی معصیت کو کیسی ہی ذرا سی کیوں نہ ہو کبھی معمولی نہ سمجھو۔ کیا خبر ہے شاید اسی میں اس کی ناراضگی و غصہ چھپا ہوا ہو۔ اسی طرح اپنی ولایت و قرب کو اپنے بندوں میں مخفی رکھا ہے۔ لہٰذا کسی بندہ کو کیسا ہی گنہگار کیوں نہ ہو کبھی حقیر نہ سمجھو کیا خبر ہے کہ شاید یہی بندہ خدا کا ولی ہو۔ جس کا ظہور اس کے انتقال کے وقت دفعۃً ہو جائے۔ **سوم** تکبر نفس کو کوئی پسندیدہ صفت حاصل نہیں کرنے دیتا۔ تکبر کرنے والا شخص تواضع سے محروم رہتا ہے۔ حسد اور غصہ کے دُور کرنے پر قادر نہیں ہوتا۔ ریاکاری کا ترک اور نرمی کا برتاؤ اس کو دشوار ہوتا ہے۔ کسی مسلمان بھائی کی خیرخواہی اس سے ہو نہیں سکتی۔ غرض اپنی عظمت اور بڑائی کے غرّہ میں مست اور بہمہ صفت موصوف ہونے کے خیالِ باطل میں ناصح کی نصیحت سے مستغنی اور نفسِ امارہ کی اصلاح سے بالکل محروم رہتا ہے اور چونکہ جب تک یہ بدخصلت دفع نہ ہو جاوے آئندہ بھی اسکے اصلاح کی توقع نظر نہیں آتی لہٰذا اس کے علاج میں جلدی کرنی چاہیئے اول تو یہی سوچنا چاہیئے کہ ہماری حقیقت اور اصلیت کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ ابتدا تو نجس اور ناپاک منی کا قطرہ ہے اور انتہا مُردار بو اور کیڑے مکوڑوں کی غذا۔ اب رہی متوسط حالت کہ جس کا نام زندگی اور حیاتِ دنیا ہے سو اسکی حالت یہ ہے کہ منوں نجاست پیٹ میں بھری ہوئی ہے حق تعالیٰ کے ارشاد قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ[1] الخ کے معنی سمجھو کہ انسان معدوم محض شے تھا اور اس قابل ہی نہ تھا کہ ذکر و بیان میں آسکے۔ اس کے بعد مٹی بنا اور پھر نطفہ ہوا پھر مضغۂ گوشت بنا نہ کان تھے نہ آنکھ اور نہ حیات تھی نہ طاقت۔ اسکے بعد حق تعالیٰ نے سب کچھ دیدیا مگر اس پر بھی بیسیوں امراض کا ہر وقت نشانہ بنا ہوا ہے کہ بھوک و پیاس کا محتاج جُدا ہے اور ذرا سی

[1] مارا جائیو وہ انسان کس قدر ناشکرا ہے ۱۲ [2] ہم اس سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں ۱۲

تکلیف میں بیکار ہو کر بیٹھ جاتا ہے۔ کسی شے کا علم چاہتا ہے مگر نہیں ہو سکتا نفع حاصل کرنا چاہتا ہے مگر نقصان ہو جاتا ہے۔ کوئی لحظہ موت سے امن نہیں خدا جانے کس وقت۔ بیمار ہو جائے کس وقت عقل چھن جائے کس وقت کوئی عضو بیکار ہو جائے اور کس وقت روح پرواز کر جائے پھر انجام کار موت کا شکار اور اسکے بعد تنگ و تاریک گھاٹیوں کا سامنا ہوتا ہے۔ حساب کتاب حشر و نشر پیش آنے ہیں۔ جنت دوزخ میں دائمی زندگی کا فیصلہ اور شاہنشاہی فرمان کا صادر ہونا۔ بھلا تمھیں بتاؤ کہ ایسے گرفتارِ مصیبت اور ذلیل و ناکارہ غلام کو زبردست قدرت والے جبار و قہار شاہنشاہ کی ہمسری کا خیال کیونکر زیبا ہو سکتا ہے؟ جس شخص کی یہ حالت ہو کہ اگر نجاست اس کے ہاتھ کو لگے تو دو دو مرتبہ دھوئے اور پھر اسی نجاست کو ہر وقت پیٹ میں لئے پھرے۔ اس کو تکبر کرنا کسی طرح بھی زیب نہیں دیتا۔

عموماً چار باتوں میں انسان کو تکبر ہوتا ہے۔ علم۔ تقویٰ۔ حسب و نسب اور مال و جمال۔ اور چونکہ ہر ایک کا علاج علیحدہ ہے لہٰذا ہم ہر مضمون کو مفصل جدا جدا بیان کرتے ہیں۔

اوّل علم۔ علماء تکبر سے بہت کم خالی ہوتے ہیں کیونکہ علم کے برابر کسی چیز کی فضیلت نہیں ہے لہٰذا اسکو حاصل کر کے دو خیال پیدا ہو جاتے ہیں۔ **اوّل** یہ کہ ہماری برابر اللہ کے یہاں دوسروں کا رتبہ نہیں ہے۔ **دوم** یہ کہ لوگوں پر ہماری تعظیم واجب اور ضروری ہے۔ پس اگر لوگ تواضع کے ساتھ نہ پیش آویں تو اُن کو تعجب ہوا کرتا ہے۔ پہلا تکبر دینی تکبر ہے اور دوسرا تکبر دنیوی ہے۔ ایسے عالم کو جاہل کہنا چاہیئے کیونکہ علم کا منشا تو یہ تھا کہ انسان اپنے شر نفس کی حقیقت اور پروردگار جل جلالہ کی عظمت کو معلوم کرتا اور سمجھتا کہ اعتبار خاتمہ کا ہے اور اس کا حال کسی کو معلوم نہیں پس جو شخص اپنے آپکو قابل عظمت سمجھے ہوئے ہو تو گویا وہ اپنی اصلیت سے ناواقف اور خاتمہ کے اندیشہ سے بیخوف ہے اور یہ بڑی معصیت ہے کیونکہ جاہل شخص اگر کسی گناہ کے ارتکاب میں اپنی ناواقفیت کی وجہ سے معذور سمجھا جائے تو کچھ عجب نہیں مگر عالم چونکہ جان بوجھ کر معصیت کر رہا ہے اسلئے وہ معذور نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ سب جانتے ہیں کہ قانون داں شخص کا جرم عام لوگوں کے جرم سے بڑھا ہوا ہوتا ہے پس تعجب ہے کہ عالم ہو کر جاہل بن گیا اور باوجود اسکے اپنی جہالت سے بے خبر ہے اسی کا نام جہل مرکب ہے۔ یاد رکھو کہ جس علم سے تکبر پیدا ہو وہ علم جہل سے بھی بدتر ہے۔ کیونکہ حقیقی علم انسان کو جتنا بھی زیادہ حاصل ہوگا اُسی قدر اُس کا خوف اور خشیۃ بڑھے گا۔ حق تعالیٰ نے تو اپنے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم فرمایا ہے کہ اپنے متبع مسلمانوں کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "ایسے لوگ بھی پیدا ہونگے جو قرآن پڑھیں گے مگر وہ اُن کی زبانوں ہی پر رہیگا نہ کہ حلق سے نیچے اُترے گا اور نہ قلب تک اُس کا اثر پہنچے گا۔ لوگوں سے کہیں گے کہ ہم قاری ہیں، ہم عالم ہیں۔ ہماری برابر دوسرا نہیں۔ سُن لو کہ یہ لوگ دوزخ کا ایندھن ہونگے" سلف صالحین کے حالات دیکھو۔ ایکمرتبہ حضرت حذیفہ رضی نماز میں امام بنے اور سلام پھیر کر کہنے لگے

کہ "صاحبو! اپنے لئے کوئی دوسرا امام تلاش کر لو یا علیحدہ علیحدہ نماز پڑھ لیا کرو میں امامت کے لائق نہیں ہوں۔ کیونکہ اس وقت میرے نفس میں یہ خطرہ آیا کہ چونکہ میری برابر ساری جماعت میں کوئی شخص نہ تھا لہٰذا مجکو امام تجویز کیا گیا"۔ یاد رکھو کتنا ہی بڑا عالم کیوں نہ ہو یہ ضرور نہیں ہے کہ اسکا خاتمہ بخیر ہی ہو جائے اور کیسا ہی جاہل کیوں نہ ہو یہ یقین نہیں ہے کہ اسکا انجام بخیر نہ ہو اور بُری حالت میں مرے جب عالم ہو کر اتنا سمجھتے ہو تو پھر تکبر کس بنا پر کرتے ہو؟ کیا علم پر عمل کرنا تم پر فرض نہیں ہے۔؟ حدیث میں آتا ہے کہ قیامت کے دن عالم لایا جائیگا اور جہنم میں ڈالدیا جائیگا اسکی آنتیں اُس کے گرد اس طرح گھومتی ہونگی جس طرح چکی کے گرد گدھا گھومتا ہے یا کولھو کا بیل چکر لگاتا ہے۔ لوگ تعجب کیساتھ پوچھیں گے کہ "آپ یہاں کیسے آئے"؟ وہ کہے گا کہ "میں اپنے علم پر عمل نہ کرتا تھا دوسروں کو نصیحت کیا کرتا تھا مگر اپنی خبر نہ لیتا تھا"۔ اللّٰھم[1] احفظنا منہ۔ دیکھو حق تعالیٰ نے بلعم[2] باعور کو جو بڑا زبردست عالم[3] تھا اُس "کُتے" کی مثل فرمایا ہے جو زبان باہر نکالدے۔ اور علمائے یہود کو گدھا فرمایا ہے جس پر کتابیں لدی ہوئی ہیں اور یہ اسی لئے کہ وہ شہواتِ نفسانی میں گرفتار تھے "تکبر" کرتے اور اپنے آپکو بڑا سمجھتے تھے۔ دوسروں کو نصیحت کرتے تھے اور خود غافل تھے۔ پس ان واقعات اور احادیث میں خود غور کرو گے تو "تکبر" جاتا رہیگا۔ اور اگر اس پر بھی نہ جائے تو سمجھو کہ یہ بے فائدہ علوم یعنی منطق و فلسفہ اور مناظرہ وغیرہ کے پڑھنے پڑھانے میں مشغول رہنے کا ثمرہ ہے اور یا اپنی خباثتِ باطنی کا اثر ہے کہ اسکی وجہ سے دوا نفع نہیں دیتی بلکہ اُلٹا ضرر بڑھاتی ہے پس ان کے اثر کو کم کرنیکی کوشش کرو۔ دوسرا "تکبر" کا سبب تقویٰ اور زہد ہے چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ عابد بھی اکثر تکبر کرنے لگتا ہے اور بعض کی تو یہانتک حالت ہو جاتی ہے کہ لوگوں کو ایذا پہنچانے کو اپنی کرامت سمجھنے لگتے ہیں مثلاً اگر کسی شخص سے ان کو ایذا پہنچے تو جھلا کر کہتے ہیں کہ دیکھتے رہو اللہ تعالیٰ اس کو کیسی سزا دیتا ہے اُس نے ہم پر ظلم تو کیا ہے مگر عنقریب سزا بھی ایسی ملے گی کہ یاد ہی تو رکھے گا" اس کے بعد اگر تقدیر سے وہ شخص بیمار پڑ گیا یا مر گیا تو اپنے دعوے کا ثبوت بھی پیش کرتے اور خوش ہو کر کہتے ہیں کہ "دیکھا اللہ کے بغیر بندوں کو ایذا دینے کا کیسا نتیجہ پایا۔؟ اس احمق سے کوئی پوچھے کہ کافروں نے انبیاء علیہم السّلام کو ہزارہا ایذائیں پہنچائیں مگر کسی نے بھی انتقام کا فکر نہیں کیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ ایذا دینے والے کفار مشرف بایمان ہو گئے اور دُنیا و آخرت کی بہبودی سے دامنوں کو بھر لیا اگر حضرات انبیا علیہم السّلام اپنے دشمنوں سے انتقام لیتے یا اُنکا مرجانا چاہتے تو بھلا خدا کی مخلوق کیونکر ہدایت پاتی؟ کیا کوئی عابد ولی کسی نبی سے بڑھ سکتا ہے استغفر اللہ۔ عابد کو تو ہر شخص کے سامنے تواضع کرنی چاہیئے۔ مثلاً کسی عالم گنہگار کو دیکھے تو اسکے سامنے علم کی وجہ سے جھک جائے اور اس کے گناہ کا خیال نہ کرے۔ کیونکہ علم کی بڑی فضیلت ہے اور جاہل فاسق کو دیکھے تو یوں سمجھے کہ کیا خبر ہے شاید اسکی باطنی حالت مجھ سے بدرجہا بہتر ہو اور اس میں کوئی ایسی محمود صفت ہو جو اسکے ظاہری گناہوں کو چھپا لے اور میرے اندر کوئی ایسی خباثت ہو جس کے باعث میری ظاہری عبادتیں بھی حبط ہو جاویں۔

تقویٰ سے تکبر پیدا ہونیکا علاج۔

[1] اے اللہ ہم کو اس سے محفوظ رکھو ۱۲ [2] حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے زمانہ کا ایک عالم ۱۲ [3] ساقط ۱۲

سو حق تعالیٰ تو قلوب کو دیکھتا ہے صورت کو نہیں دیکھتا۔ اور کسی کے قلب کا حال سوائے علام الغیب کے دوسرے کو معلوم نہیں پھر تکبر کیسا؟ علاوہ اس کے یہ کہ خود تکبر بھی تو ایک باطنی خباثت ہی ہے پس اپنی حالت کا بدتر ہونا تو خود ظاہر ہو گیا کہ اپنے اندر تکبر موجود ہے اور وہ شخص جو فاسق نظر آرہا ہے تکبر سے خالی ہے۔ بنی اسرائیل میں ایک فاسق شخص ایک مرتبہ ایک عابد کے پاس اس نیت سے آبیٹھا کہ حق تعالیٰ اس کی برکت سے مجھ پر رحم فرماویگا اس کو پاس بیٹھا دیکھکر عابد اپنے دل میں کہنے لگا کہ مجھے اس سے نسبت کیا کہاں یہ اور کہاں میں اسکے بعد اس سے کہا کہ جاؤ دور ہو۔ اسی وقت اس زمانہ کے پیغمبر پر وحی نازل ہوئی کہ ان دونوں سے کہدو کہ از سر نو عمل کریں کہ پہلا کیا کرایا برا تھا یا بھلا دونوں کا حبط کر دیا گیا کہ فاسق کے گناہ محو ہو گئے اور عابد کی نیکیاں مٹ گئیں اب آئندہ جیسا کرینگے ویسا بھرینگے۔ اسی طرح ایک گستاخ شخص ایک عابد کی گردن پر سجدہ کی حالت میں آسوار ہوا عابد نے غصہ ہو کر کہا دفع ہو اللہ تیری کبھی مغفرت نہ کریگا۔" اسی وقت وحی نازل ہوئی کہ "بلکہ اے متکبر تیری مغفرت کبھی نہ ہوگی۔ کیا میری مغفرت تیرے ہاتھ میں ہے، کہ قسم کھاکر خشکی کیساتھ ہمارے ایک بندہ کو ایسے ناامید بناتا ہے۔" حضرت عطا سلمیؒ باوجود نہایت درجہ متقی اور عابد و زاہد ہونیکے جب کبھی تیز ہوا چلتی یا بادل گرجتا تو یوں فرمایا کرتے تھے کہ "مجھ بد نصیب کی وجہ سے لوگوں پر مصیبت نازل ہوتی ہے پس اگر عطا مر جائے تو ان مصیبتوں سے لوگوں کو خلاصی مل جائے۔" دیکھو اس اخلاص اور کثرتِ عبادت پر ان کو کس قدر تواضع اور خدا کا خوف تھا اور اس زمانہ میں تو یہ حالت ہے کہ دو چار ظاہری اعمال پر نازاں ہوتے اور حق تعالیٰ پر احسان جتاتے اور اس کی حکومت و سلطنت جبروتی کی باگ اپنے ہاتھ میں لینی چاہتے ہیں کہ کسی کو ماریں کسی کو جلائیں حالانکہ ان عبادتوں میں ریا[1] و سمع کا احتمال جدا ہے اور انجام و خاتمہ کا خطرہ الگ۔

تیسرا سبب۔ نسب ہے کہ اپنے آپکو شریف اور عالی خاندان سمجھ کر تکبر کرتے ہیں۔ اس کا علاج یہ ہے کہ اپنے نسب میں غور کرو کہ وہ کیا چیز ہے ظاہر ہے کہ ہر شخص کا نسب اسکے باپ کا ناپاک نطفہ اور ذلیل مٹی ہی تو ہے کہ ہر شخص اسی سے پیدا ہوا ہے۔ پس دوسروں کے خصائل اور خیر ول یعنی باپ دادا کی خوبیوں پر ناز کرنا بھی غلطی کی بات ہے اگر آباؤ اجداد کو گویائی مرحمت ہو تو یقیناً وہ یہی کہیں کہ "صاحبزادہ دوسروں کے محاسن پر فخر کرنیوالا تو کون؟ تو تو ان کے پیشاب کا کیڑا ہی ہے جنھوں نے قابلِ فخر کام کئے تھے۔ پس پیشاب کے کیڑے اور ناپاک نطفہ کو تو اپنی اصلیت دیکھنی چاہیے نہ کہ آبا و اجداد کے قابلِ تعریف اور بہادرانہ کام کہ میرا باپ ایسا بہادر تھا اور دادا ایسے سخی تھے پھر اگر دنیا داروں کے نسب پر تکبر اور فخر کیا جاتا ہے تو حماقت کا کچھ ٹھکانا ہی نہیں کیا خبر ہے کہ وہ نسب والے کہاں گئے؟ ممکن ہے کہ جہنم کا کوئلہ بن گئے ہوں اور آرزو کرتے ہوں کہ کاش کتے اور سور پیدا ہوتے تاکہ اس مصیبت سے نجات ملتی۔ پس انکی حالت تو ایسی اندیشہ ناک اور انکے صاحبزادے دنیا میں انکی اولاد ہونے پر ناز کریں اور اگر دیندار ہوتے

حسب و نسب پر تکبر کا علاج

[1] دکھلاوا اور سنانا ۱۲

نسب پر فخر و ناز ہو کہ ہم ایسے شیخ اور ولی کی اولاد میں ہیں تو اس تکبر میں دوسری حماقت ہے کیونکہ اُن کو جو کچھ عزت و شرف حاصل ہوا تھا وہ اُن کی دینداری اور تواضع کی بدولت ہوا تھا سو جب وہ اپنی دینداری پر خود ہی متکبر نہ تھے تو اُن کی اولاد کس عزت و شرافت پر تکبر کرتی اور انکی ناخلف اولاد قرار پاتی ہے۔ دیندار آباؤ اجداد کا تو یہ حال تھا کہ وہ بعض وقت انجام و خاتمہ کے خوف سے لرز اُٹھتے اور تمنائیں کیا کرتے تھے کہ کاش گھاس ہوتے کہ کوئی جانور چر لیتا۔ کاش پرند ہوتے کہ کوئی شکاری جانور یا انسان کھا لیتا۔ بھلا جنکو علم و عمل دونوں حاصل تھے وہ تو تکبر سے کوسوں بھاگتے تھے اور تم باوجودیکہ دونوں صفتوں سے بے بہرہ ہو محض اُن کی اولاد ہو کر نسب پر فخر کرتے اور متکبر بنے جاتے ہو۔ **چوتھا سبب** مال و جمال ہے کہ آدمی زیادہ مالدار یا حسین ہونے پر فخر کرتا ہے۔ سو ان چیزوں پر بھی تکبر کرنا حماقت ہے۔ بھلا مال جیسی ناپائدار چیز کہ ڈاکہ پڑ جائے یا کوئی نجل ہو جائے تو سب جاتا رہے اور اسی طرح جمال جیسی عارضی چیز کہ مہینے بھر بخار آئے تو سارا حسن و جمال خاک میں مل جائے۔ اور چیچک نکل آئے تو صورت کا روپ ہی بدل جائے فخر کے قابل کس طرح ہو سکتے ہیں۔ حسین صورت اگر اپنی اندرونی نجاستوں میں غور کرے تو اپنے ظاہری جمال پر کبھی فخر نہ کرے۔ یاد رکھو کہ جس حسن و جمال کو بناوٹ اور آرائش کی حاجت ہے وہ ہرگز فخر کے قابل نہیں ہے اگر ہر ہفتہ غسل نہ کیا جائے تو دیکھ لو بدن کے رنگ اور بو کا کیا حال ہوتا ہے۔ میل کچیل۔ سنک۔ تھوک۔ بول و براز جیسی نجاستوں سے سارا بدن بھرا ہوا ہے۔ پھر بھلا نجاست کے ڈھیر اور غلاظت کی کوٹھڑی کو کیا زیبا ہے کہ اپنے آپکو صاحب جمال سمجھے اور اس پر نازاں اور متکبر ہو۔

نویں اصل خود پسندی کا بیان

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ "اپنے نفس کو پاک صاف اور اچھا نہ سمجھا کرو" یہ کافروں کی شان ہے کہ اپنے اعمال اور اپنے آپکو اچھا سمجھیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ خود پسندی تباہ کر دیتی ہے کیونکہ آدمی جب اپنے آپکو نیکوکار سمجھنے لگتا ہے تو مطمئن ہو جاتا اور سعادت اُخروی سے محروم ہو جاتا ہے۔ حضرت بشر ابن منصورؒ نے ایک مرتبہ نماز پڑھی اور دیر تک پڑھی اتفاق سے ایک شخص اُن کو دیکھ رہا تھا چونکہ خود پسندی کے احتمال کا موقع تھا اس لئے نماز سے فارغ ہو کر فرمانے لگے کہ میاں میری اس حالت سے دھوکہ نہ کھائیو شیطان نے چار ہزار برس اللہ کی عبادت کی۔ مگر انجام اس کا جو ہوا وہ سب کو معلوم ہے" غرض مسلمان کی شان نہیں ہے کہ اپنی عبادت اور طاعت کو طاعت سمجھے۔ کیونکہ اول تو قبولیت کا علم نہیں جس سے معلوم ہو کہ عبادت واقع میں عبادت ہوئی یا یوں ہی بیکار گئی۔ دوم یہ کہ اعتبار خاتمہ کا ہے اور خاتمہ کا حال کوئی جانتا نہیں کہ کس حال پر ہوتا ہے۔ خود پسندی بھی تکبر کی ایک شاخ ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ تکبر میں دوسرے لوگوں سے اپنے نفس کو بڑا سمجھا جاتا ہے اور خود پسندی میں دوسرے لوگوں کی ضرورت نہیں بلکہ اپنے نفس کو اپنے خیال میں کامل سمجھ لینا اور حق تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو اپنا حق خیال کرنا یعنی انکو اللہ کا فضل و

مال اور جمال پر تکبر اور اس کا علاج

خود پسندی کی مذمت

تکبر اور خود پسندی کا فرق

کرم نہ سمجھنا اور اُن کے زوال سے بے خوف ہو جانا خود پسندی و عُجب کہلاتا ہے۔ اور اگر یہاں تک نوبت پہنچ جائے کہ حق تعالیٰ کے نزدیک اپنے آپکو ذی مرتبہ اور باوقعت سمجھنے لگے تو یہ ناز کہلاتا ہے۔ اور اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اپنی دعا کے قبول نہ ہونے سے تعجب اور اپنے موذی دشمن کو سزا و عذاب نہ ملنے سے حیرت ہوتی ہے کہ "ہم جیسوں کی دعا قبول نہ ہو اور ہمارے دشمن پامال نہ ہوں"۔ یاد رکھو کہ اپنی عبادت پر نازاں ہونا اور اپنے آپکو مقبولِ خدا اور کسی قابل سمجھنا بڑی حماقت ہے۔ البتہ اگر اللہ کی نعمت پر خوش ہو اور اُسکے چھن جانیکا بھی خوف دامن گیر رکھو اور اتنا ہی سمجھو کہ یہ نعمت حق تعالیٰ نے فلاں علم یا عمل کے سبب مجھ کو مرحمت فرمادی ہے اور وہ مالک و مختار ہے۔ جس وقت چاہے اُس کو مجھ سے لیلے تو خود پسندی نہیں ہے کیونکہ خود پسند شخص نعمت کا منعمِ حقیقی کی جانب منسوب کرنا ہی بھول جاتا ہے اور جملہ نعمتوں کو اپنا حق سمجھنے لگتا ہے۔

ناز کی علامت

خود پسندی بڑی جہالت ہے لہذا اس کا علاج کرنا چاہئے۔ پس اگر غیر اختیاری خوبیوں مثلاً قوت و زور یا حسن و جمال پر عُجب ہو تب تو یوں سوچو کہ ان چیزوں کے حاصل ہونے میں میرا دخل ہی کیا ہے کہ ناز کروں۔ حق تعالیٰ کا محض فضل و احسان ہے کہ اُس نے بلا استحقاق یہ خوبیاں مجھ کو عطا فرمادیں علاوہ ازیں ظاہر ہے کہ یہ سب خوبیاں معرضِ زوال میں ہیں کہ ذرا سی بیماری و ضعف لاحق ہوا تو سب جاتی رہینگی پس دوسرے کے ناپائدار عطیہ پر عُجب کیسا اور اگر علم و عمل یا زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت یعنی اختیاری افعال پر ناز ہو تو اسمیں غور کرو کہ یہ کمالات اور محاسن کیونکر حاصل ہوئے؟ اگر حق تعالےٰ ذہن رسا اور طاقت و ہمت و دماغ و بینائی ہاتھ پاؤں قصد و ارادہ مرحمت نہ فرماتا تو کوئی کمال کیونکر حاصل ہوتا اُسی کا حکم تھا کہ کوئی مانع پیش نہیں آیا ورنہ میں مجبور تھا کہ خود کچھ بھی نہ کرسکتا تھا۔ یہ ضرور مسلّم ہے کہ انسان کو اختیار و ارادہ دیا گیا ہے جس سے وہ اچھے یا بُرے کام کرتا ہے مگر اختیار و ارادہ کی عطا بھی تو اُسی خدا کی ہے اور پھر تمام اسباب کا مہیا کردینا اور کامیابی دینا غرض ابتدا سے لیکر انتہا تک سب کچھ خدا ہی کے اختیار میں ہے پس ایسی حالت میں ناز کرنا کیونکر صحیح ہوسکتا ہے۔ اگر خزانہ کی کنجی بادشاہ کے ہاتھ میں ہو اور وہ خزانہ کھولکر تمہارے سپرد کردے اور تم اُسمیں سے جواہرات اپنی خواہش کے موافق اپنی گود میں بھرلو اور پھر ناز کرنے لگو کہ میں نے اتنا روپیہ حاصل کیا تو ظاہر بات ہے کہ احمق سمجھے جاؤگے۔ کیونکہ اگرچہ جواہرات کے سمیٹنے والے تم تھے مگر خزانہ تو شاہی تھا۔ اور کنجی تو بادشاہ ہی کے ہاتھ میں تھی اس نے تم پر اپنا احسان کیا اسی نے کنجی عطا فرمائی اور اسی کی اجازت سے تم خزانہ کی کوٹھڑی میں داخل ہوئے پھر اتنی بے اختیاری پر تم کو اپنے فعل پر ناز اور خود پسندی کیونکر درست ہوسکتی ہے

غیر اختیاری خوبیوں پر عجب کا علاج۔

عبادات و علم جیسی اختیاری خوبیوں پر ناز کا علاج۔

فصل تعجب تو اس پر آتا ہے کہ عاقل و سمجھدار اور پڑھے لکھے ہوشیار لوگ اس موقع پر جاہل بنجاتے اور اپنی عقل و علم پر ناز کرنے لگتے ہیں اگر کسی جاہل یا بے وقوف کو تونگر پاتے ہیں تو تعجب کرتے ہیں کہ ایسا کیوں ہوا؟

ہم تو عالم و عاقل ہو کر مال سے محروم رہیں اور یہ جاہل و نادان ہو کر مالدار و متمول بنجائے؟ بھلا کوئی پوچھے علم و عقل تم کو نصیب ہوا اور جاہل اس نعمت سے محروم رہا۔ ایسا کیوں ہوا؟ کیا ایک نعمت کو دوسری نعمت کا سبب سمجھ کر اس پر اپنا استحقاق جتلاتے ہو؟ اگر علم اور مال دونوں چیزیں تم ہی کو دیدی جاتی اور جاہل فقیر دونوں سے محروم رہتا تو یہ بات درحقیقت زیادہ تعجب کی تھی کہ مخلوق میں ایک کو تو سب کچھ ملگیا اور دوسرے کو کچھ بھی نہ ملا۔ بھلا کوئی بادشاہ تم کو گھوڑا مرحمت فرمادے اور دوسرے شخص کو غلام دیدے تو کیا یوں کہنے کی تم کو ہمت ہے کہ واہ صاحب اسکو غلام کیوں دیا گیا اسکے پاس گھوڑا تو ہے ہی نہیں اور میں چونکہ گھوڑا رکھتا ہوں لہذا غلام بھی مجھی کو ملنا چاہئے تھا ایسا خیال کرنا بڑی بے وقوفی اور جہالت کی بات ہے عقلمندی کی بات یہی ہے کہ عطائے خداوندی پر شکر ادا کرو اور سمجھ لو کہ حق تعالیٰ کا بڑا کرم ہے کہ اُسنے ابتداءً بلا استحقاق مجھ پر کرم فرمایا اور عقل و علم جیسی نعمت بخشی جسکے مقابلہ پر مال کی کوئی حقیقت ہی نہیں اور پھر شکر گذاری و عبادت کی توفیق مرحمت فرمائی اور دوسروں کو اس سے محروم رکھا حالانکہ یہ محرومی بھی کسی جرم سابق کی سزا یا قصور کا بدلہ نہیں ہے پس جب ایسا خیال کروگے تو خوف الٰہی پیدا ہوگا۔ اور سمجھوگے کہ جس نے بلا استحقاق انعام فرمایا ہے وہ اگر بلا قصور اس نعمت کو چھین بھی لے تو کوئی چون و چرا نہیں کرسکتا اور کیا عجب ہے کہ یہ نعمت مکر اور استدراج ہو اور وبال جان اور عذاب کا سبب بنجائے۔ کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ "ہم نے ان پر ہر نعمت کے دروازے کھولدیئے یہانتک کہ جب وہ خوش ہو گئے اور پھولے نہ سمائے تو یکایک اُنکو پکڑ لیا" جب یہ خیالات ذہن نشین ہونگے تو خشیۃ اور خوف تم سے کسی وقت بھی دور نہ ہوگا اور کسی نعمت پر نازاں اور خوش نہ ہوگے پس عجب سے بآسانی نجات ملجائیگی۔

دسویں اصل ریا کا بیان

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ "افسوس ہے اُن نمازیوں پر جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں جو کہ دکھاوا کرتے ہیں" ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اعمال میں اخلاص پیدا کرے اور ریا و نمود سے اپنے اعمال اور طاعتوں کو بچائے کیونکہ ریا شرک اصغر ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ بندوں کو جزا سزا اور انعامات فرمائیگا تو ریاکاروں کو حکم دیگا کہ انھیں کے پاس جاؤ جنکے دکھانے کو نمازیں پڑھتے اور عبادتیں کیا کرتے تھے۔ اپنی عبادتوں کا ثواب اور طاعت کا صلہ بھی انھیں سے لو دیکھو کیا دیتے ہیں۔ دوسری طویل حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن احکم الحاکمین کی شاہنشاہی عدالت میں غازی اور عالم اور سخی کی پیشی ہوگی۔ اور تینوں اپنے جہاد فی سبیل اللہ تعلیم و تعلم اور مشغلہ علم دین اور اپنی خیرات و صدقات کا اظہار کرینگے۔ حکم ہوگا کہ "یہ سب اعمال تمنے چونکہ محض دکھاوے اور نام کے لئے اسی غرض سے کئے تھے تاکہ لوگ کہیں کہ فلاں شخص غازی ہے۔ فلاں شخص بڑا عالم ہے فلاں شخص بڑا سخی ہے۔ سو یہ باتیں حاصل ہولیں کہ دنیا میں تم کو شہرت حاصل ہوئی اور لوگوں نے تم کو غازی اور عالم اور سخی

له فریب ۱۲ عه احمد و بیہقی راوی ثقہ ہیں ۱۲ ته مضمون مسلم ۱۲ +

کہکر پکارا۔ پھر جس مقصود کے لئے اعمال کئے تھے جب وہ حاصل ہوچکا تواب کیا استحقاق رہا اور یہاں کیا چاہتے ہو۔ لہذا جاؤ جہنم ہیں"۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "جس عمل میں ذرہ برابر بھی ریا ہوگا اس کو حق تعالیٰ ہرگز قبول نہ فرمائیگا"۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو بگوشِ ہوش سنو اور عبرت پکڑو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ "اگر کوئی شخص روزہ رکھے تو اُسکو چاہئے کہ اپنے سر اور داڑھی اور ہونٹوں کو تیل سے چکنا کر لیا کرے تاکہ لوگ اُسکو روزہ دار نہ سمجھیں اور خیرات کیا کرے تو اس طرح کرے کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو۔ اور نماز پڑھے تو پردہ ڈال لیا کرے تاکہ کوئی دیکھے نہیں"۔ اسی لئے حضرت فاروق اعظم رضؓ نے ایک شخص کو جو اپنا سر جھکائے بیٹھا تھا تنبیہ کے طور پر یوں فرمایا تھا کہ "میاں گردن اوپر اٹھاؤ خشوع قلب سے ہوا کرتا ہے نہ کہ گردن سے۔ ریا کی اصلیت یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اپنی عبادت اور عمل خیر کے ذریعہ سے وقعت اور منزلت کا خواہاں ہو۔ اور یہ عبادت کے مقصود کے بالکل خلاف ہے کیونکہ عبادت سے مقصود حق تعالیٰ کی رضا مندی ہے اور اب چونکہ اس مقصود میں دوسرا شریک ہوگیا کہ رضائے خلق و حصول منزلت مقصود ہے لہذا اس کا نام شرک اصغر ہے یا دکھوکہ ریا چھ طرح سے ہوا کرتا ہے۔ **اوّل**۔ بدن کے ذریعہ سے مثلاً شکستگی و ضعف اور غنودگی اور پلکوں کا جھکانا ظاہر کیا جاوے تاکہ روزہ دار اور شب بیدار خیال کریں۔ یا مثلاً غمگین صورت بنائے تاکہ لوگ سمجھیں کہ ان کو آخرت کی بڑی فکر ہے یا مثلاً پراگندہ بال رہے تاکہ لوگ سمجھیں کہ دین میں اسقدر مشغول ہیں کہ بال سنوارنے کی بھی فرصت نہیں اور نہ خط بنوانے کا موقع ملتا ہے یا مثلاً آواز پست اور آہستہ نکالے تاکہ لوگ سمجھیں کہ ریاضت و مجاہدہ کرتے کرتے اتنا ضعف ہوگیا ہے کہ آواز تک نہیں نکلتی۔ **دوم**۔ ہیئت کے ذریعہ سے مثلاً رفتار میں نرمی اور ضعف ظاہر کرنا یا سر جھکانا۔ مونچھوں کا منڈوا ڈالنا۔ سجدہ کے نشان کا باقی رکھنا آنکھوں کا بھیچنا اور ایسی صورت بنانا جس سے لوگ سمجھیں کہ حالتِ وجد میں ہیں یا مکاشفہ میں مشغول ہیں اور یا فکر کے اندر مستغرق اور محو ہیں۔ **سوم**۔ تشکل و شباہت و لباس میں مثلاً صوف اور موٹے جھوٹے کپڑے پہننا پنڈلی تک پائینچہ چڑھانا۔ کپڑوں کا بوسیدہ اور میلا کچیلا رہنا۔ تاکہ لوگ سمجھیں کہ صوفی صاحب ہیں حالانکہ تصوف سے اتنے کورے ہیں کہ اسکی حقیقت و ماہیت بھی نہیں جانتے۔ یا چوغہ یا ڈھیلی آستینوں کا جبہ پہننا تاکہ لوگ عالم سمجھیں یا عمامہ پر رومال باندھے رکھنا اور جرابیں پہنے رہنا۔ تاکہ لوگ سمجھیں کہ اس درجہ متقی ہیں کہ راستہ کی گرد و غبار تک سے پرہیز کرتے ہیں کہ خدا جانے کس کی ملکیت ہوگی پھر انمیں بھی دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں **بعض** تو وہ لوگ ہیں جو صوفیوں اور دینداروں کے دلوں میں قدر و منزلت کے طالب ہوتے ہیں اور ہمیشہ اسی نیت سے میلے کچیلے پرانے کپڑے پہنتے اور اسی حالت میں رہتے ہیں کہ اگر کوئی نیا کپڑا جسکا پہننا شرعاً مباح ہو اور سلف نے بھی ایسا لباس پہنا اور استعمال کیا ہو اُنکو دیا جائے کہ اسکو پہن لیجئے تو انکو ایسا ناگوار گذرتا ہے جیسے کسی نے ذبح کر دیا اور وجہ اسکی یہی ہے کہ اس سے انکا مطلب فوت ہوا جاتا ہے کیونکہ لوگ صاف ستھرا

ریا کی ماہیت اور شرک ہونا۔ ریا کی صورتیں۔

دینداروں کی ریا خود نمائی کی طالب

لہ یہ حدیث نہیں بلکہ یوسف بن اسباط کا قول ہے ۱۲ شرح احیاء العلوم +

امرا میں نمود و عزت کا طلب

کپڑا پہنے دیکھیں گے تو انکی قدر نہ کرینگے جو میلے کپڑوں میں کرتے تھے بلکہ یوں کہیں گے کہ اب صوفی صاحب کے زہد میں کمی آگئی اور تصوف کا رنگ بدل چلا۔ اور **بعض** لوگ امیروں اور تاجروں میں وقعت پیدا کرنیکے خواہشمند ہوتے اور سوچتے ہیں کہ اگر پھٹے پرانے کپڑے پہنے تب تو امرا کی نظروں میں وقعت نہ ہوگی بلکہ ان کو ہمارے پاس بیٹھنے سے بھی نفرت ہوگی اور اگر لباس فاخرہ پہنا تو لوگ زاہد اور صوفی نہ سمجھیں گے۔ لہذا ایک نئی صورت اختیار کرتے ہیں کہ بیش قیمت باریک کپڑونکو گیروا یا آسمانی رنگ کا رنگوا لیتے ہیں اگر انکی قیمت دیکھئے تو شاہانہ لباس کے برابر ہے اور رنگ و روپ ملاحظہ کیجئے تو درویشانہ اور صوفیانہ ہے۔ اس طرح پر اپنا مطلب حاصل کرتے اور ریا کاتے ہیں چنانچہ اگر ان کو پھٹے کپڑے پہننے کو دیئے جاویں اور کہا جاوے کہ انکو پہن لیجئے تو سخت ناگوار گذرتا ہے کیونکہ ایسے کپڑونکا پہننا امیرونکی نظروں سے گرجانیکا سبب ہے، اور اگر پشمینہ یا بانات یا کوئی دوسرا بیش قیمت کپڑا جو شرعاً مباح و جائز ہو انھیں پہنایئے تو وہ بھی موت سے زیادہ ہے۔ کیونکہ اسکو پہنکر لوگوں میں زاہد اور صوفی نہ سمجھے جاوینگے اور گویا درویشونکی جماعت سے خارج ہو جاوینگے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ ان کا لباس ریا کاری کا لباس ہے، اللہ پناہ میں رکھے۔ **چہارم** گفتگو اور زبان سے ریا کیا جاتا ہے جیسا کہ تم نے بعض دنیادار واعظوں کو دیکھا ہوگا کہ زبانیں موڑ موڑ کر مقفّٰی اور مسجّع عبارتیں بنا بنا سلف صالحین کی نقل اتارتے اور محض دکھاوے کی غرض سے کبھی آواز کا لہجہ پتلا بناتے ہیں اور کبھی غمگین کہ دل میں تو اثر خاک بھی نہیں مگر بناوٹ اور تصنّع یوں بتا رہا ہے کہ بڑے عالم اور صوفی ہیں کہ بالکل سلف کا نمونہ ہیں۔ اسی طرح مثلاً حفظ حدیث اور مشائخ و علمائے زمانہ سے ملاقات کا دعویٰ اور اظہار کرنا کہ فلاں بزرگ کی ہمنے زیارت کی اور فلاں شیخ سے ملے یا مثلاً کسی حدیث کے متعلق صحیح یا ضعیف ہونیکا جلدی سے حکم لگا دینا تاکہ لوگ محقق اور محدث سمجھیں یا بدکاری و معصیت کے تذکرے پر زبان سے آہ اور ہائے افسوس کے کلمے نکالنا یا خلاف شرع باتوں سے نفرت ظاہر کرنا اور کڑھنا۔ حالانکہ انکے دل میں رنج یا نفرت کا اثر نام کو بھی نہیں ہوتا بلکہ سب کچھ محض اس غرض سے ہوتا ہے کہ لوگ انکو پارسا اور اللہ والا متبع شریعت سمجھیں۔

افعال اور اعمال میں ریا

پنجم عمل میں ریا مثلاً قیام زیادہ کرنا رکوع و سجدہ میں دیر تک رہنا سر جھکانا کسی طرف توجہ نہ کرنا پلکوں کو جھکائے رکھنا وغیرہ تاکہ لوگ انکو عابد و زاہد اور باعفت و پارسا سمجھیں حالانکہ اللہ خوب جانتا ہے کہ انکے دل ان خوبیوں سے بالکل کورے اور خالی ہیں اور اسکی شناخت یہ ہے کہ جب اکیلے نماز پڑھتے ہیں تو گھوڑا سا چھوڑ دیتے ہیں اور اگر کسی کو معلوم کرلیں کہ وہ انکی نماز کو دیکھ رہا ہے تو فوراً سکینت و وقار کیساتھ نماز کو ٹھیر ٹھیر کر پڑھنے لگتے ہیں تاکہ دیکھنے والا سمجھے کہ انکی نماز خشوع اور خضوع سے بھری ہوئی ہے تم ہی بتلاؤ کہ یہ ریا نہیں تو اور کیا ہے **ششم** اپنے شاگردوں اور مریدوں کی کثرت کا اور مشائخ کا بکثرت تذکرہ کرنا تاکہ لوگ سمجھیں کہ انکی بڑے بڑے مشائخ سے ملاقات ہوئی ہے اور بعض لوگ اسکی خواہاں ہوتے اور تدبیر کرتے ہیں کہ کسی طرح سلاطین و امرا اور علما و صلحا ان کی زیارت کرنے کو آنے لگیں تاکہ اس کی شہرت ہو جائے کہ فلاں شخص ایسے بزرگ ہیں کہ ان کی خدمت میں ایسے ایسے بڑے لوگ حاضر ہوتے اور بادشاہ و عالم

ف آہستگی ۱۲ ف عاجزی و انکساری ۱۲ +

سب ہی ان کی آستانہ بوسی کو اپنی عزت سمجھتے ہیں یاد رکھو کہ یہ سب دین میں ریا کاری ہے اور ریا حرام اور کبیرہ گناہ ہے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ **فصل**۔ ریا کے حرام ہونے کی دو وجہ ہیں **اول**۔ تو یہ اسمیں لوگوں کو دھوکہ دیکر اپنا معتقد بنانا لازم آرہا ہے اور دھوکہ دینا حرام ہے۔ یہانتک کہ اگر کوئی شخص کسی کو ایسی طرح روپیہ دے کہ دیکھنے والے یوں سمجھیں کہ اس کو ہبہ کر رہا ہے حالانکہ وہ ہبہ نہیں کرتا بلکہ اسکو قرض دیتا ہے تو چونکہ اسمیں بھی دھوکہ لازم آرہا ہے اسلئے یہ بھی معصیت ہے، چہ جائیکہ بناوٹ اور تصنع کی صورت بناکر لوگوں کے خیالات میں اس بات کا ڈالنا کہ یہ نیکو کار اور قابل تعظیم ہیں اور اس طرح پر لوگوں کے دلوں پر قبضہ کرنا سو اس کے دھوکہ ہونے میں کون شبہ کرسکتا ہے۔ پھر ایسے مکار شخص کو فاسق کیوں نہ کہا جائے۔ **دوم**۔ ریا کاری حق تعالیٰ کی شان میں گستاخی کرنا ہے اسکی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص بادشاہ کے حضور میں خادم بنکر کھڑا ہو اور اس کھڑے ہونے سے اسکی غرض اپنے آپکو شاہی خدمتگار اور ذلیل و محتاج غلام ظاہر کرنی نہ ہو بلکہ بادشاہ کے غلاموں میں سے کسی غلام کو تکنا یا کسی کنیز کو گھورنا مقصود ہو تو ظاہر ہے کہ وہ بادشاہی دربار کا گستاخ سمجھا جاویگا اور بے ادبی کا مجرم قرار پائیگا۔ اسی طرح جب عبادت میں حق تعالیٰ کی خوشنودی مقصود نہ ہوئی بلکہ اُس کے بندوں کی رضا مطلوب ہوئی کہ وہ اسکو نیکو کار سمجھیں اور اُسکے معتقد ہوں تو گویا بندوں کو خدا کی بہ نسبت اپنے نفع اور نقصان پر زیادہ قادر سمجھا اور دل میں بندوں کی یہانتک عظمت بٹھالی کہ عبادت بھی اُنھیں کے نذر گذار دی۔ یہی وجہ ہے کہ ریا کو شرک اصغر کہا گیا ہے۔ پھر اس غرض اور نیت میں جتنا فساد زیادہ ہوگا اُسی قدر گناہ بھی زیادہ ہوگا۔ کیونکہ **بعض** ریا کاروں کا مقصد تو صرف یہی ہوتا ہے کہ لوگ ہماری عزت کیا کریں اور ہمیں معتقد سمجھیں۔ اور **بعض** کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ یہ لوگ ہم کو دیندار سمجھکر ہمارے پاس امانتیں رکھیں، ہم کو اپنے اوقاف کا متولی بنائیں یا یتیموں کے مال ہماری سپردگی میں دیں پس انکو اپنے قبضہ میں لاکر اُڑانے کھانے کا موقع ملے ظاہر ہے کہ اسکا گناہ پہلے کی بہ نسبت زیادہ ہے۔ اور **بعض** کا یہ منشا ہوتا ہے کہ ہم کو نیک بخت سمجھکر عورتیں اور لڑکے ہمارے پاس آنے لگیں اور اُس ٹٹی کی اوٹ شکار کھیلنے یعنی زنا و لواطت کرنے کا بخوبی موقع ملے یا ان ضعیف دل عورتوں بچوں سے مال ہمارے ہاتھ آئے اور اسکو فسق و فجور اور لہو و لعب میں خرچ کرسکیں۔ ظاہر بات ہے، کہ اسکا گناہ پہلی دونوں صورتوں سے زیادہ ہے کیونکہ اس شخص نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کو معصیت کا آلہ اور جبار و قہار پروردگار کی مخالفت کا وسیلہ بنا لیا ہے (والعیاذ باللہ)

فصل۔ اسی طرح جن عبادتوں میں ریا ہوتا ہے وہ بھی مختلف درجہ کی ہیں کہ ان میں بعض کا گناہ بعض سے بڑھا ہوا ہے۔ **اول**۔ اصل ایمان میں ریا۔ جیسے منافق کہ اُس کے دل میں ایمان تو نام کو بھی نہیں مگر اُس نے اپنی صورت مسلمانوں کی سی بنا رکھی تاکہ لوگ کافر سمجھ کر اسکے جان اور مال کو حلال نہ سمجھ لیں۔ یا مثلاً ملحد و مرتد جسکا ایمان جاتا رہا مگر وہ کسی مصلحت یا لحاظ سے اپنے آپکو مسلمان ہی ظاہر کر رہا ہے اس ریا کا گناہ بہت سخت ہے چنانچہ کلام مجید میں مذکور ہے کہ "منافق جہنم کے سب سے نیچے کے طبقہ میں جائینگے"۔ **دوسرا درجہ** اصل عبادتوں میں

ریا کے حرام ہونے کی وجہ اول۔

وجہ دوم

ریا کی کیفیت کی کمی بیشی پر گناہ کی زیادتی

عبادت کے فرق سے ریا کے گناہ کی کمی بیشی۔

ریا کرنے کا ہی۔ مثلاً لوگوں کے سامنے نماز پڑھنا اور زکوٰۃ دینا اور اگر تنہا ہوں کہ کوئی شخص پاس نہ ہو تو نہ نماز ہے نہ زکوٰۃ۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ عبادت محض لوگوں کے دکھانے کو تھی مگر اللہ تعالیٰ تو دلوں کے حالات سے واقف ہے، وہ خوب جانتا ہے کہ عبادت کس نیت سے ہو رہی ہے لہٰذا اس کا درجہ اگرچہ پہلے درجہ سے کم ہے مگر تاہم سخت اور شرک اصغر ہے۔ تیسرا درجہ جو سب میں ادنیٰ ہے یہ ہے کہ فرائض عبادتوں میں تو ریا نہ ہو مگر مستحب اور نوافل عبادتیں لوگوں کے دکھلانیکو کی جائیں مثلاً اگر لوگ موجود ہوں تو نفلیں زیادہ پڑھے اور فرضوں کو بھی سنبھال سنبھال کر ادا کرے جب عرفہ[1] اور عاشورا کا دن آئے تو اس کا روزہ بھی ضرور رکھے۔ اگر زکوٰۃ کا وقت ہو تو لوگوں کی موجودگی میں اس مد کے اندر عمدہ اور نفیس مال نکالے اور اگر سفر وغیرہ کی حالت یا خلوت و علیحدگی کا وقت ہو تو نہ نماز ٹھیک طرح ادا ہو نہ وہ نفل نمازیں قائم رہیں اور نہ نوافل روزے رکھے جائیں فرض نماز بھی پڑھے تو کوّے کی سی ٹھونگیں گویا از برباد ہی۔ اسی طرح زکوٰۃ تو ضرور دیتا ہی مگر سر کے اوپر سے محض بوجھ اُتارنے کے لئے ردّی مال ہی دیتا ہی پس اس کا گناہ ایمان اور فرائض میں ریاکر نیکے گناہ سے کم ہی مگر یہ بھی حرام اور دین کی بربادی کیلئے کافی ہی۔ یہ بھی یاد رکھو ریا کے قصد میں تفاوت کی وجہ سے کبھی گناہ کے اندر بھی کمی بیشی ہو جاتی ہی مثلاً ایک صورت تو یہ ہے کہ عبادت سے مقصود محض دکھاوا ہو کہ عبادت کا قصد ہی نہ ہو مثلاً بلا وضو لوگوں کے دکھانے کو نماز پڑھنا۔ یا لوگوں کے دکھانے کو روزہ رکھنا کہ خلوت میں گئے اور افطار کر لیا۔ پس اس کا گناہ تو نہایت ہی سخت ہے، اور ایک صورت یہ ہے کہ عبادت بھی مقصود ہو اور اس کے ساتھ ہی اسمیں ریا کی بھی آمیزش ہو۔ سو اس کے تین درجے ہیں۔

پہلا درجہ تو یہ ہے کہ مقصود محض عبادت ہے، جس کی شناخت یہ ہے کہ اگر تنہا ہوتا تب بھی نماز پڑھتا جیسے لوگوں کی موجودگی میں پڑھ رہا ہے مگر چونکہ دوسروں نے نماز پڑھتے ہوئے اسکو دیکھا ہی اسلئے طبیعت اسکی خوش ہو گئی۔ اور نماز کا پڑھنا اس کو گراں معلوم نہ ہو پس اگر اتنی ہی بات ہے، تب تو اُمید ہے کہ حق تعالیٰ اس عبادت کو قبول فرمالے اور اس پر ثواب بھی مرحمت فرمادے۔ باقی یہ دوسری بات ہے کہ اس ریا کی سزا بھی دے یا اسکی وجہ سے عبادت کے اثر و ثواب میں کمی فرمائے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ عبادت کا قصد مغلوب اور دکھاوے کا خیال غالب یعنی یہ حالت ہو کہ جتنی عبادت لوگوں کی موجودگی میں کرتا ہے تنہائی اور خلوت کی حالت میں اتنی عبادت ہرگز نہیں ہو سکتی۔ پس یہ عبادت جسکی ریاکاری کی یہ حالت ہو کسی طرح بھی قبول ہونیکے قابل نہیں ہے، کیونکہ اس میں عبادت کا بھی اگرچہ ذرا سا قصد اور ارادہ شامل ہے مگر وہ اتنا مغلوب ہے کہ اسکا کچھ اعتبار نہیں ہے لہٰذا اسکو صریح ریاکاری سمجھا جاویگا اور ایسی عبادت پر سخت عذاب کا اندیشہ ہی۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ عبادت اور ریا دونوں مساوی اور برابر درجہ میں ہوں مثلاً عبادت سے جس قدر طاعت خدا مقصود ہو اُسی قدر لوگوں کو دکھلانا بھی مقصود ہو یہ ایسی حالت ہے جسمیں نفع اور نقصان چونکہ برابر ہی اسلئے ممکن ہے کہ اس پر نہ عذاب ہو اور نہ ثواب ملے مگر چونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہی کہ تمام شرکاء میں سب سے زیادہ شرکت سے بے نیاز میری ذات ہے لہٰذا کچھ عجب

[1] ۹ر ذی الحجہ۔ عاشورا ۱۰ر محرم ۱۲

نہیں کہ اس صورت میں بھی نقصان کو نفع پر ترجیح دیکر عبادت کو باطل کہا جاوے۔ پس غیب کی خبر تو خدا کو ہے کہ ایسی شخص سے کیا معاملہ ہوگا مگر بظاہر بہرحال یہ حالت گناہ سے خالی نہیں معلوم ہوتی۔ (**فصل**) ریا کبھی تو جلی و ظاہر ہوتی ہے مثلاً یہ حالت کہ تنہائی میں ایسی عبادت نہیں ہوتی جیسے لوگوں کے سامنے ہوتی ہے اور کبھی خفی اور پوشیدہ ہوتا ہے مثلاً کوئی شخص تہجد پڑھتا تو ہمیشہ ہے مگر جب کوئی مہمان آجاتا ہے تو اُسکے سامنے تہجد کے لیئے اُسکا نشاط اور مسرت زیادہ ہوجاتی ہے۔ پس یہ بھی ریا تو ہے مگر پہلے کی بہ نسبت اسمیں خفا ہے اور اس سے زیادہ مخفی ریا یہ ہے کہ کسی کے موجود ہونے سے نشاط میں بھی زیادتی نہ ہو مگر اثنائے عبادت میں یا عبادت سے فارغ ہونیکے بعد اگر کوئی شخص اس عبادت پر مطلع ہوجائے تو اُس کے دل میں ایک قسم کی فرحت اور خوشی پیدا ہوجاتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ دل کے اندر ریا اس طرح چھپا ہوا ہے جیسے راکھ کے اندر آگ چھپی ہوتی ہے کہ دوسروں کے مطلع ہونے پر اسی لئے تو سرور پیدا ہوتا ہے اور اس سے بھی زیادہ خفی ریا یہ ہے کہ اطلاع سے بھی خوشی نہ ہو لیکن اسکا آرزومند رہے کہ کاش لوگ میری تعریف کریں سلام اور مصافحہ میں ابتدا اور معاملات میں میری رعایت کریں اور اگر کوئی شخص اسکے ساتھ کچھ برائی کر بیٹھتا ہے تو اسکو تعجب ہوتا ہے۔ یاد رکھو کہ یہ بھی ریا ہے کیونکہ ان خیالات اور آرزوؤں سے معلوم ہوا کہ لوگوں پر اپنی طاعت و عبادت کا احسان رکھنا چاہتا ہے اور اگرچہ لوگوں سے اس نے اپنے ریا کو چھپا رکھا ہے مگر اس کا اتنا اثر ضرور ظاہر ہے کہ توقیر و احترام کی خواہش ہے اس قسم کے ریا بھی جن سے صدیقین ہی خالی ہوتے ہیں گناہ میں داخل ہیں اور اعمال کے حبط ہوجانیکا اندیشہ ضرور ہے۔ البتہ یہ اگر اس عبادت پر لوگوں کے مطلع ہوجانے سے خوشی اس بنا پر ہوئی ہو کہ "اللہ کا شکر ہے جسنے ہم سے عمل نیک اور فعل جمیل ہی کا اظہار فرمایا اور ہماری کسی معصیت یا فعل قبیح پر کسی کو مطلع نہیں ہونے دیا محض اپنے فضل سے شان ستاری کا ظہور فرمایا۔ اگرچہ میں تو طاعت ہو یا معصیت دونوں میں سے کسی کا اظہار بھی نہیں چاہتا تھا مگر الحمد للہ لوگ مطلع ہوئے تو فعل خیر ہی پر ہوئے۔ فعل شنیع پر نہ ہوئے۔ یا مثلاً اس وجہ سے خوشی ہو کہ "اس عبادت پر لوگوں کے مطلع ہونے سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ حق تعالیٰ قیامت کے دن بھی مجھ سے اچھا ہی معاملہ فرمائیگا کیونکہ دنیا میں ستاری فرمانا علامت ہے کہ آخرت میں بھی رسوائی سے بچائیگا"۔ یا اس وجہ سے خوشی ہو کہ "اس اطلاع کے سبب دوسروں کو بھی ہمت ہوگی اور میرا یہ فعل دوسروں کی عبادت کا سبب بن جائیگا" تو اس قسم کی خوشی میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ دوسرے شخص کی عبادت پر بھی کوئی مطلع ہوجائے تو اس اطلاع سے بھی اسکو اتنی ہی خوشی ہوتی ہو جتنی اپنی عبادت پر دوسروں کے مطلع ہونے سے ہوتی ہے کیونکہ کسی کی عبادت دیکھ کر لوگوں کا اس عبادت میں رغبت و ہمت کرنا اپنی عبادت ہو یا دوسرے کی دونوں صورت میں حاصل ہے۔ پس اگر مطلع ہونیوالوں کی اس عبادت میں رغبت و ہمت کرنیکا خیال اس خوشی کا سبب ہوا ہوگا تو اپنا نفس اور غیر دونوں اس خوشی میں ضرور مساوی ہوں گے۔ چونکہ ریا کا مادہ نظر سے پوشیدہ ہوتا اور لوگوں کے دلوں پر چپکے چپکے حملہ کرکے برا اثر ڈالا کرتا ہے لہذا متقدمین نے اسمیں بہت ہی کچھ احتیاط ملحوظ رکھی

ریا جلی و خفی اور اخفیٰ اور اشد خفا

ع خفی و ہی گر مصنفہ ۱۲ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ ط پوشیدگی ۱۲ عہ پوشیدہ کیا ہوا ۱۲ عہ درمیان عبادت ۱۲ عہ پوشیدہ ۱۲ عہ سافظ اونچی عمدہ

اور اپنی عبادتوں کو لوگوں کی نظروں سے بےحد مخفی رکھا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ فرماتے ہیں کہ "قیامت کے دن فقراء سے خطاب ہوگا کہ کیوں صاحبو کیا ہم نے تمہارے لئے ارزانی نہیں رکھی تھی کیا تم کو لوگ سلام میں ابتدا نہیں کرتے تھے کیا تمہاری ضرورتیں دوسروں کی بہ نسبت جلد رفع نہیں ہوتی تھیں پس چونکہ تم اپنے اعمال کا بدلہ دنیا ہی میں لے چکے ہو لہذا یہاں تمہارے لئے کچھ نہیں رہا۔" پس اے مسلمانو! اگر خلاصی چاہتے ہو تو لوگوں کو چوپاؤں[ع] اور بچوں کی طرح لایعقل سمجھو کہ ان کا موجود ہونا اور نہ ہونا دونوں برابر ہوں ان کا جاننا اور نہ جاننا انکی واقفیت اور ناواقفیت غرض کوئی بات بھی قابلِ اعتبار نہ رہے۔ پس چونکہ خدا ہی کا جاننا کافی ہے لہذا اپنی عبادت اُسی کو دکھلاؤ کیونکہ وہی اجر دیسکتا ہے اور وہی عبادت کا قدردان ہے۔ باقی اسکے سوا تو دنیا اور دین میں کوئی بھی ایسا نہیں جو کسی کو کچھ بھی دیسکے اگر ایسا کروگے تو اپنی عبادتوں سے ضرور نفع پاؤگے۔ ورنہ سخت ضرورت کے دن یعنی میدانِ حشر میں خالی ہاتھ رہ جاؤگے۔

فصل۔ شاید تمہارا یہ خیال ہو کہ اس قسم کے خفی ریا سے تو بچنا محال ہے البتہ جلی ریا سے آدمی بچ سکتا ہے۔ پھر نہ معلوم کونسی عبادت صحیح ہے اور کونسی فاسد۔ لہذا ہم اس کی بھی تشریح کئے دیتے ہیں عبادت میں ریا تین قسم کا ہوتا ہے یا تو اول ہی سے ہو۔ مثلاً نماز کا پڑھنا اول سے لیکر آخر تک سارا محض لوگوں کے دکھانے اور نمازی کہلانے کو ہو۔ یہ صورت تو نماز کے لئے مفسد ہے کہ ایسی نماز ہی صحیح نہ ہوگی۔ کیونکہ اس میں عبادت کی نیت ہی نہ ہوئی اور بلا نیت کے کوئی عمل معتبر نہیں ہے۔ اور اگر کوئی شخص نماز تو خلوت ہو یا جلوت دونوں صورتوں میں پڑھتا ہے مگر اول وقت میں پڑھنا ریا کی نیت سے ہوتا ہے تو اس صورت میں ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرض ادا ہو جائیگا البتہ اول وقت کی فضیلت حاصل نہ ہوگی اسلئے کہ اسمیں ریا موجود ہے۔ اب رہی یہ بات کہ ریا کا قصد عبادت میں شامل ہوا سو اس کا گناہ جدا ہوگا۔ **دوسری**۔ صورت یہ ہے کہ اثنائے عبادت اور تکمیلِ طاعت میں ریا ہو مثلاً نماز پڑھنے میں کوئی بھولی ہوئی چیز یاد آگئی یا کوئی تماشہ ہونے لگا تو دل للچایا کہ نماز توڑ کر ادھر متوجہ ہوتے۔ پس اگر ایسی حالت ہے کہ تنہائی کا موقع ہوتا اور کسی کا لحاظ مانع نہ ہوتا تو ضرور نماز کو توڑ دیتا مگر چونکہ آدمی بیٹھے ہوئے ہیں اسلئے انکی شرم اور اس خیال سے کہ دیکھنے والے یوں کہیں گے کہ "دیکھو فضول مشغلہ کے لئے میاں نے اپنی نماز توڑ دی" نماز کو نہ توڑے اور بادلِ ناخواستہ پڑھے جائے تو اس نماز کو بھی باطل کہیں گے۔ کیونکہ عبادت میں اول سے لیکر آخر تک نیت کا قائم رہنا ضروری ہے اور جب درمیان میں ریا کی وجہ سے نیتِ عبادت جاتی رہی تو نماز بھی جاتی رہی یا مثلاً کوئی شخص نماز پڑھ رہا تھا اور لوگوں کو اپنی طرف دیکھتا ہوا پاکر اس خیال سے کہ میری عبادت پر یہ لوگ مطلع ہوگئے ہیں اسکی طبیعت کو اسقدر خوشی ہوئی کہ عبادت کی اصل نیت بالکل مغلوب ہوگئی اور نماز کا کوئی رکن ایسی حالت میں ادا ہوا جسمیں لوگوں کی آگاہی کی مسرت کو زیادہ دخل تھا تو غالب ہے کہ یہ نماز بھی صحیح نہیں

ع اس میں صورۃً ایک قسم کی تحقیر ہے۔ اس لئے میرے نزدیک سب کو فرشتہ سمجھے کیونکہ فرشتوں سے انسان ریا نہیں کرتا اسکی وجہ یہ ہے کہ ان سے کوئی کام نہیں پڑتا اس لئے ان سے طالب توقیر و تعظیم نہیں ہوتا ۱۲ مولانا تھانوی رحمہ اللہ +

گمنامی کا دینی فائدہ۔

ریا کی تین قسموں میں پہلی قسم یعنی شروع عبادت میں ریا۔

اثنائے عبادت میں ریا۔

ہوئی کیونکہ اسمیں اگرچہ نیت منقطع نہیں ہوئی مگر تاہم ایسی مغلوب ہوگئی ہے کہ اس کا عدم اور وجود برابر ہے پس اس نماز کو بھی باطل کہا جائیگا ہاں اگر ایسی معمولی خوشی ہو کہ وہ نیت پر غالب نہ آئے اور عبادت کا محرک و اصل باعث محض رضائے حق اور حکمِ خداوندی ہی رہے تو یہ نماز تو صحیح ہی ہو جائیگی مگر قصدِ ریا کا گناہ ضرور ہوگا۔ تیسری صورت یہ ہے کہ عبادت سے فارغ ہو جانیکے بعد ریا ہو۔ مثلاً لوگوں کے اس عبادت پر آگاہ ہو جانے سے اس کو مسرت ہو۔ یا لوگوں سے خود ہی اسکا اظہار فخر کے انداز پر کرتا پھرے تو اس کو عبادت کے صحت اور فساد سے کوئی علاقہ نہیں اسلئے کہ جسوقت ریا ہوا ہے اُسوقت عبادت ختم ہو چکی تھی البتہ اس مسرت اور اظہار کا گناہ ہوگا اور پھر یہ عبادت کا اظہار صراحۃً یا کنایۃً یا تعریضاً جس طرح اور جس حیثیت سے ہوگا اسی سے ریا جلی اور خفی ہونے کا اندازہ خود ہو سکے گا کہ صراحۃً اظہار رہے تو ریا بھی جلی ہے اور اظہار اشارۃً ہے تو ریا خفی ہے۔

فصل۔ ریا بڑا مہلک مرض ہے اس کا علاج پوری مستعدی کے ساتھ ہونا چاہئے یاد رکھو کہ ریا کا سبب اکثر یا تو حُبّ مدح اور اپنی تعریف کی خواہش ہے یا مالِ دُنیا کی حرص و طمع اور یا مذمّت کا خوف و اندیشہ۔ مثلاً کوئی شخص میدانِ جنگ میں اس غرض سے بہادری دکھائے کہ لوگ اُس کو شجاع کہیں یا اس نیت سے عبادت کرے کہ لوگ اُس کو عبادت گذار و پرہیزگار کہیں۔ یہ تو حُبّ مدح ہے اور اس کا علاج وہی ہے جو حُبِّ مدح کے علاج میں پہلے بیان ہو چکا ہے کہ یہ شہرت اور دُنیا کی نیک نامی محض فرضی اور وہمی ناقابلِ اعتبار کمال ہے آج مرے کل دوسرا دن۔ تعریف کرنیوالے اور انکی تعریفیں اور قصیدے اور سپاس نامے نہیں رہ جائینگے اور کسی سے کچھ بھی نفع حاصل نہ ہوگا۔ حقیقی کمال وہ ہے جو مرنے کے بعد بھی ساتھ رہے یعنی معرفتِ الٰہی کہ اس کو کبھی فنا ہی نہیں اسکے علاوہ ریا میں خصوصیت کے ساتھ یہ خیال کرنا بھی اس مرض کے لئے مفید ہے کہ یہی بہادری اور یہی عبادت جو آج مجکو لوگوں کی زبان سے شجاع اور عابد کہلا رہی ہے کل کو قیامت کے دن حشر کے میدان میں ساری مخلوق کے سامنے مجھ کو رسوا اور ذلیل کرائیگی کہ میرا نام فاجر و مکار اور ریاکار پکارا جائیگا۔ اس پر طرہ یہ کہ میرا کیا کرایا سب بیکار ہو جائیگا اور وہ اعمال جن کو بڑی محنت اور مشقت کے ساتھ جمع کیا تھا ضبط ہو جائینگے۔ پس لوگوں کی خوشنودی اور دُنیا کی ناپایدار مدح کے معاوضہ میں حق تعالیٰ کا غصہ اور محشر کی رُسوائی و ذلّت خریدنا کس قدر عقل کے خلاف ہے۔ علاوہ ازیں یہاں دُنیا میں جنکی رضامندی چاہتے ہیں اگر حق تعالیٰ چاہے تو ہم سے اُن کو بھی ناراض کر دے اور مدح کے بدلے وہی لوگ ہماری اُلٹی مذمتیں کرنے لگیں کیونکہ قلوب اور زبانیں تو سب اُسکے قبضہ میں ہیں پس چند روزہ موہوم و محتمل تعریف کو حق تعالیٰ کی رضامندی پر جو اصل سعادت ہے کیونکر ترجیح ہو سکتی ہے؟ اسی طرح اگر مذمّت کا خوف ریا کا باعث ہو تو یہ بات ذہن نشین کرنا چاہئے کہ اگر میں عند اللہ پسندیدہ ہوں تب تو لوگوں کی مذمّت مجکو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ پھر ڈروں تو کیوں ڈروں؟ خصوصاً جبکہ یہ بات یقینی ہے کہ مخلوق کی اس مذمّت کے موہوم اندیشہ کی وجہ سے حق تعالیٰ کو ناراض رکھنا دنیا میں بھی ذلیل اور رُسوا کر دیتا ہے

عبادت کے بعد ریا ہوا تو

ریا کا سبب اول حب مدح کا علاج

سبب دوم و سوم طمع و خوف مذمت کا علاج

بھلا اگر یہ باطنی ریا لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ مجھے لوگوں کی مذمت سے ڈر معلوم ہوتا ہے اور اسی لئے میں نیکو کاروں کی سی صورت بناتا اور پرہیزگار بنا پھرتا ہوں تو پھر اس خوف سے کچھ بھی نفع نہ ہوگا اور جس بات کا اندیشہ ہے وہ سامنے آجائیگی کہ مکاری کھلنے کی وجہ سے مذمتیں ہونے لگیں گی اور اگر اخلاص کے ساتھ حق تعالیٰ کو راضی رکھنے کے لئے طاعت کروں گا تو جن لوگوں کی مذمت کا مجھے خوف ہے وہ بھی میرے دوست بنجائیں گے اور خداوند تعالیٰ کی خوشنودی بھی حاصل ہو جائیگی۔ ریا کا تیسرا سبب حرص و طمع ہے پس اگر یہ وجہ ہو تو خیال کرنا چاہئے کہ جس چیز کی طمع ہے اس کا حاصل ہو جانا ایک موہوم بات ہے اور اس ریا کی بدولت حق تعالیٰ کی رضامندی کا ہاتھ سے جاتا رہنا یقینی ہے پھر بھلا کسی نفع کی موہوم اُمید پر خدا کے غصہ کو سر پر لینا کون پسند کرتا ہے؟ چونکہ حق تعالیٰ مقلب القلوب ہے اسلئے یاد رکھو کہ ریاکاری سے جس دُنیوی مطلب کیلئے عبادت کر رہے ہو وہ بھی نہ حاصل ہو سکے گی۔ بلکہ مخلوق کے سامنے طمع کرنے میں ذلت اور رُسوائی جدا اُٹھاؤ گے ان کے احسان سند الگ ہوگے کہ ہمیشہ گردن نیچی رہیگی اور اگر بے طمع ہو جاؤ گے تو حق تعالیٰ تمہاری تمام ضرورتوں کا کفیل ہو جائیگا۔ اور مخلوق خود بخود تمہاری مطیع بنجائیگی اور پھر اخلاص کی بدولت جو کچھ دائمی لذیذ نعمتیں تم کو آخرت میں ملیں گی وہ اس کے علاوہ ہونگی۔ غرض ان یقینی اور سچی باتوں کو ذہن نشین کر لوگے تو ریا کا نام و نشان بھی نہ رہیگا۔ اور حق تعالیٰ اخلاص کی توفیق بخشدے گا۔

سبب سوم حرص و طمع کا علاج

فصل۔ اس کے بعد غالباً تمھیں یہ فکر ہوگا کہ ریا سے نفرت تو بیشک پیدا ہو گئی مگر بعض عبادتوں میں مخلوق کے مطلع ہونے پر یکایک جو ریا پیدا ہو جاتا ہے اُس کا علاج معلوم نہیں ہوا لہذا اس کی تدبیر بھی بتاتا ہوں وہ یہ ہے کہ جہانتک ہو سکے خلوت میں بیٹھکر تنہائی کی حالت میں عبادت کیا کرو اور اپنی عبادت کو ایسا چھپایا کرو کہ جیسا اپنے عیوب اور معصیتوں کو چھپایا کرتے ہو۔ دیکھو حضرت ابو حفص حدادؒ کی مجلس میں کسی شخص نے ایک مرتبہ دُنیا اور دنیاداروں کی مذمت بیان کی تو شیخ نے جواب دیا کہ "ہمارے حلقہ میں آج سے مت بیٹھا کرو کیونکہ تم اس کے اہل نہیں ہو اسلئے کہ جو کام تمھیں چھپانا چاہئے تھا اُس کو تم نے مجمع میں ظاہر کر دیا"۔ یاد رکھو کہ عبادت کا اخفا شروع شروع ذرا دُشوار معلوم ہوگا مگر چند روز ایسا کروگے تو اُس کی عادت پڑجاویگی بلکہ خلوت کی عبادت و مناجات میں لذت آنے لگے گی باایں ہمہ اس کا لحاظ رکھو کہ جس وقت بھی اپنی عبادت پر لوگوں کی اطلاع سے دل میں مسرت پیدا ہو تو فوراً پہلی باتوں کو یاد کرو اور سوچو کہ کمزور مخلوق کا میری عبادت پر مطلع ہو جانا میرے لئے ذرہ برابر بھی نافع نہیں ہے لہذا اس بے نفع بات پر میرا خوش ہونا فضول اور حق تعالیٰ کے غصہ کا نشانہ بنجانا بڑی خطرناک حالت ہے پس جسوقت یہ خیال کروگے تو وہ مسرت کراہت سے بدلجائیگی اور جب کراہت کا پلہ بھاری ہوگا تو عبادت اُسی اخلاص کی طرف لوٹ جائیگی جو کہ مقصود ہے اور چونکہ بس ہے زیادہ مضمون کے تم مکلف بھی نہیں ہو اس لئے اگر اس پر بھی قلب میں مسرت کا اثر باقی رہے تو یہ طبعی بات ہے جسکا فکر و خیال کرنا فضول ہے کیونکہ یہ اختیاری نہیں ہے اور جو بات اختیاری نہیں

عبادت کو مخفی رکھنے کا نفع

ہوتی اس پر مواخذہ بھی نہیں ہوا کرتا۔ الغرض تمہارا کام صرف اس قدر ہے کہ اپنی عبادت کو بالقصد ظاہر اور لوگوں میں شائع اور مشہور کرتے نہ پھرو اور اگر بطور خود لوگوں کو اسکی اطلاع ہو جائے اور اس پر تم کو مسرت لاحق ہو تو اسکی مٹانے کی کوشش کرو اور جس طرح ممکن ہو اُس کو کراہت سے بدلو تاکہ اس مسرت کا کسی عمل پر کوئی اثر پیدا نہ ہو۔ اس کے بعد جو کچھ حالت رہے اب اُس کا دُور کرنا چونکہ تمہاری قدرت سے باہر ہے لہذا اُس کا مطلق فکر نہ کرو۔

(فصل) اس نیت سے عبادت کے ظاہر کر دینے میں کچھ حرج نہیں ہے کہ لوگوں کو رغبت ہوگی اور وہ بھی میری طرح حق تعالیٰ کی عبادت کرنے لگیں گے۔ مگر ہاں نیت کا صاف اور خالص ہونا ضرور ہے اگر نفس امارہ اس حیلہ سے تمہارا اشکار کرنا چاہے یا اُس سے کسی چھپی ہوئی خواہش کے بڑھنے کا اندیشہ ہو تو ہرگز اسکی جرأت نہ کرنا بلکہ عبادت کو مخفی ہی رکھنے کے پابند بنے رہنا۔ اور اس کی علامت یہ ہے کہ عبادت کے اظہار کے وقت تمہارے دل کی خواہش یہ قائم رہے کہ اگر دوسرے لوگ اس بوجھ کو اُٹھالیں اور کسی دوسرے ہی کی عبادت دیکھکر لوگوں کو رغبت پیدا ہو جائے تو بہت اچھا ہے لہذا دل کو ٹٹول لیا کرو کہ اس میں کیا خواہش ہے کیونکہ اگر یہ خواہش ہوئی کہ میری ہی عبادت سے دوسرے لوگوں کی رغبت کا ذریعہ بنے اور میں مقتدا بنوں اور مخلوق میری مقتدی[1] ہو تو بس یہی ریا اور طلب شہرت وحبّ جاہ ہے۔ کیونکہ اس صورت میں ظاہر ہے کہ اخلاص جاتا رہا۔ اسی بنا پر اپنے گناہوں کا چھپانا اور ظاہر نہ کرنا جائز ہے۔ بشرطیکہ اس نیت سے ہو کہ لوگ فاسق نہ کہیں۔

گناہوں کے مخفی رہنے پر خوش اور آشکارا ہونے پر رنجیدہ ہونے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ عام ہے کہ حق تعالیٰ کے حکم کی موافقت کے باعث ہو کہ وہ معصیت کے چھپانے کو پسند اور اظہار کو ناپسند فرماتا ہے یا اپنے اوپر سے ایذا رفع کرنیکے سبب سے ہو کہ معصیت کے فاش ہونے پر لوگوں کو میری مذمت اور برائیاں کرنے کا موقع ملیگا اور اس سے میرے دل پر صدمہ ہوگا اور یہ صدمہ اختیاری نہیں ہے بلکہ طبیعت کا اقتضا ہے اور یا حق تعالیٰ شانہٗ ستاری ظاہر ہونے پر خوش ہونے کی وجہ سے ہو۔ بہرحال کسی نیت سے بھی کیوں نہ ہو گناہ ہونے مخفی رہنے پر خوش ہونا حرام نہیں ہے۔ البتہ عبادت پر اس نیت سے خوش ہونا کہ لوگ تعریف کرینگے اور متقی اور عابد سمجھیں گے بیشک حرام ہے کیونکہ یہ خوش ہونا گویا عبادت کی اُجرت لینا اور مخلوق کی مدح کو اپنی طاعت کا معاوضہ بنانا ہے اور یہ ناجائز ہے۔ اس مضمون کو دوسرے طریقہ سے یوں سمجھو کہ معصیت کے ظاہر ہونے میں عموماً حیا اور شرم آتی ہے اور حیا چونکہ ریا نہیں ہے اس لئے اس غرض سے معصیت کا چھپانا اور اس پر خوش ہونا بھی حرام نہیں ہے۔ برخلاف عبادت کے کہ اُس کے ظاہر ہونے پر خوش ہونے کی وجہ بجز اس کے کہ عبادت کا معاوضہ موہوم اور دنیائے دنی کا فائدہ قرار دیا ہے اور کوئی معقول وجہ نہیں ہے لہذا حرام ہے۔ ہاں ریا کے خوف سے طاعت اور عبادت کا چھوڑ دینا بھی مناسب نہیں ہے بلکہ عبادت کو کرتے رہو اور اگر اس میں ریا پیدا ہو تو اُس کے دُور کرنے کی کوشش رکھو۔ البتہ اگر ایسے کام جن کو مخلوق

بھول کر اطاعت پر فخر و خوشی اور غیر اختیاری مسرت مضر نہیں

اظہار عبادت بعض جگہ مفید ہے

گناہ کے مخفی رہنے پر خوشی گناہ نہیں ہے

[1] پیروی کرنے والا اور جس کی پیروی کی جائے وہ مقتدا ۱۲

سے تعلق ہو مثلاً نماز میں امام بننا یا مقدمات میں قاضی و پنچ قرار پانا یا قضا ریا وعظ گوئی۔ اگر ان امور میں ریا کا غالب اندیشہ ہو کہ نفس ضرور شرارت کرے گا اور نیت میں اخلاص بالکل قائم نہ رہیگا تو بیشک ان کاموں سے بھاگنا چاہیے کیونکہ سلف کا یہی طرز تھا اور ضرور اسی میں بہتری ہے۔ اب رہے نماز روزہ اور صدقات وغیرہ کے اعمال سو ریا کے اندیشہ سے انکو ترک کرنا جائز نہیں ہے۔ البتہ اگر بالکل ہی اخلاص نہ ہو اور اول سے آخر تک رضائے حق تعالیٰ اور عبادتِ خداوندی کی قطعی نیت نہ ہو محض اپنی جیسی محتاج مخلوق کے دکھلانے کو یہ کام کیے جائیں تو اس وقت ان کا کرنا بھی حرام اور چھوڑ دینا اولیٰ ہے اور اگر کسی نیک کام کے تم عادی و پابند ہو اور اتفاق سے لوگ جمع ہو جاویں تو اس وقت ریا کے احتمال کی وجہ سے اپنے معمول کو ترک مت کرو بلکہ عادت کے موافق اپنا کام کرو۔ اور ریا کو جہانتک ہو سکے دفع کرو کہ پاس نہ آنے پائے۔

خاتمہ

(حسنِ خُلق[1] اور اُس میں نفس کے دھوکے کا بیان)

اخلاقِ مذمومہ کہ جن سے نفس کا تزکیہ کرنا ضروری ہے یوں تو بہت ہیں مگر اصول یہی دس ہیں جن کو بالتفصیل ہم ذکر کر چکے ہیں اور ان میں باہم ایسا تعلق ہے کہ ایک کے ساتھ دوسرا اور دوسرے کے ساتھ تیسرا لگا ہوا ہے۔ اس لئے جب تک سب ہی سے نجات نہ ملے گی اُس وقت تک نفس قابو میں نہ آئیگا۔ اور ایک کی اصلاح کرنا اور دوسرے سے بے پروا رہنا کچھ مفید نہ ہوگا کیونکہ جو شخص دس بیماریوں میں گرفتار ہو وہ تندرست اُسی وقت کہا جاسکتا ہے جبکہ اسکی دسوں بیماریاں جاتی رہیں۔ جس طرح کوئی خوبصورت آدمی حسین اُسی وقت کہلاسکتا ہے جبکہ ہاتھ پاؤں آنکھ کان غرض سارے اعضا مناسب اور خوبصورت ہوں۔ اسی طرح انسان کو حُسنِ خُلق اُسی وقت حاصل ہوگا جبکہ اُس کی تمام باطنی حالتیں قابلِ تعریف اور پسندیدہ ہوں۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "مسلمان وہی ہے جس کا خُلق کامل ہو اور مومنین میں افضل وہی ہے جس کا خُلق سب سے بہتر ہو"[2] بس اسی اصل کا نام دین ہے اور اسی کی تکمیل کیلئے رسولِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام دنیا میں تشریف لائے تھے۔ حُسنِ خلق کی تحقیق اور تحدید اور ثمرات و نتائج میں محققین کے اقوال مختلف ہیں مگر ہم اختصار کے طور پر اسکی تحقیق کرتے ہیں۔

جاننا چاہیے کہ خَلق اور خُلق یعنی خ کے زبر اور پیش کے ساتھ جُدا جُدا دو لفظ ہیں خَلق سے مراد صورتِ ظاہری ہے اور خُلق سے مراد صورتِ باطنی۔ کیونکہ انسان جس طرح جسم سے ترکیب دیا گیا ہے اور ہاتھ پاؤں اور آنکھ کان وغیرہ اعضا اس کو مرحمت ہوئے ہیں جنکو قوتِ بصارت یعنی چہرہ کی آنکھیں ادراک کر سکتی ہیں اسی طرح انسان روح اور نفس سے ترکیب دیا گیا ہے اور اس کا ادراک بصیرت یعنی دل کی آنکھیں کرتی ہیں۔ یہ ترکیب ان ظاہری آنکھوں سے نظر نہیں آتی اور ان دونوں ترکیبوں میں حق تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو جُدا جُدا صورت اور قسم قسم کی شکلوں پر پیدا

[1] عادت اخلاق جمع ۱۲ [2] اصل عربی کتاب میں یہ حدیث نہیں ۱۲ طبرانی صحیح ۱۲

فرمایا ہے کہ کوئی صورت اور سیرت حسین اور اچھی ہے اور کوئی صورت اور سیرت بُری بھونڈی ہے ظاہری شکل وہیئت کو صورت کہتے ہیں اور باطنی شکل وہیئت کو سیرت کہتے ہیں مگر سیرت کا مرتبہ صورت سے بڑھا ہوا ہے کیونکہ اسکو حق تعالیٰ نے اپنی جانب منسوب کیا ہے۔ چنانچہ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي آیۃ کریمہ میں روح کو اپنا کہکر ذکر فرمایا اور قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي میں اس کا اظہار فرمایا کہ روح امر ربانی ہے اور جسم کی طرح سفلی اور خاکی نہیں ہے کیونکہ جسم کی نسبت مٹی کی جانب فرمائی اور اِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِّن طِينٍ ارشاد ہوا ہے۔ اس مقام پر روح اور نفس سے ہماری مراد ایک ہی شے ہے یعنی وہ شئی جو حق تعالیٰ کے الہام والقاسے اپنی اپنی استعداد کے موافق اشیاء کی معرفت اور ادراک حاصل کرتی ہے۔ بہرحال ثابت ہوا کہ زیادہ قابل لحاظ امر ربانی یعنی سیرت انسانی ہی ہے کہ جب تک اس باطنی ترکیب کی شکل وہیئت میں حُسن موجود نہ ہوگا اُس وقت تک انسان کو خوب سیرت نہیں کہا جاسکتا اور چونکہ اس صورت کے اعضاء یعنی ہاتھ پاؤں کی طرح سیرت کو بھی حق تعالیٰ نے باطنی اعضاء مرحمت فرمائے ہیں جن کا نام قوتِ علم قوتِ غضب قوتِ شہوت اور قوتِ عدل ہے لہذا جب تک یہ چاروں اعضاء سڈول اور مناسب حدِ اعتدال پر نہوں گے اُس وقت تک سیرت کو حسین نہ کہا جائیگا۔ ان باطنی اعضاء میں جو بھی کمی بیشی اور افراط و تفریط ہوگی اُسکی مثال ایسی ہوگی جیسے کسی کی ظاہری شکل اور صورت جسمیہ میں افراط و تفریط ہو کہ پاؤں مثلاً گز بھر ہوں اور ہاتھ تین گز کے یا ایک ہاتھ مثلاً آدھ گز کا ہو اور دوسرا ہاتھ گز بھر کا اور ظاہر ہے کہ ایسا آدمی خوبصورت نہیں کہا جائیگا پس اسیطرح اگر کسی کی قوتِ غضبیہ مثلاً حدِ اعتدال سے کم ہے اور قوتِ شہوانیہ مناسب اعتدال سے بڑھی ہوئی ہے تو اسکو خوب سیرت نہیں کہہ سکتے اب ہم چاروں اعضائے مذکورہ کا اعتدال و تناسب اور حُسن بیان کرتے ہیں۔ **اول**۔ قوتِ علم۔ اس کا اعتدال اور حسن تو یہ ہے کہ انسان اسکی ذریعہ سے اقوال کے اندر سچ اور جھوٹ میں امتیاز اور اعتقادات کے متعلق حق اور باطل میں تفریق کرسکے اور اعمال میں حُسن اور قبح یعنی اچھا اور بُرا پہچان سکے پس جسوقت یہ صلاحیت پیدا ہو جائیگی تو اُسوقت حکمت کا وہ ثمرہ پیدا ہوگا جسکو حق تعالیٰ بایں الفاظ ارشاد فرماتا ہے کہ "جس کو حکمت نصیب ہوئی اُسکو خیر کثیر عطا ہوئی" اور درحقیقت تمام فضیلتوں کی جڑ اور اصل یہی ہے۔ **دوم وسوم**۔ قوتِ غضب و قوتِ شہوت۔ ان کا اعتدال اور حُسن یہ ہے کہ دونوں قوتیں حکمت اور شریعت کے اشارہ پر چلنے لگیں اور مہذب و مطیع شکاری کتے کی طرح شریعت کی فرمانبردار بنجائیں کہ جس طرف بھی اُن کو شریعت چلائے بلاعذر و بے تامل اُسی جانب لپکیں اور شکار پر حملہ کریں اور جسوقت وہ اُنکو روکنا چاہے تو فوراً ٹھیر جائیں اور چُپ ہو کر اپنی جگہ بیٹھ جائیں۔ **چہارم**۔ قوتِ عدل۔ اسکا اعتدال یہ ہے کہ قوتِ غضبیہ اور شہوت دونوں کی باگ اپنے ہاتھ میں لے اور اُن کو دین اور عقل کے اشارہ کا ماتحت بنائے رکھے گویا عقل تو حاکم ہے اور یہ قوتِ عدل اس کی پیشکار ہے کہ جدھر حاکم کا اشارہ پاتی ہے فوراً اسی جانب جھک جاتی ہے اور اُسی کے موافق احکام جاری کردیتی ہے

سیرت کے بھی چار اعضاء ہیں۔

قوتِ علم کا حسن۔

قوتِ غضب اور قوتِ شہوت کا حسن۔ قوتِ عدل کا حسن۔

له اور آدم کے پتلے میں پھونکا میں نے اپنی روح کو ۱۲ کہدے کہ روح میرے پروردگار کا امر ہے ۱۲ سه جیسا کہ میں نے پیدا کیا آدم کو مٹی سے ۱۲ مٹی کی جنس

اور قوت غضبیہ وشہوانیہ گویا شکاری اور سدھے ہوئے کتے اور فرمانبردار گھوڑے کی طرح ہیں کہ ان میں حاکم کا حکم اور ناصح کی نصیحت کا نفاذ اور اجرا ہوتا ہے پس جس وقت یہ حالت قابل اطمینان اور لائق تعریف ہو جائیگی اُسوقت انسان حسن الخلق اور خوب سیرت کہلائیگا اور ان کی بدولت انسان کے تمام اخلاق وعادات درست ہو جائینگے۔

قوت غضبیہ کے اعتدال اور کمی وبیشی کے نتائج

قوت غضبیہ کے اعتدال کا نام شجاعت ہے اور یہی عند اللہ پسندیدہ ہے کیونکہ اگر اس میں زیادتی ہوگی تو اسکا نام تہوّر ہے اور اگر کمی ہوگی تو بزدلی کہلائیگی۔ اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں حالتیں ناپسندیدہ ہیں۔ حالتِ اعتدال یعنی شجاعت سے تلطف وکرم دلیری وجودت بردباری واستقلال نرمی وملاطفت اور غصہ کے ضبط کا مادہ اور ہر کام میں دور اندیشی ووقار پیدا ہوتا ہے اور اگر اس میں زیادتی ہوتی ہے تو ناعاقبت اندیشی ڈینگ مارنا شیخی بگھارنا غصہ سے بھڑک اٹھنا۔ تکبر اور خود پسندی پیدا ہوتی ہے اور اگر اس میں کمی ہوتی ہے تو بزدلی وذلت بے غیرتی و کم حمیتی۔ خساست اور وہ حرکات ظاہر ہوتی ہیں جو بچھچھورا پن کہلاتی ہیں اور شہوت کی حالت اعتدال کا نام پارسائی ہے۔

قوت شہوانیہ کے اعتدال اور افراط وتفریط کے ثمرات

پس اگر شہوت اپنی حدّ اعتدال سے بڑھ جائے گی تو حرص وہوا کہلائیگی۔ حالت معتدل یعنی پارسائی اللہ پاک کو پسند ہے اور اس سے جو خصائل پیدا ہوتے ہیں وہ سخاوت حیا صبر قناعت اتقا کہلاتے ہیں۔ طمع کم ہو جاتی ہے۔ خوف وخشیت اور دوسروں کی مدد کرنیکا مادہ پیدا ہوتا ہے اور حدّ اعتدال سے بڑھنے اور گھٹنے سے حرص ولالچ خوشامد چاپلوسی امرا کے سامنے تذلل اور فقرا کو بنظر حقارت دیکھنا۔ بے حیائی فضول خرچی ریا تنگدلی۔ نامردانگی اور حسد وغیرہ خصائل بد پیدا ہوتے ہیں۔

قوت عقل کی اعتدال اور افراط وتفریط کے آثار

اور قوت عقل میں اگر اعتدال ہوتا ہے تو انسان مدبر ومنتظم اور ذکی وسمجھدار ہوتا ہے کہ اس کی رائے صائب ہوتی اور ہر مضمون میں اسکی طبیعت چلتی اور جودت کھلاتی ہے اور اگر حدّ اعتدال سے بڑھ جائے تو دھوکہ بازی فریب دہی اور مکاری کہلاتی ہے اور اگر عقل کی قوت میں کسی قسم کا نقصان اور ضعف ہوگا تو کند ذہنی وحماقت اور بیوقوفی کہلائیگی جسکا اثر یہ ہوگا کہ ایسا آدمی جلد دوسرے کے دھوکہ میں آجائیگا۔ غرض جسوقت یہ ساری قوتیں حدّ اعتدال پر ہونگی تو اُسوقت انسان کو حسن الخلق یعنی خوب سیرت کہا جائیگا۔ کیونکہ اعتدال سے گھٹنا اور بڑھنا دونوں حالتیں حُسن سے خارج ہیں خیر الامور اوسطہا حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ "نہ اپنے ہاتھ گردن سے باندھ لو کہ بخل کرو اور نہ بالکل کھول دو کہ اسراف کرنے لگو"۔ نیز فرماتا ہے کہ "ہمارے بندوں کی یہ شان ہے کہ نہ وہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل بلکہ اس کے بین بین حالت پر رہتے ہیں۔

بدخصلتی کا علاج نفس پر جبر کرنا ہے

فصل۔ ان بداخلاقیوں کی اصلاح چونکہ ریاضت اور مجاہدہ سے ہو سکتی ہے لہٰذا اگر کسی میں کوئی خلق بُرا موجود ہو تو اُس کو چاہیے کہ نفس پر جبر کرے مثلاً اگر بخل کی عادت ہو تو جبراً وقہراً اسکو ترک کرے اور نفس کو ناراض کر کرکے خرچ کرنے کی عادت ڈالے اور اگر فضول خرچی کا خوگر ہو تو نفس کو فرضی سخاوت سے روکے اور خرچ کرنا بند کرے تاکہ کم خرچی کی عادت ہو جائے۔ پھر جب عادت اصلاح پر آجائیگی تو وہی بین بین حالت پیدا ہو جائے گی۔

جو حق تعالیٰ کو پسند ہے۔ مگر یہ نہ سمجھنا کہ جبراً قہراً خرچ کرنے سے سخی یا بہ تکلف عاجزی کرنے سے متواضع کہلاؤگے نہیں ہرگز نہیں۔ سخاوت اور تواضع تو اُس طبعی حالت کا نام ہے جو بلا تکلّف اور بے تصنّع مال کو موقع پر خرچ کرائے اور دوسروں کے سامنے انکساری کا مضمون خود بخود ظاہر کرائے نہ کہ بہ تکلف۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ انشاء اللہ اس جبر و قہر اور تکلّف کے ساتھ خرچ کرنا یا لوگوں کے سامنے جھکنا اصل سخاوت اور سخی تواضع کا وسیلہ بنجاویگا کیونکہ بہ تکلّف ایکام کو کرتے کرتے اسکی عادت ہوجایا کرتی ہے اور جب عادت ہوجائیگی تو خصلتِ محمودہ سے دل ایسا متصّف ہوجائیگا کہ وہ عمدہ خصلت طبعی بن جائیگی۔ جس طرح حُسن ظاہری میں کمی اور بیشی ہوا کرتی ہے کہ کوئی زیادہ خوبصورت ہوتا ہے اور کوئی کم۔ اسی طرح حُسن باطنی میں بھی لوگ متفاوت ہوتے ہیں۔ پس سب سے زیادہ خوب سیرت تو سرورِ عالم رسول مقبول سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ آپ کی شان میں آیت کریمہ انک[1] لعلی خلق عظیم[2] نازل ہوئی ہے آپ کے بعد جس مسلمان کو آپ کے اخلاق کیساتھ جتنی مناسبت ہوگی اُسی قدر اُسکو حسین سیرت کہینگے اور یہ ظاہر ہے کہ سیرتِ باطنی میں جسقدر بھی جسکو حُسن حاصل ہوگا اُسی قدر اسکو سعادتِ اُخروی حاصل ہوگی کہ کامل درجہ کا حسین شخص معشوق اور محبوب بنجاتا ہے اور پرلے درجہ کا قبیح و بدباطن شخص کمالِ بغض و نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اور درمیانی حالت میں محبّت اور نفرت کے ہزارہا درجے نکلیں گے جن پر انکی مقدار و کیفیت کی مناسبت سے ثمرات اور نتائج متفرّع ہوں گے۔ پس خوب سیرتوں اور بدسیرتوں کی افراد کی جانچ اس پیمانہ سے بآسانی کی جاسکتی ہے۔

(فصل) انسان کو اپنے نفس کی حالت معلوم کرنے میں اکثر دھوکہ ہوجاتا ہے کہ بدخُلق شخص بھی کبھی اپنے آپکو خلیق اور خوب سیرت سمجھنے لگتا ہے چنانچہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان کو غصّہ آجاتا ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ مجھے اللہ واسطے غصّہ آیا ہے جو خوب سیرتی کے لئے ہونا ہی چاہیئے۔ مثلاً اپنی عبادتوں کو لوگوں پر ظاہر کرتا ہے اور نفس یہ دھوکہ دیکر مطمئن بنا دیتا ہے کہ تم نے اس غرض سے عبادتوں کا اظہار کیا ہے تاکہ لوگ اس نیک کام کی رغبت اور اسمیں تمہارا اقتدا کریں۔ یا مثلاً عابد، زاہد، متقی، پابندِ صوم و صلوٰۃ بنتا ہے اور باوجودیکہ یہ سب ریا اور دکھاوے کی نیت سے ہوتا ہے مگر نفس اس عیب کو ظاہر نہیں ہونے دیتا۔ غرض اسی طرح یہ نفسِ امارہ بڑے بڑے دھوکے دیا کرتا اور بدحالی میں مبتلا رکھنے کیلئے عیب کو خوبی بنا کر ظاہر کیا کرتا ہے۔ لہذا مناسب ہے کہ اپنی حالت کسی اپنے مخلص اور صاف گو دوست سے پوچھو کہ وہ تمہیں کیسا سمجھتا ہے چونکہ تمہاری خصلتوں اور عادتوں کا دوسرے لوگ اچھی طرح اندازہ کرسکتے ہیں کیونکہ جن سے واسطہ اور سابقہ پڑتا ہے اور ان کو تمہارے اخلاق کے امتحان کا موقع ملے وہی اچھی طرح جانچ سکتے ہیں۔ پس اگر تمہارے دوست کو تمہاری خیرخواہی ملحوظ ہوگی تو بے تکلّف وہ تم کو بتادے گا کہ فلاں عادت تمہاری خراب ہے پس اُسی کی اصلاح میں تم کو مشغول ہوجانا چاہیئے۔ اور اگر چند عادتیں خراب ظاہر ہوں تو اغلب کی فکر پہلے کرو۔ اور جس کا نتیجہ زیادہ خراب نکل رہا ہو اُس کا علاج سب سے مقدم

حسن خلق میں تکلف اخلاق حسنہ کا وسیلہ ہے۔

حسن خلق کے مراتب اور ثمرات۔

اخلاق کی تفتیش مخلص صادق دوست سے کرو۔

[1] یا نبی تم بڑے خلق پر پیدا کئے گئے ۱۲ [2] مرتب ۱۲

سمجھو۔ مثلاً "دنیا کی محبت" اور یہ ایسی بلا ہے کہ جس سے شاذ ونادر ہی کوئی شخص خالی ہوگا۔ حالانکہ یہی تمام گناہوں کی جڑ ہے۔ پس اس کا علاج مقدم اور سب سے زیادہ ضروری سمجھنا چاہیئے اور وہ یہ ہے کہ "تنہائی میں بیٹھ کر سوچا کرو کہ آخر دنیا کی جانب مجھ کو اسقدر توجہ اور آخرت سے روگردانی کیوں ہے؟ اگر خلوت میں فکر کروگے تو سمجھ میں آجائیگا کہ سوائے جہالت اور غفلت کے کوئی وجہ نہیں ہے۔" تھوڑی دیر کے لیئے مان لو کہ تمھاری عمر سو برس کی بھی ہوئی اور تمھیں تمام سطح[1] زمین کی سلطنت بھی ملگئی مگر پھر کیا؟ آخر فنا ہونا ہے عنقریب وہ دن آنیوالا ہے کہ نہ تم رہوگے اور نہ یہ سلطنت و ملک رہیگا۔ یہ سب تو فنا ہوجائینگے مگر اسکی بدولت ابدی سلطنت جسکو ختم ہونیکا کوئی وقت ہی نہیں تمھارے ہاتھ سے ضرور جاتی رہیگی اور اگر ابد یعنی خلود[2] دوام کی مقدار تمھارے خیال میں نہ آسکے تو یوں تصور کرو کہ "تمام دنیا اس کنارہ سے لیکر اس کنارہ تک اناج سے بھری ہوئی ہے اور ایک پرندہ ہو ہے ایک ہزار برس میں اس لبریز دنیا میں سے ایک دانہ اٹھا لیتا ہے پس اسی طرح ہر ہزار سال میں اناج کا ایک ایک دانہ اٹھانے پر بھی ایک نہ ایک دن یہ دنیا اناج سے ضرور خالی ہوجائیگی پس یہ مدت بھی جسکی ہزاراں ہزار گونہ[3] پر تمھاری گنتی کی حد ختم ہوتی ہے ابد اور دوام کے نام سے موسوم نہیں ہوسکتی کیونکہ ابد اور دوام اس مدت سے بھی لکھو کھا اور کروڑھا گنا زیادہ ہے کیونکہ وہ تو اتنی بیشمار مدت کا نام ہے جسکی کہیں انتہا ہی نہیں پھر بھلا اس عارضی اور فنا ہوجانیوالی سلطنت کی جانب توجہ کرنا اور ابدی دائمی مملکت سے بے پروا اور مستغنی بننا نفس نے کیوں پسند کرلیا؟ پھر یہ بھی سوچو کہ ذرا سی دنیا کی معمولی تجارت میں تم کیسی کیسی مصیبتیں اٹھالیتے اور طلب ریاست میں کیسے کیسے دشوار سفر اختیار کرلیتے ہو۔ حالانکہ ان مصیبتوں اور دشواریوں کے بعد بھی مال اور ریاست کا ملنا بالکل موہوم ہے۔ ممکن ہے کہ اس سے پہلے ہی موت آجائے اور تجارت کا نفع یا سفر کا انجام دیکھنا نصیب نہ ہو یا اگر ریاست بھی مل جائے تو ممکن ہے کہ وہ عیش و آرام اور سکون و اطمینان حاصل نہ ہو جو ریاست سے مقصود ہوتا ہے بہر حال ایسی موہوم دنیوی راحت کی توقع پر بھی یہ صعوبتیں اور مصیبتیں گراں نہیں گذرتیں کیونکہ اپنے خیال میں جتنی عمر اپنی سمجھے ہوئے ہو اسکے مقابلہ پر اس تکلیف و محنت کے ایک یا دو برس کی کوئی حقیقت نہیں سمجھتے اور یوں خیال کرتے ہو کہ برس روز سفر میں رنج کی تکلیف کے سبب عمر بھر کا عیش ملجائیگا۔ حالانکہ جو نسبت تمھاری عمر بلکہ تمام دنیا کی عمر کو ابد اور دوام کیساتھ ہی اس کا ایک ثمہ بھی ایک برس کو تمھاری خیالی عمر کیساتھ ہرگز ہرگز حاصل نہیں ہے۔ پھر دنیا کی زندگی کو اگر آخرت کی ابدی نعمت کے حاصل کرنے میں صرف کرو اور اس چندروزہ محنت اور تکلیف کو وہاں کی دائمی لذت کیلیئے گوارا کرلو تو کیا مشکل ہے؟ مگر یہ ہو کیسے؟ نفس نے تو ایک شوشہ چھوڑ دیا اور دھوکہ میں ڈال رکھا ہے۔ غفلت کیئے جاتے ہو اور کہتے ہو کہ "خدا کریم ہے معاف کرنیوالا ہے سب کچھ بخشدیگا۔ اور بلا عمل کیئے ہوئے ہم کو جنت میں بھیجدیگا"۔ بھلا میں پوچھتا ہوں کہ کھیتی اور تجارت میں ایسا کیوں نہیں خیال کرلیتے ہو کیا آخرت کا خدا کوئی اور ہے اور دنیا کا کوئی اور؟ اور جب دونوں کا خدا ایک ہی ہے تو دنیا کمانے کے متعلق اپنے ہاتھ پاؤں توڑ کر گھر

[1] زمین کا اوپر کا حصہ ۱۲ [2] ہمیشہ رہنا ۱۲ [3] طرح ۱۲ +

میں کیوں نہیں بیٹھتے اور کیوں نہیں خدا پر بھروسہ کرتے کہ جب وہ رزاق اور قادر ہے تو بلا محنت کئے ہوئے
بھی ہمارا پیٹ بھر دیگا۔ اور کیوں نہیں اسکی اُمید رکھتے کہ وہ کسی ویرانہ کا دبا ہوا خزانہ ہم کو سوتے میں
دکھلا دیگا جس سے بلا محنت اور مزدوری کے ہم مالا مال ہو جائینگے؟ مگر افسوس ہے کہ یہاں تو یوں جواب دیتے
ہو کہ معاش کے اسباب کا اختیار کرنا ضروری بات ہے کیونکہ مدفون خزانہ کا ہاتھ لگ جانا تو ایک اتفاقی امر ہے کہ
شاذ و نادر[1] کبھی کسی کے لئے ایسا اتفاق بھی پیش آجاتا ہے۔ مگر ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا پس ایسا ہی آخرت کے متعلق بھی
سمجھو کہ خراب اعمال اور بدکاریوں پر معافی و مغفرت کی توقع کرنا اس سے بھی زیادہ شاذ و نادر ہے کیونکہ حق تعالیٰ
صاف فرما چکا ہے کہ "انسان کو وہی ملیگا جو وہ کریگا۔ اور متقی بندے فاسق و فاجر لوگوں کی برابر نہیں ہوسکتے وغیرہ وغیرہ" دنیا کے
معاملات میں تو اسباب کے اختیار کرنیکو ضروری بھی نہیں فرمایا بلکہ انہیں بے توجہ بنایا اور یوں فرمایا ہے کہ "کوئی جاندار زمین پر
چلنے والا ایسا نہیں ہے کہ جس کا رزق ہمارے ذمہ نہ ہو" تعجب ہے کہ دنیا کمانے میں تو خدا پر بھروسہ نہیں ہے اور آخرت میں بدعملیوں
کی معافی پر وثوق اور بیجا توقع رکھکر اپنا دین برباد کر رہے ہو۔ خوب یاد رکھو کہ یہ شیطانی وسوسہ ہے جس نے مخلوق کو
تباہ اور اعمال سے کاہل بنا کر عبادت و طاعت سے روک رکھا ہے حق تعالیٰ محفوظ رکھے۔

بے محل توقع شیطانی دھوکہ ہے۔

فصل اور اگر تم یہ کہو کہ چونکہ دنیوی معاملات کے نتائج تو آنکھوں سے دیکھتے اور رات دن تجربہ کرتے ہیں اور
آخرت کے معاملات میں سے کوئی واقعہ بھی کسی نے مشاہدہ نہیں کیا اس وجہ سے دنیا کی تحصیل میں رغبت ہوتی اور دین کی
طلب میں غفلت ہے کیونکہ جس شے کو آدمی نے دیکھا نہیں اُس کی واقعی تصدیق دل کے اندر نہیں ہوا کرتی اور یہ بھی
بات ہے کہ ہر شخص نقد کو اُدھار پر ترجیح دیا کرتا ہے لہٰذا طلب دنیا میں ساری تکلیفیں برداشت کر لی جاتی ہیں اور
دین کے متعلق نوافل تو درکنار اصل ارکان اور فرائض بھی ادا ہونے مشکل و دشوار پڑ جاتے ہیں تو اسکا جواب یہ ہے کہ
اگر حق تعالیٰ تمہارے قلب کی آنکھیں روشن فرمادے اور تم صاحبِ بصیرت بنجاؤ تو پھر دینی امور کے انجام بھی دنیا کی
کی طرح تمہارے مشاہدہ میں آجاوینگے اور اگر بصیرت حاصل نہ ہو تو بصیرت والوں یعنی انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام
کے ارشادات میں غور کرو اور دیکھو کہ اس بڑی جماعت میں کوئی بھی ایسا نہیں تھا جو آخرت کی دائمی نعمت اور دائمی تکلیف
کا قائل نہ ہو اور یہ یقینی بات ہے کہ آخرت کی دائمی بہبودی حق تعالیٰ کی طرف توجہ کئے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی۔ اور جب تک
دنیا کی طرف سے منہ نہ پھیروگے اُسوقت تک حق تعالیٰ کی جانب توجہ کیونکر ہوگی؟ پس جب ان باتوں کو سوچ چکے
تو تم کو آخرت پر سچا ایمان اور قلب کو امور غیبیہ پر سکون و اطمینان حاصل ہو جائیگا کیونکہ جو شخص خود اندھا ہو اس
پر لازم ہے کہ وہ کسی سوانکھے شخص کا تابع ہو کر چلے کیونکہ راستہ کی اونچ نیچ اور منزل مقصود تک پہنچنے والی سڑک اسی
کو نظر آسکتی ہے بھلا اگر طبیب کے اندر تم کو دخل نہ ہو اور بیمار ہو جاؤ تو تمہیں بتاؤ کہ اُسوقت طبیب کے کہنے پر تم کو چلنے کی ضرورت
ہے یا نہیں؟ خصوصاً اگر کوئی ایسی صورت ہو کہ جس پر تمام اطباء کا اتفاق ہو تو اسمیں تو تم کو کسی قسم کا شک بھی نہ ہوگا۔ پس یہی

غیب پر ایمان و یقین حاصل کرنیکا طریق۔

[1] جس کا وجود کم ہو یعنی کبھی کبھی ۱۲

روحِ انسانی کی حقیقت۔

حال عقائد کا سمجھو کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام اور تمام اہلِ بصیرت حضرات روحانی طبیب ہیں اور وہ سب کے سب اس پر متفق ہیں کہ آخرت ضرور ہونے والی ہے اور اس چند روزہ زندگی کے نیک و بد اعمال کا بدلہ ضرور ملنے والا ہے لہذا اسمیں شک کرنے کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ ہاں چند آدمی ایسے بھی ہیں جو روح کی حقیقت کو سمجھے ہی نہیں کہ وہ کیا چیز ہے؟ ان کی نظر اسی روحِ جسمانی تک قاصر رہ گئی جس کے ذریعہ سے انسان حس و حرکت کرتا ہے یعنی وہ بخارات جو قلب سے اُٹھتے ہیں اور بدن کی تمام رگوں میں پھیل جاتے ہیں پس اُنھوں نے اسی کو انسانی روح سمجھ لیا حالانکہ یہ روح حیوانات میں بھی موجود ہے پھر انسان اور حیوان میں فرق ہی کیا ہوا؟ خوب سمجھ لو کہ روحِ انسانی کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف ہے چنانچہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "اے محمد کہدو کہ روح امرِ ربی ہے" بس یہی وہ روح ہے جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں اور روحِ الٰہی کی حقیقت کو چونکہ یہ کوتاہ نظر طبیب اور منجم نہیں سمجھ سکتے لہذا انکو دھوکہ ہوا اور آخرت کے منکر ہوکر دہریہ بنگئے کہ جب بدن بگڑ گیا اور بدن کا حس و حرکت جاتا رہا تو وہ مٹی ہوکر مٹی میں ملگیا اور رَل رَلا گیا کہ نہ اسکو اب راحت کا شعور ہو سکتا ہے نہ تکلیف کا۔ ان کم سمجھ لوگوں کی سمجھ پر افسوس ہے کہ اول تو ایک جم غفیر کے مقابلہ پر ان معدودہ چند لوگوں کا قول ہی قابلِ التفات نہیں ہے اور اگر کچھ ہو بھی تو میں پوچھتا ہوں کہ انکے قول کو تم بالکل یقینی سمجھتے ہو یا کچھ تھوڑا بہت اس میں جھوٹ کا احتمال بھی ہے؟ بس اگر جھوٹ کا احتمال ہے تو اب تم ہی بتاؤ کہ احتیاط کس بات کو چاہتی ہے؟ ظاہر ہے کہ احتیاط کا مقتضی یہی ہے کہ آخرت کیلئے سامان جمع کرو اور اسکی فکر کرو کیونکہ اگر مثلاً تم کو بھوک ہو اور کھانا بھی سامنے رکھا ہوا ہے مگر کوئی شخص وثوق کیساتھ بیان کرے کہ اس کھانے میں زہر ملا ہوا ہے اور دوسرا شخص کہے کہ نہیں اسمیں زہر نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ احتیاط کی بنا پر تم اُس کھانے سے ضرور پرہیز کروگے اور یہ سمجھوگے کہ اگرچہ ہمیں زہر ہونے کا یقین نہیں ہے مگر پھر بھی اسکا شبہ اور احتمال چونکہ ضرور ہے لہذا ایک وقت بھوکا رہنا اس مشکوک کھانا کھانے سے بہتر ہے کیونکہ اس کی ایک شق مر جانے کا احتمال ہے اور دوسری صورت میں موت سے تو حفاظت ہے ہاں اگر ہے تو تھوڑی سی بھوک ہی کی تکلیف ہے جس کو آسانی سے برداشت کر سکتے ہیں۔ کہ ذرا سی لذت اگر حاصل ہوئی نہ سہی زندگی تو باقی رہے گی۔ اگر زندگی ہے تو سب کچھ ہے دیکھو ایک شاعر باوجود کثافت عقل کے کیا کہتا ہے اسکے عربی اشعار کا ترجمہ یہ ہے کہ "منجم اور طبیب نے مجھ سے کہا کہ مر جانے والے انسان دوبارہ کبھی زندہ نہ ہونگے میں نے انکو جواب دیا کہ جاؤ دور ہو اور اگر تم سچے ہو تو میرا تو اسوقت بھی کچھ نقصان نہ ہوگا بس اتنا ہی کہ اعمال کچھ کام نہ آئینگے سو نہ سہی تکلیف تو نہ ہوگی اور اگر تم جھوٹے نکلے تب تو ظاہر ہے کہ میں نفع میں رہا اور خسارہ تم کو اٹھانا پڑا کہ تم آخرت کے منکر ہونیکی وجہ سے اسکا کچھ بھی سامان ساتھ نہ لائے اور میں دنیا ہی میں اسکا فکر کر کے تیار ہو آیا تھا" الغرض دنیا میں رہ کر دینی امور کی سعی کرنے اور نیک اعمال کا ذخیرہ فراہم کر لینے کی صورت میں تو بہر حال نفع ہی نفع ہے اور اگر تم یہ ہو کہ ہمیں تو جاہل نجومی اور زندیق طبیب کا قول بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے کہ اسمیں جھوٹ کا مطلق احتمال ہی نہیں ہے نہ تمام انبیاء علیہم السلام

احتیاط اور عقل بھی آخرت کی مقتضی ہے۔

سلہ میرے رب کا حکم ۱۲ سلہ نجومی، علم نجوم جاننے والا ۱۲ +

اور انبیائے کرام کو تو نعوذ باللہ دھوکہ ہوگیا پس نہ آخرت کوئی چیز ہے اور نہ ثواب اور عذاب کوئی بات ہے
اگر خدانخواستہ تمہارا خیال ایسا ہو جائے تو اب تمہارا مرض لاعلاج ہے کیونکہ تمہارے مزاج کا فساد اور
عقل کی رکاکت[1] صراحتہً ظاہر ہوگئی اور پھر بھی تم اسکو عقلمندی سمجھتے ہو کہ بلادلیل ایک وہمی اور لغویات کو یقینی اور
بدیہی بتلاتے ہو ایسی صورت میں علاج اور صحت کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟ بس ہم بھی ایسے شخص کو نصیحت کرنے سے منھ پھیر لینگے
البتہ چلتے چلتے اتنا پھر بھی سمجھائیں گے کہ اچھا میاں اگر دنیا ہی تمہاری محبوب ہے اور یہیں کی راحت اور آرام کے
شیدا ہو تب بھی ہمارے کہنے کے موافق ناپائدار دنیا کے تعلقات کا کم کرنا تم کو ضروری ہے کیونکہ جو مزہ اور راحت و آرام
آزادی میں ہو وہ پابندی میں نہیں ہے پس اگر تم نفس کے پابند ہوگئے اور خواہشات و تعلقات میں جکڑے گئے ہو تو
یاد رکھو کہ ہر قسم کی ذلت و رسوائی اُٹھانی پڑے گی کہ جوتیاں کھاؤ گے اور اپنی جیسی محتاج مخلوق کے آگے ہاتھ پھیلاتے
اور خوشامدیں کرتے پھرو گے۔ دیکھو دنیا کے تعلقات اور بکھیڑے ایسے بُرے ہوتے ہیں کہ بہتیرے کافر جن کو
آخرت پر ایمان نہ تھا وہ بھی تو اُن سے گھبرا اُٹھے اور تارکِ دنیا[2] ہو کر جوگی اور راہب[3] بن گئے۔ انھوں نے
بھی اتنا سمجھ لیا کہ دنیا دل لگانے کے قابل چیز نہیں ہے۔ کیونکہ اس ناپائدار جہان کو ایک دن چھوڑنا ضرور
پڑے گا۔ اور یہاں رہ کر جس کسی سے بھی محبت یا علاقہ رکھا جائے گا وہ بہت جلد منقطع ہو جائے گا۔
کہ یا ہم اس کو چھوڑ کر رخصت ہو جائیں گے۔ اور یا وہ ہم کو چھوڑ کر روانہ ہو جائے گا اور ظاہر ہے
کہ اس مفارقت کا انجام سوائے مصیبت و رنج اور صدمہ و تکلیف کے کچھ بھی نہیں ہے۔ بس جب
کافروں کو آخرت کا بالکل انکار ہونے کی صورت میں دنیا کے تعلقات ترک کرنے کے اندر راحت
معلوم ہوئی تو تم پھر بھی مسلمان کہلائے جاتے ہو پھر معلوم نہیں کہ ان تعلقات میں پھنسنے کو راحت
کا سامان کس طرح سمجھتے ہو؟ اور اگر کسی شخص کو دنیا کی آفتیں اور ناپائداری بھی نظر نہ آئے اور ترکِ
خواہشات و تعلقات کو عقلاً بھی مفید نہ سمجھے تو بس اس احمق کو خدا سمجھے کہ ایسے ہی لوگوں کے بارہ
میں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ ذرھم یاکلوا ویتمتعوا الخ۔ کہ اے محمد ان کو چھوڑو کہ کھائیں اور
مزہ کریں اور ان کی امیدیں ان کو غفلت میں ڈالے رکھیں سو عنقریب ان کو معلوم ہو جائے گا۔

بحمد اللہ دوسری قسم کا مفصل بیان ختم ہوگیا۔ حق تعالیٰ شانہ اس پر عمل کرنے کی توفیق
لوگوں کو مرحمت فرماوے اور اس تحریر کو وسیلۂ ہدایت بنادے آمین بجاہ سید المرسلین۔
وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ وصفیہ محمد
وآلہ واصحابہ اجمعین ٭

نصیحت کا آخری علاج

ضرر دنیا کا علاج دوم

[1] کمزوری و سستی ۱۲ [2] دنیا چھوڑ دینے والا زاہد ۱۲ [3] آبادی سے باہر رہ کر عبادت کرنے والا ۱۲ ٭

تیسری قسم قلب کو اخلاقِ محمودہ کیساتھ مزین و آراستہ کرنیکے بیان میں اور اسمیں بھی دس اصول ہیں

پہلی اصل توبہ کا بیان

توبہ سے حق تعالیٰ کی خوشی کا اندازہ۔

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ "مسلمانو! تم سب اللہ کی طرف رجوع کرو بیشک وہ توبہ کرنیوالوں سے محبت کرتا ہے۔" اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "جس نے گناہ کے بعد توبہ کرلی وہ گویا بے گناہ ہوگیا" حق تعالیٰ کو بندہ کی توبہ سے جتنی خوشی ہوتی ہے اُس کا اندازہ اس سے کرو کہ اگر مثلاً کوئی شخص کسی بے آب و گیاہ اور وہشت ناک جنگل میں پہنچ جائے اور اُس کی سواری مع توشہ کے جو اُس پر رکھا ہوا تھا گم ہوجائے کہ وہ اُس کو ڈھونڈتا ڈھونڈتا تھک جائے اور آخر اس وجہ سے کہ سواری کے بغیر نہ جنگل سے باہر نکل سکتا ہے اور نہ توشہ کے بغیر فاقہ کی موت سے جان بچا سکتا ہے زندگی سے مایوس ہوجائے کہ نہ پیدل چلنے کی طاقت ہے اور نہ وہاں آب و دانہ میسّر آنے کی اُمید۔ اسلئے مایوس ہوکر کسی درخت کے نیچے آلیٹے اور اپنے سر پر ہاتھ رکھکر اس فکر میں ڈوبا ہوا سوجائے کہ اب موت آیا چاہتی ہے اور پھر دفعۃً اُسکی آنکھ کھل جائے اور وہ دیکھے کہ اسکی کھوئی ہوئی سواری اُس کے پاس کھڑی ہے اور کھانے پینے کا سامان جو اُس پر لدا ہوا تھا وہ بجنسہ موجود ہے تو اُسکی ایسی حالت میں اپنی زندگی سے نا امید ہونے کے بعد سرمایۂ حیات ہاتھ لگنے کی وجہ سے جتنی خوشی دفعۃً حاصل ہوگی اس سے زیادہ حق تعالیٰ کو اُسوقت خوشی ہوتی ہے جبکہ بندہ اُسکی جانب رجوع کرتا اور اپنے گناہ سے توبہ کرتا ہے۔ توبہ کے معنی رجوع کرنے اور بُعد سے قریب کی جانب لوٹ آنیکے ہیں مگر اس کیلئے بھی ایک ابتدا ہے اور ایک انتہا ہے۔ ابتدا تو یہ ہے کہ قلب پر نورِ معرفت کی شعاعیں پھیل جاویں اور دل کو اس مضمون کی پوری آگاہی حاصل ہوجائے کہ گناہ سمِّ قاتل اور تباہ کردینے والی شے ہے اور پھر خوف اور ندامت پیدا ہوکر گناہ کی تلافی کرنے کی سچی اور خالص رغبت اتنی پیدا ہوجائے کہ جس گناہ میں مبتلا تھا اُس کو فوراً چھوڑ دے اور آئندہ کے لیے اس گناہ سے بچنے اور پرہیز کرنے کا مصمم قصد کرلے اور اسکے ساتھ ہی جہانتک ہوسکے گذشتہ تقصیر و کوتاہی کا تدارک کرے جب ماضی اور مستقبل اور حال تینوں زمانوں کے متعلق توبہ کا یہ ثمرہ پیدا ہوجائیگا تو گویا توبہ کا وہ کمال حاصل ہوگیا جسکا نام توبہ کی انتہا ہے۔

توبہ کے معنی اور ابتدائی و انتہائی درجہ

دفعل توبہ کے معنی اور حقیقت سمجھنے کے بعد واضح ہوگیا ہوگا کہ توبہ ہر شخص پر واجب ہے کیونکہ حق تعالیٰ تمام مسلمانوں کو مخاطب بناکر فرماتا ہے کہ "اے ایمان والو تم سب توبہ کرو تاکہ فلاح پاؤ۔" چونکہ توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ گناہوں کو اخروی زندگی کیلئے سمِّ قاتل اور مہلک سمجھے اور اُنکے چھوڑنے کا عزم کرے اور اتنا مضمون ایمان کا جزو ہے اسلئے ہر مؤمن پر اسکا واجب اور ضروری ہونا تو ظاہر ہے اب رہا تمام بنی آدم اور ہر فردِ بشر پر توبہ کا وجوب سو اسکی وجہ یہ ہے کہ آدمی چار قسم کی صفات سے مرکب ہے کیونکہ اسکے خمیر میں اول حرص، شہوت اور فسق و فجور داخل ہے جو بہائم کی خصلت ہے۔ دوم غصہ اور حسد اور بغض و

[1] پسندیدہ عادتیں ۱۲ [2] ابن ماجہ وطبرانی۔ کبیر و بیہقی ۱۲ [3] یعنی خالص اور شرائط سمیت ۱۲

عداوت کا مادہ اُسکے اندر موجود ہی جو درندوں کی خاصیت ہے، سوم مکر و فریب اور دھوکہ دہی و مکّاری اسمیں رکھی ہوئی ہے جو شیطانی اخلاق ہیں چہارم۔ کبر و نخوت تعلّی و تفاخر حُبِّ مدح و حُبِّ جاہ حکمرانی و سلطنت حکومت و شان اور غلبہ و عزّت کی طلب کا مادہ اسمیں موجود ہے اور یہ سب ربوبیت[1] کی صفات ہیں۔ ان چاروں خصائل کا اپنے اپنے وقت پر اور موقع پر غلبہ اور اثر ظاہر ہوا کرتا ہی چنانچہ سب سے پہلے زمانۂ طفولیت میں تو بہائم اور حیوانات کی خصلتیں غلبہ کیا کرتی ہیں اور انسان شہوت و حرص میں گویا چوپایہ اور جانور بنجاتا ہی اسکے بعد جب نوجوانی کا زمانہ آتا ہے تو درندوں کی عادتوں کا غلبہ ہوتا ہی کہ ایک دوسرے پر حسد کرتا ہی۔ باہم عداوتیں پیدا ہوتی ہیں کسی سے بغض ہی کسی سے عناد کسی پر غصہ آرہا ہی کسی کو ذرا سی خلافِ طبع بات پر پھاڑے کھاتا اور آپے سے باہر ہوا جاتا ہی۔ چیختا چلّاتا اور دڑوکتا ہے کسی کو نعمت یا خوشحالی میں دیکھتا ہی تو جلتا کلستا اور چھیننے جھپٹنے کی فکر میں طیش کھایا کرتا ہی غرض اس حالت میں وہ اور درندہ گویا ہم جنس بنجاتے ہیں پھر جب اسکے بعد عالمِ شباب کا شباب ہوتا ہی اور بدن میں قوت آجاتی ہی تو یہ بہائم[2] و درندوں[3] کی خصلتیں چاہتی ہیں کہ اپنی خواہشیں پوری کرو یعنی مرغوب اور پسندیدہ شئی کو حاصل کریں اور دشمن و ناپسندیدہ امر کو زیرِ خاک بلائیں پس اسوقت شیطانی اخلاق ظاہر ہوتے اور اپنا غلبہ کرتے ہیں کہ ابھی کسی شئے کی خواہش پوری ہوئی اور فریب دھوکہ بازی نے مدد کر اسکا اقرار کیا۔ ابھی کسی دشمن پر غصہ آیا اور فوراً مکّاری و حیلہ سازی نے اپنی دانائی و ہوشیاری کو پیش کیا غرض اخلاقِ شیطانیہ اس زمانہ میں خصائل بہیمیہ اور عاداتِ سبعیہ کے نفاذ میں معین و مددگار بنتے اور انسان کو شیطانِ مجسّم بنادیتے ہیں اور جب اسمیں کامیابی و ظفر اور اپنی حسبِ منشا کارروائیوں میں فتح نظر آنے لگتی ہی تو پھر تکبّر و تعلّی پیدا ہو جاتی ہے اور وہ چاہتا ہی کہ ہر شخص اسکی مدد کرے ہر شخص اسکا مطیع و فرمانبردار ہو جاوے۔ ہر شخص اسکی بڑائی اور کمال کا معترف ہو۔ ہر شخص اسکو عقلمند اور واجب التعظیم سمجھے غرض ایسی فرعونیت ذہن میں سماتی ہی کہ "ہم چو ما دیگرے نیست" کا پتلا مجسّم بنجاتا ہی اور جب ان چاروں خصلتوں کا ظہور ہو لیتا ہی تو اب عقل کی قندیل اپنا مُنھ دکھاتی ہی جسمیں ایمان کا چراغ روشن ہوتا اور اسکو بھلے اور بُرے میں امتیاز کا موقع دیتا ہے اگر یہ روشنی ظاہر نہ ہو تو خصائلِ مذکورہ کی ظلمت و تاریکی سے نجات ملنی دشوار ہو جاوے مگر ساتھ ہی اسکو یہ بھی ہی کہ قندیلِ عقل اور مشعلِ ایمانی کا نور چالیس سال کی عمر میں کمال پر پہنچتا ہی اور جو بد خصلتیں بلوغ کے وقت سے پیدا ہونے لگی تھیں ان کی اصلیت اور حقیقت اچھی طرح کھل جاتی ہی پس جسوقت یہ نور نظر آتا ہی تو انسان کا قلب گویا جنگ کا ایک وسیع میدان ہوتا ہے جس میں اس ظلمانی لشکر یعنی چاروں خصائلِ مذکورہ کی اس خدائی لشکر یعنی عقل اور نورِ ایمان کے ساتھ جنگ ہوتی ہے اور دونوں لشکروں میں سے ہر ایک چاہتا ہے کہ دوسرے کو مغلوب اور اپنا تابع فرمان غلام بنالے پس اگر نورِ عقل کمزور رہا تو شیطانی لشکر فتحیاب ہو کر قلب پر مسلّط ہو جاتا اور دشمن سے بیخوف ہو کر قلبِ انسان پر قبضہ اور حکومت کرنے لگتا ہی اور اگر شیطانی گروہ پسپا ہوا اور میدانِ جنگ عقل اور ایمان کے

بدخصائل کا مادہ اپنے اپنے وقت پر غلبہ کھلاتا ہے۔

قلب انسان ظلمانی اور نورانی لشکر کی جنگ کا میدان ہے۔

[1] رب ہونا ۱۲ [2] چوپایوں والی ۱۲ [3] درندوں والی ۱۲ +

ہاتھ رہا تو انسان کی حالت سنور جاتی اور طبیعت مہذب بنجاتی ہے اور چونکہ بنی آدم کی فطرت ہی اس جنگ و کارزار کو مقتضی ہے اسلئے ہر شخص کیلئے اسکا پیش آنا لازمی ہے پس ثابت ہو گیا کہ توبہ سے کوئی شخص بھی مستغنی نہیں ہے کیونکہ اس نورِ عقل ہی کا نام توبہ ہے جو معرکہ کے وقت ظلمانی لشکر یعنی خصائلِ شیطانیہ و بہیمیہ کا مدمقابل بنتا اور انسان کو اس پاک شریعت کا تابعدار بنانیکی کوشش کرتا ہے جس سے آخرت کی فلاح اور ابدی نجات حاصل ہوتی ہے اور چونکہ کوئی انسان کسی وقت بھی گناہ سے خالی نہیں ہے اسلئے کوئی وقت بھی ایسا نہ ہوگا جسمیں کوئی شخص توبہ سے مستغنی ہو۔ کیونکہ انسان کسی حال اور کسی رتبہ کا بھی ہو یہ ضروری ہے کہ یا تو اسکے اعضا میں سے کوئی عضو کسی گناہ کا مرتکب ہو رہا ہوگا۔ اور یا قلب سے کوئی گناہ ثابت ہو رہا ہوگا یعنی یا تو جوارح کسی خلاف شرع حالت میں ملوث ہونگے اور یا قلب کسی مذموم خصلت یا ایسی بدعادت میں ضرور مبتلا ہوگا کہ جسکی اصلاح کیلئے توبہ کی حاجت ہو گی اور اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ کوئی انسان فرشتہ سیرت اور ایسا مہذب بنگیا کہ اسکی کوئی عادت اور کوئی خصلت بھی ایسی نہیں ہے جسکو اصلاح کی ضرورت ہو تب بھی کوئی وقت تو ایسا ضرور ہوگا جسمیں حق تعالیٰ کی یاد سے اسکو غفلت ہوگی اور چونکہ حق تعالیٰ کا حکم ہے کہ "جب اپنے پروردگار کو بھولو تو فوراً یاد کرلو" اسلئے پھر بھی اس حالت سے رجوع کرنے اور غفلت سے یاد کی طرف پلٹنے کی ضرورت ہوئی اور اسی رجوع کا نام توبہ ہے اور اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ کوئی شخص خدا کی یاد میں ہر آن مستغرق اور محو ہے کہ کوئی لحظہ بھی قلب کو غفلت نہیں ہوتی اگرچہ اس درجہ استغراق دشوار بلکہ قریب قریب ناممکن کے ہے تاہم اگر ایسا مان بھی لیا جائے تو ہم کہیں گے کہ انسان جس مقام اور جس مرتبہ میں ہے اس سے عالی مرتبہ پر پہنچنے سے پہلے پہلے پھر بھی توبہ کا محتاج ہے کیونکہ ہر مقام اور ہر مرتبہ اپنے عالی اور مافوق مقام و مرتبہ کے اعتبار سے ناقص کہلاتا ہے اور ناقص سے باہر نکلنا اور عالی و کامل پر پہنچنا ہر شخص پر لازمی ہے پس جبتک بھی اسمیں رہیگا تو ضرور توبہ کا محتاج رہیگا اور جب دوسرے درجہ پر پہنچے گا تو چونکہ وہ درجہ بھی اپنے مافوق درجہ کے اعتبار سے ناقص ہے اس لئے جبتک اس سے باہر نہ نکلے اور اوپر نہ پہنچے اسوقت تک وہاں بھی توبہ کا حاجتمند ہوگا اسی طرح سلسلہ چڑھتا رہیگا کہ جوں جوں ترقی کریگا ووں ووں توبہ کا ضرورتمند ہوتا رہیگا اور چونکہ مراتب قربِ خداوندی غیر متناہی ہیں یعنی کوئی مرتبہ بھی ایسا نہیں ہے جسکے مافوق اور بالا کوئی دوسرا مرتبہ نہ ہو۔ لہذا کوئی حالت بھی ایسی نہ نکلے گی جس میں انسان کو نسبتاً ناقص مرتبہ میں رہنے کی وجہ سے خطاوار عاجز اور عالی مرتبہ تک نہ پہنچنے کے سبب توبہ کا ضرورتمند نہ کہا جائے۔ یہی بات ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی معصوم و بےگناہ ذات کے متعلق فرماتے ہیں کہ "میں رات دن میں ستر مرتبہ توبہ اور استغفار کیا کرتا ہوں"۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ عام لوگوں کی توبہ ظاہری گناہوں سے ہوا کرتی ہے اور صالحین کی توبہ باطنی گناہوں اور مذموم اخلاق سے ہوا کرتی ہے اور متقین کی توبہ شک و شبہات کے ابتلاء سے ہوتی ہے اور محبین کی توبہ اس غفلت سے ہوتی ہے جس نے ذکرِ الٰہی کو کسی لحظہ میں بھلا دیا تھا اور عارفین کی توبہ اس مقام سے

کوئی انسان کسی وقت بھی گناہ سے خالی نہیں

ے میدان جنگ ۱۲ ے تاریکی والا ۱۲ ے کامیابی اور ہمیشہ کی نجات ے ظاہری اعضاء ۱۲ ے آلودہ ۱۲ ے ختم ہونیوالا ۱۲ ے اوپر ۱۲ ے مسلم

ہوتی ہے جس پر پہنچے ہوئے ہیں مگر اسکے مافوق دوسرا مرتبہ ہے جس پر اُن کو پہنچنا چاہئے۔ اور چونکہ حق تعالیٰ کی قرب کے مراتب و مقامات غیر متناہی اور بیشمار ہیں لہٰذا عارفین کی توبہ کا کوئی منتہیٰ[1] نہیں۔ اور نہ اس کے خاتمہ کا کوئی وقت معین ہے۔ (**فصل**) توبہ کی جب تمام شرائط پوری ہوجائینگی تو اسکی قبولیت میں شک ہوگا کیونکہ توبہ قبول ہونے کے یہ معنی ہیں کہ انسان کے قلب میں انوارِ معرفت کی تجلیات کے قبول کرنیکی استعداد پیدا ہوجائے اور ظاہر ہے کہ انسان کا قلب آئینہ کی مانند ہے جس پر خواہشات نفسانیہ اور حرص و ہوا کی باعث غبار جم جاتا ہے یا گناہ کی وجہ سے سیاہی چھا جاتی ہے مگر نیک کام جو بمنزلہ نور کے ہیں اپنی روشنی اور چمک سے اس تاریکی کو دور کرکے آئینۂ قلب کی صیقل کرتے رہتے ہیں اس لئے جب انسان کوئی نیک کام کریگا اور نادم و پشیمان ہوکر حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوگا تو ضرور ایسی حالت ہوگی جیسے کپڑے پر صابون لگانیسے ہوتی ہے کہ اگر صابون باقاعدہ لگایا گیا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ میل نہ اُترے اسی طرح اگر دل اخلاص و توجّہ کے ساتھ خدا کی طرف متوجہ ہوا ہے تو ممکن نہیں کہ قلب میں صفائی و انشراح[2] اور تجلیاتِ معرفت کی استعداد و قابلیت نہ پیدا ہو۔ ہاں بعض بزرگونکو توبہ کے بعد قبولیتِ توبہ میں جو شک ہوا ہے وہ حقیقت میں قبولیتِ توبہ کے شرائط جمع ہونے میں شک ہوا ہے کہ خدا معلوم ساری شرطیں ہوئیں یا نہیں؟ جیسے کوئی شخص مسہلہ دوا پئے اور پھر بھی اُسکو دستوں کے آنے میں شک ہو تو یہ شک دوا کے دست آور ہونے میں نہیں ہے بلکہ اس امر میں شک ہے کہ مسہل کی شرائط پوری طرح ادا ہوگئیں یا نہیں؟ یعنی دوا کے اجزاء پوری مقدار پر تھے بھی یا کم و بیش ہوگئے؟ موسم و وقت اسہال کے مناسب بھی تھا یا نہ تھا اور اگر ان جملہ امور میں اطمینان ہو تو پھر دستوں کے آنے اور غلیظ و متعفن مادہ کے خارج ہوجانے میں کبھی شک نہ ہوگا اسی طرح اگر توبہ کے تمام شرائط جمع ہونے کا پورا یقین ہوجائے تو پھر اس کی قبولیت میں شک ہونے کے کوئی معنی ہی نہیں۔

غرض جب ثابت ہوگیا کہ ہر شخص کو توبہ کی ضرورت ہے اور ہر فرد بشر اس معالجہ کا محتاج ہے تو اس میں غفلت کرنا ٹھیک ہے کیونکہ غفلت اور ہوائے نفس ایسا مہلک مرض ہے جسکی وجہ سے انسان خدا کی معصیت[3] اور گناہ کے کام پر اصرار اور مداومت کرنے لگتا ہے اور ظاہر ہے کہ اصرار یعنی بار بار کرنے سے صغیرہ گناہ بھی کبیرہ ہوجاتا ہے پس جب اس اصرار کو چھوڑ دوگے تو اس باطنی مرض سے نجات ملجائیگی۔ خوب یاد رکھو کہ غفلت کا باطنی مرض بخار جاڑا۔ پھنسی پھوڑا وغیرہ یعنی جسم کے ظاہری امراض سے بہت بڑھا ہوا ہے اور اس کی کئی وجہ ہیں۔ **اوّل** تو یہی وجہ ہے کہ بدن کے امراض نظر آتے ہیں اور یہ مرض نظر نہیں آتا۔ اس کی مثال ایسی سمجھو جیسے کسی شخص کے چہرہ پر برص کے داغ سفید ہوں اور اتفاق سے آئینہ بھی موجود نہ ہو جسمیں منھ دیکھکر اپنا مرض معلوم کرلے تو یہ مرض زیادہ خطرناک ہوگا کیونکہ ممکن ہے کہ دوسرے کے کہنے کا اس کو یقین نہ آئے اور اُسی بے اعتباری میں اس کا مرض دن بدن بڑھتا جائے۔ **دوم** اس وجہ سے کہ غفلت کے باطنی مرض کا انجام انسان نے دیکھا نہیں اور اس انجام کے نہ دیکھنے

شرائط توبہ پورا ہوجانے کے بعد قبولیت میں شک نہیں

غفلت کا باطنی مرض ظاہری امراض سے بڑھا ہوا ہے

[1] انتہا ۱۲ [2] کھلجانا یا فرحت ۱۲ [3] فساد مزاج سے بدن کا بگڑ جانا ۱۲

ہی کی وجہ سے حق تعالیٰ کی معافی پر بھروسہ کرکے ایسا مطمئن اور بے فکر ہو بیٹھا کہ علاج کی طرف مطلق توجہ نہیں کرتا برخلاف بدنی امراض کے کہ ان کا نتیجہ وانجام اسکے تجربہ میں آچکا ہے اور اسلیئے یہاں خدا پر بھروسہ نہیں ہوتا بلکہ علاج میں غایت درجہ کی کوشش کی جاتی ہے حالانکہ ظاہر ہے کہ ہر قسم کے جملہ امراض کا پیدا کرنیوالا اور شفا دینے والا وہی خدا ہے خواہ امراضِ جسمانی ہوں یا روحانی اور ظاہری ہوں یا باطنی۔ **سوم** اسوجہ سے کہ اس باطنی مرض کے طبیب مفقود ہوگئے اور یہ بات نہایت درجہ افسوس وحسرت کے قابل ہے کیونکہ اس قلبی مرض کے طبیب علماءِ شریعت اور عقلاءِ زمانہ تھے اور وہ خود باطنی بیماریوں میں مبتلا ہو رہے ہیں پھر جب اُنکو اپنے ہی علاج کی خبر نہیں تو دوسروں کا علاج وہ کیا کرینگے؟ ظاہر ہے کہ سب سے زیادہ مہلک مرض دنیا اور مالِ دنیا کی محبت ہے اور اس زمانہ پُر آشوب میں سب سے زیادہ اس مرض کے اندر علما ہی گرفتار نظر آتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ دوسروں کو دنیا کی محبت سے روکنے اور منع کرنے کی اُنکو جرأت نہیں ہوتی بلکہ اپنی رسوائی کے اندیشہ سے وہ یہ بھی نہیں ظاہر کرسکتے کہ دنیا کی محبت بُری چیز اور باطنی امراض میں ایسا مہلک مرض ہے جس سے جانبری دشوار ہے بس یہی وجہ ہے کہ یہ مرض لاعلاج ہوگیا کیونکہ جب طاعون یا وبائی مرض عام طور پر پھیل جائے اور دوا کا پتہ بھی نہ مل سکے اور طبیب خود مریض اور اُسی مرض کے بیمار بنے ہوئے ہوں تو بھلا اس سے نجات کیونکر حاصل ہو؟ سب سے زیادہ مصیبت یہ ہے کہ اُن روحانی طبیبوں یعنی علماء کی دیکھا دیکھی عوام الناس کو محبتِ دنیا کی رغبت بڑھ گئی اور پرہیز یا دوا علاج کی طرف توجہ کرنیکی کوئی سبیل بھی باقی نہ رہی کیونکہ یہی وہ اصحاب ہیں جنکی تقلید کی جاتی ہے اور عام آدمی انھیں کو اپنا پیشوا اور مقتدا سمجھتے ہیں پس جب انھیں کو محبتِ دنیا میں گرفتار دیکھینگے تو پھر اسکو اچھی بات سمجھکر کیوں نہ اقتدا کرینگے؟ اور جب اقتدا کرینگے تو پھر اصلاح کی کیا صورت؟ افسوس کہ جن کو طبیب بنا کر دنیا میں بھیجا گیا تھا اُنھوں نے بجائے علاج کے مرض کو اور بڑھا دیا جو لوگ مصلح بنکر آئے تھے وہ مفسد بن گئے اور جنکو راہبر تجویز کیا گیا تھا وہ خود گمراہ ہو کر دوسروں کا راستہ کھوٹا کرنے کے درپے ہو گئے۔ گویا شیریں چشمہ کے دہانہ پر پتھر رکھکر اڑ گئے کہ نہ خود پانی پئیں اور نہ دوسروں کو پینے دیں۔ اے کاش اُنسے دنیا خالی ہو جائے اور یہ پتھر دہانہ سے سرک جائے اگر وہ خود نا قابل ہیں تو سہی مگر چشمہ کا دہانہ کیوں روکے ہوئے ہیں؟ پرے ہوں۔ الگ ہٹیں کہ دوسرے تشنہ کام تو سیراب ہو جائیں۔ غرض اس باطنی مرض کا خلاصہ علاج یہ ہے کہ سبب ڈھونڈو اور گناہ کے اصرار پر توجہ کرو کہ کیوں ہے یاد رکھو کہ کسی گناہ پر اصرار جو ہوا کرتا ہے تو مفصلۂ ذیل پانچ اسباب میں سے کسی ایک سبب سے ہوا کرتا ہے۔ **اول** یہ کہ گناہ پر جو سزا حق تعالیٰ نے تجویز فرمائی ہے وہ گناہ کرتے ہی دست بدست نہیں ملا کرتی اور ظاہر ہے کہ جس فعل کا نتیجہ دست بدست نہیں ملتا ذہن میں اُسکی وقعت نہیں ہوا کرتی لہٰذا گناہ پر اصرار ہونے لگتا ہے اس کا علاج یہ ہے کہ سوچنا اور جاننا چاہیے کہ جو چیز ایک دن ضرور آنیوالی ہے وہ قریب ہی ہے کیونکہ بعید تو اُس کو کہنا چاہیے جو آنے والی نہیں اور جو ایک دن آنیوالی ہے وہ بعید کہاں خصوصاً کہ جس کا آنا یقینی بھی ہے اور پھر اُس کا وقت بھی مقرر نہیں تو اُسکے بعید ہونے کے تو کوئی معنی ہی نہیں کیا خبر ہے کہ آج ہی کا دن آخری دن اور یہی مہینہ آخری مہینہ اور یہی سال تمھاری عمر کا آخری سال ہو

لہ قرآن سے لبریز ۱۲ ملہ پیالے مُنہ ۱۲ +

اس کی طرف غفلت کرنا حماقت ہی پھر یہ بھی سوچو کہ آئندہ کے افلاس کے اندیشہ سے معاش کے حاصل کرنیکی فکر میں تم کیسے کیسے دُور دراز کے سفر اور مصائب برداشت کرتے ہو تو کیا آخرت کی پائدار زندگی کا اتنا بھی فکر نہ ہو جتنا دنیا کی بہت ہی جلد ختم ہوجانیوالی ناپائدار زندگی کا ہوتا ہی۔ **دوسرا سبب** یہ ہے کہ نفس کو اپنی مرغوب خواہشوں اور لذتوں میں مزا آرہا ہی لہٰذا انکا چھوڑنا اسکو ناگوار گذرتا ہی اس کا علاج یہ ہے کہ سوچو اور غور کرو کہ اگر کوئی انگریز ڈاکٹر یوں کہدے کہ "میاں ٹھنڈا پانی تمھیں مضر ہے تم اُسکے پاس بھی نہ جانا ورنہ مرجاؤگے" تو میں تم سے پوچھتا ہوں کہ ڈاکٹر کی اس نصیحت کا تم پر کیا اثر ہوگا؟ ظاہر ہے کہ زندگی برباد ہوجانے کے خوف سے ٹھنڈے پانی جیسی لذیذ نعمت بھی تم سے ضرور چھوٹ جائیگی حالانکہ وہ ایک انسان کا قول ہے اور انسان بھی کافر جسمیں جھوٹ کے سیکڑوں احتمال نکل سکتے ہیں پھر بھلا خداوندکریم کی مضر بتلائی ہوئی خواہشات کو چھوڑنے میں کیا تامل ہے کیا اللہ اور اللہ کے سچے رسول کا ارشاد کسی کافر طبیب کے قول کے بھی برابر نہیں ہے یا جسمانی مرض سے مرجانا کیا ہمیشہ آگ میں جلنے سے بھی زیادہ تکلیف والا ہی؟ پھر یہ بھی تو سوچو کہ جب تمھارا نفس اس قدر لذت پسند اور خواہشات کا پابند ہی کہ دنیا میں چندروز کیلئے معمولی لذتوں کا چھوڑنا بھی اسکو شاق گذرتا ہی تو یہاں ان ناپائدار لذتوں کے حاصل کرنے کی بدولت جب آخرت کی دائمی نعمتیں چھن گئیں تو اُن کے چھوڑنے اور ہمیشہ ہمیشہ کیلئے آگ میں جلنے کی وہ برداشت کس طرح کریگا **تیسرا سبب** یہ ہے کہ نفس نے تم کو کاہلی کا سبق پڑھایا اور یہ شوشہ چھوڑ دیا ہی کہ میاں توبہ کی ایسی جلدی ہی کیا ہے؟ آج نہیں تو کل کرلیں گے۔ غرض اسی طرح دن پردن گذرتے رہتے ہیں اور توبہ کی توفیق نہیں ہوتی۔ اس تعویق اور تاخیر اور آجکل میں وقت برابر ہوجاتا اور موت آجاتی ہی پس اگر گناہ پر اصرار کرنیکا باعث یہ کاہلی ہوئی تو اس مضمون کو سوچنا چاہئے کہ انجام کا حال کسی کو معلوم نہیں کہ کب ہوگا۔ کون کہہ سکتا ہی کہ تم کل کو زندہ بھی رہوگے اور توبہ نصیب ہوجائیگی؟ خوب یاد رکھو کہ ایسے ہی لوگ جہنم کا ایندھن بنیں گے جنھوں نے توبہ کرنے کو امروز فردا میں ٹال رکھا تھا یہانتک کہ موت نے آپکڑا۔ دوسرے یہ بھی سوچنے کے قابل بات ہی کہ جب نفس کو لذت کا چھوڑنا آج دشوار ہورہا ہی تو بھلا کل کو جبکہ شہوت کی لذت اور مضبوط ہوجائیگی تو نفس سے کیونکر چھوٹ سکے گی اسکی مثال تو ایسی ہوگی جیسے تم کو کسی درخت کے اُکھاڑنے کا حکم ہوجائے اور تم یوں کہو کہ جناب اس سال تو نہیں ہاں اگلے سال اُکھاڑ دونگا حالانکہ تم خوب جانتے ہو کہ درخت کی جڑ دن بدن مضبوط ہوگی اور تمھاری قوت روز بروز گھٹے گی اور ضعف بڑھیگا پس جس درخت کو آج نہیں اُکھاڑ سکتے اُسکو آئندہ سال کس طرح اُکھاڑ سکوگے؟ **چوتھا سبب** یہ ہے کہ نفس نے حق تعالیٰ کے عفو و کرم کا آرزومند بنا رکھا ہی اور یہ شوشہ چھوڑ دیا ہی کہ میاں خدا کو ہمارے گناہوں کی پرواہی کیا ہے وہ بڑا غفور رحیم ہی سارے گناہ بخشدیگا۔ خوب یاد رکھو کہ یہ نفس کی مکاری اور حیلہ جوئی ہی کہ شیطان نے اس دھوکہ پر چڑھاکر اپنا کام بنالیا اور اس غرہ کو اپنی کاربرآری کا آلہ گردان لیا ہی حدیث میں آیا ہی کہ "عقلمند وہی ہی جس نے اپنے نفس کو مطیع بنالیا اور مرنیکے بعد کام آنیوالا ذخیرہ جمع کیا اور احمق ہی وہ شخص جس نے خواہشات کا اتباع کیا اور پھر خدا سے عفو و کرم کا آرزومند رہا۔ **پانچواں سبب** یہ ہے کہ معاذاللہ قیامت کی ہونے

توبہ میں آج کل کرنے کا دوسرا سبب اور اس کا علاج۔

تیسرا سبب اور اس کا علاج۔

چوتھا اور پانچواں سبب اور اسکا علاج۔

لہ گھمنڈ ۱۲ سلہ احمد و ترمذی و حاکم ۱۲

صغیرہ گناہ پر اصرار کرنا کبیرہ گناہ سے زیادہ مضر ہے

اور معاملہ آخرت کے پیش آنے میں شک یا شبہ ہے۔ اسکا علاج اخلاقِ ذمیمہ کے خاتمہ میں بیان ہوچکا ہے وہاں دیکھو اور اسکے موافق عمل کرو۔ (**فصل**) یوں تو تمام گناہوں سے توبہ کرنا ضروری ہے مگر کبیرہ گناہوں سے توبہ کرنا تو نہایت ہی ضروری ہے اور یہ معلوم ہوچکا ہے کہ صغیرہ گناہ بھی اصرار کرنے سے کبیرہ ہوجاتا ہے بلکہ صغیرہ گناہ جب بار بار کیا جاتا ہے تو ایک مرتبہ کسی کبیرہ گناہ کر لینے کی بہ نسبت قلب کو زیادہ سیاہ کر دیتا ہے اسکی مثال ایسی ہے جیسے "کسی سخت پتھر پر ایک ایک قطرہ کا بار بار متواتر ٹپکنا اور یکبارگی موسلا دھار کا برس جانا" یہ ظاہر ہے کہ ایک قطرہ باوجودیکہ حقیر اور بہت ہی بے وقعت چیز ہے مگر بار بار پڑنے کی وجہ سے ایک نہ ایک دن پتھر میں بھی سوراخ کر دیگا برخلاف موسلا دھار مینہ کے اگرچہ وہ کئی لاکھ قطروں کا مجموعہ ہے مگر یکبارگی برسنے سے اس کا وہ اثر نہ ہوگا جو ایک قطرہ نے آہستہ آہستہ کر دکھایا تھا۔ اسی طرح چھوٹا گناہ آہستہ آہستہ قلب پر جو اثر کرتا رہتا ہے وہ کبیرہ گناہ کے یکبارگی اثر کی بہ نسبت بہت ہی اندیشہ ناک ہوتا ہے اور اسکی کئی وجہ ہیں۔

اول وجہ تو یہ کہ صغیرہ گناہ کی ذہن میں وقعت نہیں ہوتی اور اس کو معمولی گناہ سمجھ کر بے پروائی کی جاتی ہے۔ برخلاف کبیرہ گناہ کے کہ اسکی برائی کے سبب امید ہے کہ اس سے بچنے اور باز آجانے کی طرف توجہ ہوجائے اسی بنا پر ایک شیخ کا مقولہ ہے کہ جس گناہ کی بخشش نہ ہوگی وہ گناہ وہ ہے جس کو بندہ معمولی سمجھتا اور کہتا ہے کہ کاش سارے گناہ ایسے ہی ہوتے۔ **دوسرا سبب** یہ ہے کہ صغیرہ گناہ کو بسا اوقات انسان نعمت سمجھتا اور خوش ہوتا ہے چنانچہ لوگوں کو اکثر کہتے سنا ہے کہ "دیکھا میں نے اسکو کیونکر جواب دیا کیسا بدلہ لیا کیسی آبرو خاک میں ملادی کیسا دھوکہ دیا" اور ظاہر ہے کہ گناہ پر خوش ہونا زیادہ مضرت رساں اور قلب کا سیاہ کرنے والا ہے **تیسرا سبب** یہ ہے کہ اکثر حق تعالیٰ کی پردہ پوشی کو بہ نظرِ حقارت دیکھتا اور اپنی کرامت و بزرگی سمجھنے لگتا ہے یعنی یہ خیال کرتا ہے کہ میں خدا کے نزدیک ذی مرتبہ شخص ہوں کہ میرے گناہ ظاہر نہیں ہوئے اور یہ خبر نہیں ہے کہ خدا کی طرف سے ڈھیل دی جارہی ہے تاکہ گناہ زیادہ ہوجائیں اور یک لخت دھر پکڑا جائے۔ اور اسفل السافلین[ل] میں جھونک دیا جائے۔ **چوتھا** سبب یہ ہے کہ صغیرہ گناہ کو اس کے صغیرہ ہونے کی بنا پر لوگوں میں ظاہر اور شائع کرتا پھرتا ہے حالانکہ حدیث[ع] میں آیا ہے کہ "تمام گناہ گار بخشدیئے جائینگے مگر گناہوں کا اعلان و افشا کرنے والے لوگ نہ بخشے جائینگے۔ **پانچویں** اگر کسی عالم یا صوفی یعنی مقتدا سے کوئی صغیرہ گناہ ہوتا ہے تو اس کا اثر اور بھی زیادہ برا پڑتا ہے کیونکہ عام لوگ اسکو دیکھکر اس گناہ میں بیباکانہ مبتلا ہوجاتے ہیں اور اس طرح پر گناہ کا ایک سلسلہ قائم ہوجاتا ہے گویا یہ صغیرہ گناہ اتنا دراز ہوجاتا ہے کہ اسکے مرنے کے بعد بھی باقی رہتا ہے اس کی دیکھا دیکھی جن لوگوں نے بھی اس گناہ کو اختیار کیا ہے سب کا وبال اس کے نامۂ اعمال میں درج ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ باقی رہنے والا گناہ ختم ہوجانیوالے گناہ سے بدتر ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس گناہ کا بقا صغیرہ ہونیکی وجہ سے ہی ہوا ہے پس خوشا قسمت اسکی جو اپنے مرنے کیساتھ اپنے گناہ بھی دنیا سے لے جائے۔

بنی اسرائیل میں ایک عالم نے جب اپنے گناہوں سے توبہ کی تو اس زمانہ کے پیغمبر پر وحی نازل ہوئی کہ اگر اسکے گناہ میرے اور اسکے درمیان ہی رہتے تو میں بخشدیتا مگر اس نے تو مقتدا بنکر میرے دوسرے بندوں کو بھی گناہوں میں مبتلا کیا اور جہنم میں داخل کرایا

ل؎ سب نچلوں سے نیچے ۱۲ ع؎ مضمون بخاری و مسلم ۱۲

خلاصہ یہ ہے کہ توبہ کرنا ہر گناہ سے ہر فرد بشر پر ضروری ہے اور توبہ اُسی وقت ہوسکتی ہے جبکہ دل میں خدا کا خوف ہو لہذا مناسب ہے کہ خوف کی فضیلت بیان کردی جائے۔

دوسری اصل خوف کا بیان

حق تعالیٰ کا خوف جملہ نیک کاموں میں رغبت کرنے اور تمام گناہوں سے بچنے کا ذریعہ ہے۔ خوف کرنیوالوں کی شان میں حق تعالیٰ نے ہدایت رحمت علم اور رضا کی محمود خصلتیں جمع فرمائی ہیں۔ جو شخص خدا سے ڈرتا ہے اُس سے ہر شے ڈرنے لگتی ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ "کسی بندہ کو دو خوف نصیب نہ ہوں گے" یعنی جو بندہ دنیا میں خدا کا خوف رکھے گا وہ آخرت میں بے خوف ہوگا اور جو دنیا میں خدا سے نڈر رہا اُس کو آخرت میں امن واطمینان نصیب نہ ہوگا۔ خوف کے حقیقی معنی یہ ہیں کہ کسی آنیوالی تکلیف کے اندیشہ سے دل دُکھے اور سوزش پیدا ہو اور ظاہر ہے کہ جبتک حق تعالیٰ کی صفاتِ جلالیہ کی معرفت حاصل نہ ہوگی اُس وقت تک خوف پیدا نہ ہوگا اور جب یہ اچھی طرح ذہن نشین ہوجائیگا کہ خداوند تعالیٰ ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی چیز پر ایسا قادر ہے کہ دم میں جو چاہے کرے کہ مخلوق میں کوئی شخص چوں بھی نہیں کرسکتا تو اس وقت خوف اور خشیۃ پیدا ہوجائیگا۔ پس اگر خوف پیدا کرنا چاہتے ہو تو حق تعالیٰ کے جلال اور اُس کی بے نیازی پر نظر کرو اور سوچو کہ جنت پیدا اور اُسمیں جانے والی مخلوق بھی اُس کے لئے تجویز ہوچکی ہے اسی طرح دوزخ بھی موجود ہے اور اُسکے سزاوار مخلوق بھی معین ہوچکی ہے اور سعادت وشقاوت یعنی خوش قسمتی و بدنصیبی کا قطعی حکم ہر شخص کی تقدیر میں لکھا جاچکا ہے جسمیں کچھ تغیر وتبدل نہیں ہوسکتا اور اس ازلی حکم کا کوئی روکنے والا نہیں پس اے نفس معلوم نہیں کہ تیرے حق میں کیا حکم صادر ہوا ہے؟ اور تیرا خاتمہ کس حال پر ہونا لکھا ہے ممکن ہے کہ تو جنت میں جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ تیرے لئے جہنم کی دائمی سزا تجویز ہوئی ہو۔ خوب یاد رکھو کہ انجام کے مخفی وپوشیدہ حال سے نڈر وہی شخص ہوسکتا ہے جسکو حقیقی معرفت حاصل نہ ہو لہذا مناسب ہے کہ اُن کاملین اور خاصانِ خدا کے حالات پڑھا اور سُنا کرو جن کو معرفت میں کمال حاصل ہے یعنی انبیائے کرام علیہم السّلام اور اولیاء و علماء و اہل بصیرت رحمہم اللہ تعالیٰ۔ دیکھو اُن حضرات کو باوجود کمال درجہ تقرب کے کس قدر خوف تھا جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "جب کبھی جبریل امین میرے پاس وحی لیکر آئے تو خداوند جبار وقہار کے خوف سے لرزتے اور کانپتے ہوئے آئے" حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا قلب نماز کی حالت میں خوف کے سبب ایسا جوش مارتا تھا جیسے چولھے پر ہانڈی کھولتی ہو اور اس جوش وخروش کی آواز ایک میل کی مسافت سے سُنائی دیا کرتی تھی۔ حضرت داؤد علیہ السّلام چالیس دن کامل سربسجود گریہ کرتے رہے یہانتک کہ آنسوؤں سے آس پاس کی زمین پر گھاس پیدا ہوگئی حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے ایک پرند کو مخاطب بناکر یوں فرمایا کہ "اے کاش میں بھی تجھ جیسا پرند ہی ہوتا کہ شریعت کے احکام خداوندی کا مکلف نہ ہوتا یا کاش پیدا ہی نہ ہوا ہوتا" حضرت ابوذر رحؓ فرماتے ہیں "کاش میں درخت ہوتا کہ کاٹ لیا جاتا" ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ

خوف کی حقیقت اور حاصل کرنیکا طریقہ۔

لہ ابن حبان صحیح ۱۲ سلہ عراقی کہتے ہیں کہ ثابت نہیں البتہ قیامت میں ایسا ہونے کی روایت کتاب العظمۃ ابوالشیخ کی ہے ۱۲+

فرماتی ہیں کہ "کاش میں تو بھولی بسری ہو جاتی"۔ غرض خوب یاد رکھو کہ جن حضرات کو حق تعالیٰ کی بے نیازی اور جلال کی معرفت حاصل ہو وہ ہرگز بھی بے خوف اور نڈر نہیں رہ سکتے۔ نڈر ہونا انھیں غفلت شعار امراء کا شیوہ ہے، جنکی اپنے خاتمہ پر نظر ہے اور نہ اصلاحِ آخرت کی جانب توجہ۔ یہ غفلت کے پتلے اُس بیوقوف بچے کی مثل ہیں جس کو زہریلے سانپ سے بھی ڈر نہیں لگتا مگر بچہ دوسرے کے سمجھائے سے سمجھ تو جاتا ہے پس اے کاش جس طرح ناسمجھ بچہ اپنے سمجھدار باپ کو سانپ سے ڈرتا اور بچتا ہوا دیکھکر خود بھی بھاگتا اور عقل سیکھتا ہے اسی طرح غافل و بیخبر مسلمان بھی اپنے محسن و مربی روحانی طبیبوں اور خاصانِ خدا کی حالتِ خوف کے مشاہدہ سے عبرت پکڑیں (**فصل**) خوف درحقیقت ایک چابک ہے جو انسان کو سعادتِ ابدی کی جانب دوڑاتا ہے لہٰذا اسی حد تک پسندیدہ ہے جب تک نیکوکاری کا آلہ ہے یعنی اتنا زیادہ نہ ہو کہ بیکار بنادے اور مایوسی کی حد تک پہنچاکر اعمال چھڑادے ایسا حد سے بڑھا ہوا خوف جس سے نا اُمیدی پیدا ہو جائے شرعاً مذموم ہے کیونکہ حدیث[1] میں آتا ہے کہ "ایمان خوف اور اُمید کے بین بین ہے" پس خوف کیساتھ رجا یعنی اُمید بھی ضروری ہے البتہ گنہگار مسلمان کو خوف غالب رکھنا چاہئے اور جب دیندار بن جائے تو دونوں کو مساوی درجہ پر رکھے۔ چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ "اگر اللہ پاک کا حکم صادر ہو کہ ساری مخلوق میں سے صرف ایک شخص جنت میں جائیگا تو میں اُمید کرتا ہوں کہ وہ شخص میں ہی ہوں گا۔ اور اگر یہ فرمان صادر ہو کہ دوزخ میں صرف ایک ہی شخص داخل ہوگا تو مجھے خوف ہے کہ وہ شخص کہیں میں ہی نہ ہوں۔ یہ حالتِ مساوات ہے جس میں خوف و رجا دونوں کے پلّے برابر ہیں۔

خوف کی زیادتی مذموم و مضر ہے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ جوانی و تندرستی کے زمانہ میں مسلمان کو خوف غالب رکھنا چاہئے کیونکہ اِس غلبہ شہوت کے زمانہ میں شہواتِ نفسانیہ کے توڑنے اور منزلِ مقصود تک پہنچنے کیلئے مہذب بنانے کو خوف کے کوڑے کی ضرورت ہے اور بڑھاپے یا مرض کے زمانہ میں جبکہ موت قریب ہو تو رجا یعنی امید غالب رکھنی چاہئے کیونکہ اول تو ضعف و نقاہت اور مرض کی وجہ سے کچھ ہوتا ہواتا نہیں اور اگر اس حالت میں خوف غالب ہوا تو جو کچھ ہو رہا ہے اتنا بھی نہ ہو سکے گا بالکل ہی ہاتھ پاؤں بھول جائیں گے۔ حدیث[2] میں آیا ہے کہ "مسلمان کو مرتے وقت اپنے خدا کیساتھ نیک گمان رکھنا چاہئے اور ظاہر ہے کہ نیک گمان اُسی وقت ہوگا جبکہ کچھ نیک اعمال بھی پاس ہوں"۔ کیونکہ انسان جب کاشت کیلئے زمین میں بیج ڈالتا اور نیولانی یا پانی دینے کے متعلق اپنی جیسی سعی سب کچھ کر لیتا ہے تو اُسی وقت خدا کے فضل پر بھروسہ کرکے پیداوار اور بوئے ہوئے کے کاٹنے کی اُمید رکھ سکتا ہے اور جب بیج ہی نہیں ڈالا اور ایسی حالت میں اناج کی طلب و خواہش رکھی تو اُسکو رجا و اُمید نہیں کہتے بلکہ تمنا اور ہوس کہتے ہیں اور تمنا و ہوس شیطانی دھوکہ ہے اسی لئے حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ "جو بندے ایمان لائے اور ہجرت کر گئے اور فی سبیل اللہ جہاد کیا وہی اللہ کی رحمت کے اُمیدوار ہیں" اس سے معلوم ہو گیا کہ رجا و اُمید سعی و کوشش کے بعد ہوا کرتی ہے جس طرح کاشتکار بونے جوتنے کی پوری محنت کر لینے کے بعد منتظر رہتا ہے کہ اگر آسمانی آفت سے حفاظت ہوئی اور بجلی اور آگ وغیرہ سے کھیت کو حق تعالیٰ نے بچائے رکھا تو اُمید ہے کہ جتنا بیج ڈالا ہے ایک کے بدلے ستر ستر بلکہ اس سے بھی زیادہ حاصل ہوگا۔ اسی طرح مسلمان کو خدا کی طاعت[3] میں پوری مشقت اُٹھانے اور مجاہدہ

جوانی میں خوف اور بڑھاپے میں رجا کا غلبہ۔

تمنا و ہوس کا فرق۔

[1] ترمذی کیا ہوا ۱۲ [2] یہ اصل عربی کتاب میں نہیں ہے ۱۲ [3] مسلم ۱۲ +

و ریاضت کرنے کے بعد اُمید رکھنی چاہیے کہ اگر حق تعالیٰ نے اپنے فضل سے میرے اعمال و افعال کو قبول فرمالیا تو ہر ایک نیکی کا سات سات سو گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ اجر ملیگا۔ خلاصہ یہ ہے کہ خوف عذاب کے باعث معاصی اور خدا کی نافرمانیوں سے رکنا چاہیے اور اُمیدِ رحمت کے سبب نیکیوں میں رغبت پیدا ہونی چاہیے۔ پس خوف کو اُسی وقت معتبر سمجھو جبکہ وہ تم کو معصیت سے روکے اور گناہ کی جرأت نہ ہونے دے اور اگر یہ حاصل نہ ہو تو وہ خوف نہیں ہے، بلکہ عورتوں جیسی رقّتِ قلبی اور وہم و خیال ہے جسکا کچھ اعتبار نہیں۔ اور چونکہ خوف جب کمال پر پہنچتا ہے تو دنیا سے بے رغبتی پیدا ہو جاتی ہے جس کا نام زہد ہے۔ اسلئے مناسب ہے کہ کچھ زہد کا بیان کر دیا جائے۔

تیسری اصل زہد کا بیان

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ "اے محمدؐ اُس مال و جاہ کی جانب نظر اُٹھا کر نہ دیکھو جو ہم نے کافروں کو دنیا کی تازگی کی جنس سے دے رکھا ہے کیونکہ اس سے مقصود اُن کو فتنہ میں ڈالے رکھنا ہے اور تمہارے پروردگار ہی کی عطا بہتر اور زیادہ پائیدار ہے" اور قارون ملعون کے قصہ میں ارشاد ہے کہ قارون بن سنور کر ٹھاٹھ کیساتھ جلوس میں نکلا اور بعض لوگوں کو یہ تزک و احتشام دیکھ کر حرص ہوئی تو جن لوگوں کو علم مرحمت ہوا تھا وہ کہنے لگے کہ "افسوس تم اس ناپائدار چیز کی حرص کرتے ہو دیکھو حق تعالیٰ کا ثواب سب سے بہتر چیز ہے" اس قصہ سے معلوم ہوا کہ زہد علم کا ثمرہ ہے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ[1] جو شخص صبح اُٹھتے ہی دُنیا کے غم میں گرفتار ہو جاتا ہے حق تعالیٰ اُس کا دل پریشان کر دیتا اور ملتا ہے اُسی قدر جتنا کہ اُس کی تقدیر میں لکھا جا چکا ہے اور جو شخص صبح اُٹھتے ہی آخرت کی فکر میں لگجاتا ہے تو حق تعالیٰ اُسکا قلب مطمئن رکھتا اور اُسکی دنیا کی خود حفاظت و کفالت فرماتا ہے اس نیک بندے کا دل غنی کر دیتا ہے اور اپنی دنیا مرحمت فرماتا ہے کہ یہ منہ پھیرتا ہے اور دُنیا اسکے پیچھے پیچھے بھاگی چلی آتی ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ "اللہ جسکو ہدایت دینی چاہتا ہے اُسکا شرح صدر کر دیتا ہے" اسکی تفسیر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں بیان[2] فرمائی ہے کہ اُسکے قلب میں ایک نور داخل فرما دیتا ہے جس سے اُسکا سینہ منشرح ہو جاتا ہے صحابہ رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ اسکی شناخت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ دنیا سے بے رغبتی اور دین کی جانب توجہ اور موت سے پہلے موت کا انتظام کرنا شرح صدر کی خاص پہچان ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے[3] ہیں کہ جسکو حق تعالیٰ زاہد بناتا ہے اُسکے قلب میں حکمت القا فرماتا ہے اور دُنیا کی بیماری و علاج سے آگاہ کر دیتا ہے اور اس جہانِ فانی سے بے لوث و باہر نکالکر دار السلام میں پہنچا دیتا ہے اسکے بعد صحابہ سے فرمایا کہ صاحبو! حق تعالیٰ سے حیا کرو صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ[4] حیا تو کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ جہاں رہنا نہیں ہے، وہاں مکانات بناتے ہو اور جو کھا نہیں سکتے وہ جمع کرتے ہو۔ یاد رکھو کہ بندہ کا ایمان اسوقت کامل ہوتا ہے جبکہ گوشہ گمنامی میں پڑے رہنے کو شہرت سے زیادہ پسند کرے اور دنیا کے متعلق ہر شے کی قلت کو اُسکی کثرت سے زیادہ محبوب سمجھے خوب سمجھ لو کہ جب انسان دُنیا میں زاہد بنتا ہے تو حق تعالیٰ اسکو اپنا محبوب بنا لیتا ہے اور جب وہ خدا کا محبوب بنجاتا ہے تو مخلوق کی نظروں میں بھی محبوب ہو جاتا ہے حقیقی زہد یہ ہے کہ انسان دُنیا کے مال و متاع کی جانب سے استغنا کرے اور باوجود اسکے حاصل کر سکنے

زہد نور اور شرح صدر کی علامت ہے۔

[1] ترمذی۔ ضعیف و ابن ماجہ بسند جید ۱۲ [2] ابن مبارک و ابن ابی شیبہ و فریابی وغیرہم ۱۲ [3] کشادہ ۱۲ [4] ابن ابی الدنیا۔ مضمون بہت حدیثوں میں ہے ۱۲ احقر ...

زہد کی حقیقت اور ثمرہ

قدرت کے پھر اسکی جانب متوجہ نہ ہو اور زہد کی اصل وہ نور اور علم ہے جو اللہ کی طرف سے بندہ کے قلب میں ڈالدیا جاتا ہے جسکی وجہ سے سینہ کھل جاتا ہے اور یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ دنیا کے جملہ ساز و سامان مکھی کے پر سے بھی زیادہ حقیر اور آخرت ہی بہتر و پائدار ہے۔ جسوقت یہ نور حاصل ہوتا ہے تو اس حقیر دنیا کی آخرت کے مقابلہ میں اتنی بھی وقعت نہیں ہے جتنی کسی بیش قیمت جواہر کے مقابلہ میں ایک پھٹے پرانے چیتھڑے کی وقعت ہوا کرتی ہے اور زہد کا ثمرہ یہ ہے کہ بقدر ضرورت و کفایت دُنیا پر قناعت حاصل ہوجائے پس زاہد اسی مقدار پر کفایت کیا کرتا ہے جتنا کسی مسافر کو سفر کا توشہ اپنے پاس رکھنا ضروری ہوتا ہے اور وہ ضروری سامان جسکی ہر شخص کو احتیاج ہے یا طعام ہے یا لباس یا اثاث البیت اور ہر ایک میں زہد کے مراتب اور مدارج ہیں جنکی تفصیل ہم بیان کرتے ہیں۔ **طعام**۔ کی ضرورت رفع کرنے میں زہد تین اعتبار سے ہوتا ہے یعنی مدت اور مقدار اور جنس پس مدت کے اعتبار سے **اعلیٰ** درجہ کا زہد تو یہ ہے کہ صرف ایک وقت کے کھانے پر قناعت کرے یعنی اگر صبح کو بھوک رفع ہوجائے تو شام کیلئے کچھ پاس نہ ہو اور شام کو پیٹ بھر جائے تو صبح کیلئے کچھ ذخیرہ نہ ہو اور **اوسط** درجہ یہ ہے کہ مہینہ بھر یا چالیس دن کی خوراک مہیا ہو اس سے زیادہ کی پرواہ نہ ہو اور **ادنیٰ** درجہ یہ ہے کہ صرف سال بھر کا ذخیرہ جمع کرلیا جائے اور سال سے زیادہ کا سامان جمع کرنا تو زہد سے بالکل خارج ہے۔ البتہ اگر کسی قسم کا ذریعہ کسب اور تحصیلِ معاش کیلئے دنیا کا کوئی مشغلہ نہ ہو تو سال سے زیادہ کا ذخیرہ جمع کرلینا بھی زہد کے منافی نہیں ہے چنانچہ شیخ داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیس درہم تھے جن پر شیخ نے کامل بیس سال قناعت کی تھی چونکہ انکا کوئی ذریعہ معاش نہ تھا اسلئے بیس سال کا ذخیرہ جمع رکھنا زہد کے خلاف نہ ہوا۔

طعام میں مدت کے اعتبار سے زہد کے مراتب

مقدار کے اعتبار سے مراتب زہد

طعام میں مقدار کے اعتبار سے ادنیٰ درجہ کی مقدار جسکو زہد کا اعلیٰ درجہ کہنا چاہیے نصف رطل یعنی پاؤ سیر اناج ہے اور **اوسط** درجہ کی مقدار آدھ سیر اور **اعلیٰ** مقدار جو زہد کا ادنیٰ درجہ ہے سیر بھر غلہ ہے پس جس نے اس سے زیادہ مقدار کھائی تو سمجھو کہ زہد کے خلاف کیا۔ **جنس** کی حیثیت سے **اعلیٰ** درجہ کا زہد اُس جنس کے کھانے پر قناعت کرنا ہے جسمیں غذائیت پائی جائے اگرچہ اناج کی بھوسی ہی کیوں نہ ہو۔ اور **اوسط** درجہ جَو کی روٹی ہے اور **ادنیٰ** درجہ گیہوں کے بے چھنے آٹے کی روٹی کا کھانا ہے اور اگر آٹا چھان لیا تو اس کا نام زہد نہیں بلکہ تنعم اور تلذذ ہے اور ترکاری میں اوّل درجہ کی ترکاری جو زہد کا اعلیٰ درجہ ہے سرکہ اور سبزی اور نمک کا استعمال ہے اور **اوسط** درجہ چکنائی کا استعمال کرنا ہے اور اعلیٰ درجہ کی ترکاری جو زہد کا سب سے نیچے کا درجہ ہے گوشت کھانا ہے بشرطیکہ ہفتہ میں صرف ایک یا دو مرتبہ ہو اور اگر ہمیشہ گوشت کھانے کی عادت ہوگئی تب تو زہد سے بالکل باہر ہوگیا۔ دیکھو حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ "چالیس چالیس دن گذر جاتے تھے اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے دولتکدہ میں آگ بھی نہیں سلگتی تھی" معتبر ذریعہ سے ثابت ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سے مدینہ منورہ میں قدم رنجہ فرمایا کبھی تین دن بھی گیہوں کی روٹی پیٹ بھر کر نہیں کھائی۔ اللّٰھم صلِّ علیٰ حبیبك وصفیك بقدر زھدہٖ وکمالہٖ۔

جنس کے اعتبار سے مراتب زہد

لباس میں اعلیٰ درجہ کا زہد یہ ہے کہ صرف اتنے کپڑے پر قناعت کرے جس سے ستر چھپ جائے اور سردی گرمی رفع

ل ابن ماجہ ہو ۲ مضمون تقریباً [redacted] مسلم ہو ۳ الٰہی اپنے حبیب اور مصطفیٰ پر ان کے زہد اور کمال کی بقدر رحمت نازل فرما۔

ہوسکے اور ادنیٰ درجہ کا زہد یعنی اعلیٰ درجہ کا لباس یہ ہے کہ کسی کھُردرے کپڑے کا کُرتہ پاجامہ اور ایک رومال رکھے۔ پس اگر دو کُرتے بھی پاس ہوں گے تو زہد ہاتھ سے جاتا رہیگا۔ زہد میں کم سے کم یہ تو ضرور ہونا چاہیے کہ اگر پہنے ہوئے کپڑوں کے دھونے کی ضرورت پیش آوے تو دوسرا جوڑا پاس نہ نکلے بلکہ رومال باندھکر دھولے اور پھر اُنکو پہن لے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے صوف کی ایک چادر اور ایک موٹا کرتہ نکالکر مجھ کو دکھلایا اور فرمایا کہ ان دو کپڑوں میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا ہے۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نعلین کا ایک نیا جوڑا پہنا اور پسند آیا تو فوراً سجدے میں گر پڑے اور فرمایا کہ مجھے یہ نعلین اچھی معلوم ہوئیں اور اندیشہ ہوا کہ حق تعالیٰ غصہ نہ ہو جائے اسلئے میں تواضعاً سربسجود ہو گیا یہ فرما کر آپ باہر تشریف لائے اور جو مسکین سب سے پہلے نظر پڑا اُسکو مرحمت فرمادیں۔" حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قمیص میں بارہ پیوند لگے ہوئے تھے جسمیں بعض چمڑے کے تھے حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ "مقتدا پر ضروری ہے کہ ادنیٰ حیثیت کے لوگوں کا سا لباس پہنے تاکہ امرا اور اہلِ مال اسکا اقتدا کریں اور فقرا و نادار اپنے کو بنظرِ حقارت نہ دیکھیں۔

مسکن میں ادنیٰ درجہ کا مسکن جو زہد کا اعلیٰ درجہ ہے یہ ہے کہ مسافر خانہ یا مسجد کے کسی حجرہ میں زندگی گذار دے اور اعلیٰ درجہ کا مسکن یہ ہے کہ سکونت کیلئے کوئی خاص جگہ تجویز کرے یعنی بقدرِ ضرورت ایک حجرہ خواہ خرید لے یا کرایہ پر لے بشرطیکہ حاجت سے زیادہ اُسمیں وسعت نہ ہو اور نہ اسکی اونچی اونچی دیواریں ہوں نہ قلعی چونہ ہو نہ کہگل۔ کیونکہ کہگل یا استرکاری کے مکانات میں رہائش تو زہد سے خارج ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم مکان میں چونہ کی استرکاری کر رہے تھے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا کہ "میاں وقت تو اس سے پہلے برابر ہو جانیوالا ہے۔" مطلب یہ تھا کہ انسان کو ناپائدار زندگی گذارنے کیلئے اس استحکام و پائداری کی کیا ضرورت ہے؟ موت آجائیگی اور یہ یہیں دھرا رہجائیگا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے رہائش کیلئے پھونس کا ایک جھونپڑا بنا رکھا تھا اُسی میں ایام گذاری فرماتے تھے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یا نبی اللہ ایک گھر بنا لیجیے تاکہ آرام ملے۔ آپ نے فرمایا کہ "میاں مرنیوالے کیلئے تو یہ پھونس کا گھر بھی بہت ہے"۔ حدیث میں آیا ہے کہ ضرورت سے زیادہ جو شخص مکان بنائے گا قیامت کے دن اسکو تکلیف دی جائیگی کہ اس مکان کو سر پر اُٹھائے پس اب تم خوب سمجھ لو کہ ضرورت کس چیز کا نام ہے اور کس مقدار و حیثیت کے مکان سے رفع ہو سکتی ہے؟ ظاہر ہے کہ جس حد تک گرمی و سردی دفع ہو وہ تو ضرورت میں داخل ہے اور اس سے زیادہ سجاوٹ یا وسعت تو عبث و بیکار۔ اور آخرت کے لئے مخدوش و خطرناک ہی ہے۔

اثاث البیت میں بھی کئی درجے ہیں۔ ادنیٰ درجہ کا مال جسکو زہد کا اعلیٰ درجہ کہنا چاہیے وہ ہے جو حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ و علیٰ نبینا السلام کا حال تھا کہ ایک کنگھا اور ایک آبخورہ پاس تھا یہی اثاث البیت تھا اور یہی سفر و حضر کا سامان۔ ایک بار چلے جارہے تھے کہ ایک شخص نظر پڑا جو انگلیوں سے کنگھے کا کام لے رہا تھا اور بال درست کر رہا تھا حضرت روح اللہ نے کنگھا پھینکدیا اور فرمایا کہ یہ ضرورت سے زائد چیز نکلی اب آبخورہ رہ گیا اُسکو لیکر آگے چلے تو ایک

لے بخاری و مسلم۔ صحابی کا نام ابو بردہ اصل میں بھی ہے احیاء العلوم میں بھی ہے اور صحیح شرف میں بھی۔ مترجم صاحب نے سہواً ابو ہریرہ لکھ دیا ہے ۱۲ [illegible]

شخص کو دیکھا کہ ہاتھ کے چلّو سے پانی پی رہا ہے پس آبخورہ بھی پھینکدیا اور فرمایا کہ خدا کے عطا کئے ہوئے بدن ہی کے عضو سے جو کام نکل آئے اُس کیلئے دوسرا انتظام کرنا امر فضول ہے **اوسط درجہ** یہ ہے کہ معمولی اور خسیس برتن رکھے اور وہ بھی ہر قسم کی ضرورت کیلئے ایک عدد سے زیادہ نہ ہو اور اُسمیں بھی یہ لحاظ رہے کہ جہانتک ہوسکے کئی کئی ضرورتیں ایک ہی برتن میں رفع ہوجاویں چنانچہ حضرت عمر فاروق رضؓ نے شہر حمص کے حاکم حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ کیوں عمیرؓ تمہارے گھر میں دنیا کی ضرورتوں کیلئے کیا کیا اسباب ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ حضرت ایک تو لاٹھی ہے کہ اُس سے تکیہ کا کام لیکر سہارا لگا لیتا ہوں اور اسی سے موذی جانور سانپ بچھو وغیرہ کو ماردیتا ہوں اور ایک تھیلا ہے جسمیں کھانا رکھ لیتا ہوں اور ایک پیالہ ہے جسمیں کھانا رکھکر کھا لیتا ہوں اور اُسی میں بشرط ضرورت سر اور کپڑا وغیرہ دھو لیتا ہوں اور ایک برتن ہے جسمیں اتنا پانی آجاتا ہے جو پینے اور وضو کرنے کیلئے کافی ہوجاتا ہے بس یہ چار عدد میرے پاس موجود ہیں اور ساری ضرورتیں اُلٹ پھیر کر اُسی میں پوری ہوجاتی ہیں۔ حضرت فاروق رضؓ یہ فرماکر کہ سچ کہتے ہو خاموش ہو رہے۔ تم نے سُنا ہوگا کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر مبارک جس پر استراحت فرماتے تھے ایک تو چرمی تکیہ تھا جسمیں لیف گھاس بھری ہوئی تھی اور ایک کمل تھا۔ غرض زاہدوں کے یہ حالات ہیں جو نمونہ کے طور پر بیان کردیئے گئے اگر اس مرتبہ کمال کے حاصل کرنے سے خدانخواستہ محروم رہو تو کیا اس سے بھی گئے گذرے ہو کہ اس محرومیت پر افسوس ہی کرو تاکہ زہد کی قلب میں محبت اور اُسکے حصول کی خواہش تو باقی رہے۔ نیز اسکا ہمیشہ خیال رکھو کہ لذت پسند اور متنعم امرا کے قرب کی بہ نسبت اللہ کے زاہد بندوں کے پاس اُٹھنا بیٹھنا پسند کرو اور جہانتک بھی ہوسکے زاہدوں کے مثل بننے اور بلند درجہ کے حاصل کرنیکی کوشش میں لگے رہو۔

فصل زہد کے کئی درجے ہیں۔ **ایک تو** یہ کہ نفس اگرچہ دنیا کی طرف مائل ہو مگر اسکو جبراً بے التفات بنایا جائے اور دُنیا حاصل کرنے سے زبردستی روکا جائے اس حالت کو زہد کہنا تو ٹھیک نہیں معلوم ہوتا البتہ اگر تزہد کہا جائے اور زہد کی ابتدا سمجھا جائے تو مناسب ہے۔ **دوسرا درجہ** یہ ہے کہ نفس دنیا سے اتنا متنفر ہو کہ اسکی طرف مائل ہی ہو اور سمجھ جائے کہ دنیا اور آخرت کی نعمتوں کا یکجا ہونا چونکہ ناممکن ہے اسلئے آخرت کی لذتوں کے حاصل کرنے میں دنیا کی مال و متاع پر اس طرح خاک ڈالدینی چاہئے جس طرح کسی بیش بہا جوہر کے خریدنے میں چند روپیہ کو خرچ کرنے میں دریغ نہیں ہوتا بلکہ زر دیکر نہایت خوشی سے جوہر لیا جاتا ہے ایسے ہی دنیا کا ساز و سامان چھوڑ کر بڑی مسرت کیساتھ آخرت کی نعمتیں حاصل کرلی جائیں اور **تیسرا درجہ** یہ ہے کہ دنیا کے مال و متاع کا عدم اور وجود برابر ہوجائے اور یہ خیال رہے کہ جو کچھ بھی دنیا میں ہے وہ حق تعالیٰ کے بیشمار خزانوں کے بحر ذخار اور دریائے ناپیدا کنار کا ایک قطرہ ہے بس اگر ملجائے تو کچھ مسرت نہیں اور اگر نہ ملے یا آیا ہوا ہاتھ سے چلا جائے تو کچھ حسرت نہیں اس درجہ میں نفس نہ تو دنیا کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور نہ اس سے متنفر ہوتا ہے اور یہی زہد کے کمال کا درجہ ہے کیونکہ تنفر بھی ایک قسم کی توجہ اور اس شے کے باوقعت ہونیکی علامت ہے اسلئے کہ جس شے کی وقعت ذہن سے نکل جایا کرتی ہے اسکی دونوں جانبیں یعنی تنفر اور توجہ برابر ہوجایا کرتی ہیں۔ **ایک مرتبہ** حضرت رابعہ عدویہ کی مجلس میں لوگوں نے دنیا کی

محرومی پر افسوس کرو اور زاہدوں کی صحبت رکھو

زہد کے درجے

له کم حیثیت ۲ء سہارا ۳ء ابو داؤد ہوتر مذی وابن ماجہ واحمد ۵ء ذی ثروت ۶ء اظہار زہد ۷ء پانی کے بڑے ذخیرہ والا دریا ۸ء جسکا کنارہ

مذمت بیان کرنی شروع کی تو آپ نے فرمایا کہ "دنیا کی قدر و منزلت تمہارے دلوں میں ہے جب ہی تو تم اسکی مذمت کرتے ہو بھلا ایک ذلیل اور بے قدر شے کی بھی کوئی مذمت کیا کرتا ہے" خوب یاد رکھو کہ جب دنیا کی وقعت قلب سے جاتی رہتی ہے تو عزت اور نفرت دونوں سے انسان خالی الذہن ہو جاتا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک لاکھ درہم آئے اور آپ نے اُن سے نفرت نہیں کی بلکہ اُنکو لے لیا اور اُسی دن مساکین پر تقسیم فرما کر خرچ کر دیا۔ آپ کی خادمہ نے عرض بھی کیا کہ اے ام المؤمنین ایک درہم کا گوشت تو خرید لیتے جس سے آپ آج روزہ افطار فرما لیتیں تو آپ نے جواب دیا کہ اگر پہلے یاد دلاتیں تو یہ بھی کر دیتی اب تو کچھ باقی نہیں رہا۔" یہ درجہ غنا کہلاتا ہے۔ بس نا عاقبت اندیش جاہل صوفی دھوکہ کھاتے اور اپنے مال کی بڑھوتری وحرص کو غنا کا درجہ سمجھ جاتے ہیں یعنی یوں خیال کرتے ہیں کہ چونکہ ہمارے قلب کو دنیا سے علاقہ نہیں رہا اسلئے ہمیں مال ومتاع کی کثرت مضر نہیں ہے، حالانکہ اُن کا یہ خیال شیطانی دھوکہ ہے کہ امتحان کرنے سے اسکی کھوٹ معلوم ہو جائیگی مثلاً اگر سارا مال یکلخت چوری ہو جائے تو دیکھو کہ اُنکا کیا حال ہوتا ہے؟ اگر اپنا مال چوری جانیکا اسی قدر اثر ہو جتنا کسی پر کا مال چوری چلے جانے سے ہوتا ہے تب تو سمجھو کہ بیشک اُنکے قلب کو مال سے محبت نہیں ہے اور اُن کے نزدیک مال کا رہنا اور چلا جانا دونوں برابر ہیں۔ ورنہ قلب کی چوری پکڑی گئی۔ غرض زہد کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ زہد سے بھی زہد حاصل ہو جائے یعنی دنیا کی جانب سے بے التفاتی کو بھی وقعت کی نظر سے نہ دیکھے بلکہ یوں سمجھے کہ دنیا کوئی چیز بھی ہو جسکا چھوڑنا ہمت و بہادری سمجھا جائے یا مسرت کی نظر سے دیکھا جائے اسکی تو اہل بصیرت کے نزدیک اتنی بھی قدر نہیں ہے جتنی کسی بڑے بادشاہ کے نزدیک ایک پیسہ کی قدر ہوا کرتی ہے اس بے حیثیت دنیا کو چھوڑ کر یہ سمجھنا کہ "ہم نے کچھ چھوڑ دیا" حقیقت میں اسکے درجہ کا اسکی حیثیت سے بڑھانا ہے اسکی مثال تو ایسی سمجھو جیسے کوئی شخص شاہی دربار میں داخل ہونا چاہے اور اُسکو دروازہ پر بیٹھا ہوا کتا داخلہ سے روک رہا ہو بس یہ اُسکے سامنے ایک روٹی کا ٹکڑا ڈالدے تاکہ کتا اُسکے کھانے میں لگ جائے اور یہ اپنے مطلوب کے دربار میں جا داخل ہو اسی طرح شیطان حق تعالیٰ کے دروازہ کا کتا ہے جو سالک کو مطلوب تک پہنچنے سے روکتا ہے اور ساری دنیا روٹی کے ایک ٹکڑے سے بھی زیادہ بے وقعت ہے جسکو اُسکے سامنے ڈالکر سالک نے اپنے مطلوب تک پہنچنے کا راستہ صاف کر لیا ہے۔ بس تم ہی سوچو کہ شاہی دربار کی حاضری کا اعزاز حاصل کرنے کیلئے جو کُتے کو روٹی کا ٹکڑا ڈالا گیا ہے نہ اُسکی ذہن میں وقعت ہوگی اور نہ اُسکو قابلِ ذکر و خیال امر سمجھا جائیگا بلکہ روٹی کے ٹکڑے اور دنیوی بادشاہ میں تو کچھ مناسبت بھی معلوم ہوتی ہے کہ دونوں ایک دن فنا ہونیوالے ہیں بس فانی شے کے حصول کیلئے ایک فانی شے کا ہاتھ سے کھو دینا جب وقعت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا تو دنیا اور آخرت میں تو کوئی مناسبت ہی نہیں ہے اسلئے کہ اگر دنیا لاکھوں بھی ہونگی تو وہ بھی ایک دن فنا ہو جائینگی بس آخرت کی جاوید نعمتوں اور اُس پائدار ملک کی دائمی سلطنت حاصل کرنے کیلئے اگر دنیا کو ہاتھ سے چھوڑ جائے اور شیطان کے حوالہ کر دیا جائے تو اُسکا خیال اور ذکر ہی نہ فضول ہے زہد کے اسباب متعدد ہیں کیونکہ کبھی تو دوزخ کا خوف اور عذاب کا اندیشہ زہد کا سبب بنجاتا ہے اس زہد کو تو خائفین کا زہد کہتے ہیں اور یہ سالکین طریقت کے نزدیک ادنیٰ درجہ ہے، اور کبھی اُخروی نعمتوں اور

دنیا کی عزت و نفرت دونوں کا دل سے نکال دینا زہد ہے۔

زہد سے بھی زہد ہونا اعلیٰ درجہ ہے۔

زہد کے اسباب

لہ مضمون زرین از ترغیب ۱۲ منہ بے رغبتی کو اس کا بھی خیال نہ آئے کہ دنیا سے بے رغبتی اور زہد کیا ہے ۱۲ منہ

لذتوں کی رغبت زہد کا باعث ہوجاتی ہے اور اُس کو راجین کا زہد کہتے ہیں اور یہ درجہ پہلے درجہ سے بڑھا ہوا ہے
کیونکہ رجا یعنی امید محبت کو مقتضی ہے اور محبت کی فضیلت تم کو معلوم ہو چکی ہے۔ اور تیسرا درجہ جو سب میں اعلیٰ ہے
وہ یہ ہے کہ ماسوی اللہ کی جانب سے بے توجہی اور نفس کا غیر اللہ کو حقیر سمجھکر چھوڑ دینا زہد کا باعث ہو اسکو حقیقی زہد کہتے ہیں
کیونکہ پہلے دونوں درجوں کے زہد تو ایسے ہیں کہ جیسے کسی نافع سودے کی خرید و فروخت ہوتی ہے کہ ایک حقیر چیز کو اسلئے
چھوڑ دیا تاکہ تکلیف دینے والی روح فرسا[1] مصیبت اسکی وجہ سے دفع ہوجائے یا اُس کی بہتر اور نافع چیز ہاتھ آجائے اور اس
درجہ میں ماسوی اللہ کی جانب التفات کرنے ہی کو فضول سمجھا گیا ہے کیونکہ وہ کوئی چیز ہی نہیں ہے پس اس درجہ میں حق تعالےٰ
کے سوائے جو چیز بھی ہو خواہ مال ہو یا جاہ یا اور کوئی ایسی شئے جس سے عموماً لذت حاصل ہوا کرتی ہے سب ہی سے زہد حاصل
ہوجاتا ہے برخلاف پہلے درجوں کے کہ اُن میں صرف مال سے زہد حاصل ہوتا ہے جاہ سے نہیں ہوتا اور مال میں بھی بعض انواع
سے زہد ہوتا ہے اور بعض سے نہیں ہوتا اور یہی وجہ اُن درجوں کے ضعیف ہونیکی ہے کیونکہ انسان کو جاہ کی محبت
مال کی بہ نسبت زیادہ ہوا کرتی ہے اور جس کی محبت زیادہ ہو اُسی سے زہد حاصل ہونا قابل اہتمام و توجہ بھی ہے۔

(فصل) زہد کے معنی یہ ہیں کہ باوجود دنیا حاصل کر سکنے کے دنیا سے ایسا بے التفات ہوجائے کہ دُنیا اُس کے پیچھے بھاگے
اور یہ اس سے دامن چھڑائے اور اگر معاملہ برعکس ہو کہ یہ دُنیا کو حاصل کرنا چاہے مگر دنیا اُس کے ہاتھ نہ آئے تو اُسکو
زہد نہیں کہتے بلکہ اُس کا نام فقر ہے اور فقر کا درجہ زہد کے برابر نہیں ہے ہاں فقر کو تونگری پر فضیلت ضرور ہے کیونکہ
تونگری میں دُنیا کی لذتوں سے دل بستگی ہوجاتی ہے اور اسلئے مرتے وقت اُن مرغوبات کے چھوڑنے کی حسرت ہوا کرتی ہے
اور دُنیا گویا جنت معلوم ہوتی ہے اور آخرت قید خانہ۔ برخلاف فقر کے کہ اس حالت میں لذتوں سے اگرچہ جبراً قہراً باز رکھا گیا ہے
تاہم چونکہ کبھی کسی چیز کا ذائقہ اور مزہ مُنھ کو نہیں لگتا اسلئے مرتے وقت کسی چیز کی محبت میں دل نہ اٹکے گا بلکہ دُنیا کو دار الالم[2]
اور تنگدستی کا گھر سمجھے گا اور آخرت آزادی و خوش عیشی کا گھر اور جنت معلوم ہو گی پس اسمیں شک نہیں کہ فقر بھی اللہ کی
بڑی نعمت اور سعادت اخروی کا ایک مضبوط ذریعہ ہے چنانچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "حق
تعالیٰ اپنے نیک بندے کو دنیا سے ایسا بچاتا ہے جیسے تم اپنے عزیز بیمار کو کھانے پینے کا پرہیز کراتے ہو میری اُمت کے فقراء
جنت میں امراء سے پانچسو برس پہلے داخل ہوجائیں گے جسوقت کسی فقیر کو دیکھا کرو خوش ہوجایا کرو اور کہا کرو کہ مرحبا
صالحین کے طریقہ والے مرحبا" حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک بار عرض کیا تھا کہ بار الٰہا آپ کو کون بندے محبوب ہیں بتلا دیجئے
تاکہ میں اُن سے محبت کروں۔ ارشاد ہوا کہ "فقیر جنکو لوگ پاس بھی نہ کھڑا ہونے دیں"۔ یاد رکھو کہ اگر فقیر اپنے حال پر قانع
ہو اور طلب مال کا زیادہ حریص نہ ہو تو اُس کا درجہ زاہد کے قریب ہی قریب ہے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ
مبارک ہو اسکو جسکو اسلام کی ہدایت ہوئی اور بقدر کفایت معاش ملی اور وہ اس پر قانع ہوا"۔ قانع فقیر خدا کو بہت
پسند ہے حضرت اسمٰعیل پر وحی نازل ہوئی تھی کہ "اے اسمٰعیل مجھ کو شکستہ دل لوگوں کے پاس ڈھونڈا کرو" حضرت اسمٰعیل نے دریافت کیا

محبوب ماسوی اللہ سے بے رغبت ہونا اعلیٰ زہد ہے۔

زہد اور فقر کا فرق۔

فقر کی فضیلت۔

[1] روح کو گھسں دینے اور فنا کر دینے والی ۱۲ [2] تکلیف کا گھر ۱۲ [3] حاکم صحیح ۱۲ [4] ابن المبارک و ترمذی صحیح ۱۲ +

ہارا کہا وہ کون لوگ ہیں۔ ارشاد ہوا کہ "صابر فقیر" خلاصہ یہ ہے کہ اگر فقر کے ساتھ قناعت اور صبر و رضا بھی ہو تو نور علیٰ نور اور اس کا ثواب بہت ہی زیادہ ہے اور چونکہ زہد کی ابتدا فقر پر صبر کرنا ہے اسلئے صبر کا بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

چوتھی اصل صبر کا بیان

حق تعالیٰ نے صبر کرنے والوں کیلئے اتنی صفات جمع فرمائی ہیں جو دوسروں کیلئے جمع نہیں فرمائیں چنانچہ ارشاد فرماتا ہے کہ "صبر کیا کرو اللہ صبر کرنیوالوں کیساتھ ہے۔ صبر کرنیوالوں پر اُنکے پروردگار کی رحمتیں ہیں اور مہربانی اور وہی راہ یاب ہیں صبر کرنیوالونکو اُنکا اجر بے شمار دیا جائیگا" وغیرہ وغیرہ۔ کلام مجید میں کچھ اوپر ستر جگہ صبر کا ذکر آیا ہے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "صبر نصف ایمان ہے اور جنت کے خزانوں میں کا ایک خزانہ ہے جس شخص کو یہ خصلت مرحمت ہوئی وہ بڑا سعادت نصیب ہے۔ شب بیدار اور صائم الدہر سے اسکا درجہ افضل ہے" صبر کے حقیقی معنی ہوائے نفس کے مقابلہ میں خدا کے حکم پر مستقل اور ثابت قدم رہنے کے ہیں اور یہ صرف انسان ہی کو حاصل ہو سکتا ہے اسلئے کہ اس پر دو مخالف لشکر مسلط اور حملہ آور ہیں جن میں ایک خدائی لشکر یعنی فرشتوں اور عقل و شریعت کا لشکر ہے جنکا مقصود یہ ہے کہ انسان کو اپنے قابو میں لائیں اور ہدایت پر قائم رکھیں اور دوسرا شیطانی لشکر یعنی غیظ و غضب اور نفس کی خواہشوں اور اُسکے اسباب کا لشکر ہے جو چاہتا ہے کہ انسان کو اپنے قبضہ میں رکھے اور پابند ہوا و ہوس بنائے انسان کو بالغ ہو کر دونوں میں امتیاز کرنا اور شیطانی گروہ سے جنگ و جدال کرنا پڑتا ہے پس اگر عقل کو غلبہ ہوا کہ دین اسلام اور شریعت محمدیہ پر استقلال نصیب ہوا تو صبر کا مرتبہ اسکو حاصل ہو گیا اور چونکہ بہائم میں صرف شہوات و خواہشات کا مادہ ہے عقل اور دین کا شعور نہیں ہے اور فرشتوں میں صرف قرب خداوندی کی استعداد پیدا کی گئی ہے وہ شہوات نفسانی اور غیظ و غضب سے بالکل منزہ ہیں کہ ہر وقت تسبیح و تہلیل میں مشغول رہتے ہیں اور جانتے ہی نہیں کہ شہوت کیا چیز ہے؟ لہذا صبر کا مرتبہ ان دونوں میں سے کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور انسانوں میں چونکہ دونوں متضاد صفتیں موجود ہیں یعنی خواہشات نفسانیہ بھی ہیں اور بھلا بُرا سمجھنے کا شعور اور عقل و فطرت سلیمہ بھی موجود ہے۔ پس ایک کو مغلوب اور دوسرے کو غالب کرنا جسکا نام صبر ہے انسان ہی کیلئے مخصوص ہے، یاد رکھو کہ جب یہ دونوں حالتیں اپنا اپنا رنگ جمانا چاہتی ہیں تو اُسوقت انسان کو عقل سے کام لینے اور انجام سوچنے کی ضرورت پڑتی ہے تاکہ دین کو غالب رکھکر مقام صبر پر پہنچے اسکی ایسی مثال ہے جیسے مریض کو تلخ دوا دی جاتی ہے تو طالب لذت ذائقہ اور مزہ تو یہ چاہتا ہے کہ اسکو پاس بھی نہ آنے دے اور عقل چاہتی ہے کہ اگرچہ اسکی تلخی ناگوار گذریگی مگر آنکھیں بند کر کے جبر و قہر پی لی جائے تاکہ شفا جلد حاصل ہو۔ پس اگر عقل کو غلبہ ہوگا تو بیشک دوا کی تلخی پر صبر کیا جائیگا۔ اسی طرح اگر دینی معاملہ میں عقل اور فطرت سلیمہ کو غلبہ ہوگا تو ضرور ہے، کہ ریاضت اور مجاہدہ کی دشواریوں کو برداشت کیا جائیگا۔ اور چونکہ ایمان نام ہے علم اور عمل کا اور عمل کی دو جانبیں ہیں جسمیں بعض کا کرنا مقصود ہے اور بعض سے باز رہنا اسی طرح اخلاق و عادات میں عادات محمودہ سے آراستہ ہونا ضروری ہے اور خصائل رذیلہ سے خالی اور پاک رہنا لازمی ہے

صبر کے معنی اور انسان کے ساتھ اس کا اختصاص

لہ ابو نعیم صحیح ۱۲ سلہ غزالی اور کنوز الحقائق ۱۲ سلہ عراقی کہتے ہیں کہ ملی نہیں ۱۲ سلہ خواہش ۱۲ ہ پاک ۱۲ لہ سبحان اللہ کہنا اور لا الہ الا اللہ کہنا ۱۲ سلہ ایک دوسرے کی ضد ۱۲

اور یہ درجہ بغیر صبر کے حاصل نہیں ہو سکتا لہذا اجنابؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر کو آدھا ایمان فرمایا ہے اور چونکہ صبر کبھی شہوت کے مقابلہ میں ہوتا ہے اور کبھی غصہ کے مقابلہ میں اور روزہ شہوت کے توڑنے کا نام ہے لہذا روزہ کو نصف صبر ارشاد فرمایا ہےؑ - یاد رکھو کہ صبر کے تین درجے ہیں۔ **اعلیٰ** درجہ یہ ہے کہ شہوت اور ہوائے نفس کے مادہ ہی کا قلع قمع ہو جائے کہ اُسکو مقابلہ کی قدرت ہی نہ رہے اور اس پر ثبات و بقا نصیب ہو۔ اور انھیں نفوس کو نفس مطمئنہ کے خطاب سے مخاطب بنا کر مرتے وقت بشارت دی جائیگی کہ "اے نفس مطمئنہ چل اپنے پروردگار کی طرف کہ تو اللہ سے راضی اور اللہ تجھ سے راضی"۔ اور سب میں **ادنیٰ** درجہ یہ ہے کہ ہوائے نفسانی غالب آجائے اور قلب شیطانی لشکر کے حوالہ ہو جائے اسی خطرناک حالت والوں کو حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ "میرا فرمان صادر ہو چکا کہ میں تم سے جہنم بھرونگا"۔ (اللہ پناہ میں رکھے) اسکی دو علامتیں ہیں ایک یہ کہ ایسا شخص کہا کرتا ہے کہ "مجھے توبہ کا شوق تو ہے مگر مجھ سے ہو نہیں سکتی اور اسی لئے اب اسکی کچھ خواہش بھی نہیں رہی" یہ یاس اور نا امیدی کا درجہ ہے جو مہلک ہے۔ اور رجا نبری کی اُمید نہیں۔ دوسری علامت یہ ہے کہ توبہ کا شوق بھی نہ رہے اور کہنے لگے کہ "اللہ رحیم و کریم ہے اُسے میری توبہ کی کچھ پرواہ نہیں ہے اگر توبہ کئے بغیر وہ مجھ کو جنت میں بھیجدیگا تو اس سے جنت جیسی وسیع جگہ چھوٹی نہیں پڑجائیگی۔ اور خدا کی رحمت شاملہ میں کچھ کمی نہیں آجائیگی"۔ یہ بیچارہ کم عقل متحیر ہے۔ اس پابند ہوا و ہوس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی مسلمان شخص کافروں کے ہاتھ میں قید ہو جائے اور کافر اُسکو کبھی خنزیروں کے چرانے اور اُن کے کھلانے پلانے کی خدمت سپرد کردیں اور کبھی اُسکی گردن اور کمر پر شراب کے پیپے لدوا کر اپنے گھروں تک لیجائیں اور یہ اس ذلیل حالت کو ذلیل نہ سمجھے پھر بھلا اُسکی نجات کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔ تمھیں بتلاؤ کہ اگر بادشاہ کی کسی پیاری اولاد کو پکڑ کر کسی ذلیل و بے عزت غلام کے حوالہ کردیا جائے کہ وہ اُسکو اپنا غلام بنائے پاؤں دبوائے اور جو چاہے خدمت لیا کرے تو اُس بیچارے شہزادہ کا کیا حال ہوگا؟ اسی طرح اُس غفلت شعار مسلمان کا حال ہے جس نے حق تعالیٰ کی تقرب پر دُنیائے دنی کو ترجیح دی اور ہوائے نفسانی کا قیدی ہو گیا کہ توبہ اور توجہ الی اللہ کا شوق بھی اُسکے دل سے جاتا رہا (نعوذ باللہ من ہذا الحال الردی) **متوسط** درجہ یہ ہے کہ خدائی لشکر اور شیطانی گروہ میں جنگ و جدال قائم رہے کہ کبھی اُسکا پلہ بھاری ہو جائے اور کبھی اسکا پلہ۔ نہ اسکو کامل شکست ہو اور نہ اسکی کھلی ہوئی فتح۔ بس اس قسم کے لوگوں کے بارہ میں ارشاد ہے کہ "یہ لوگ ہیں جنھوں نے اعمال صالحہ کو بدکاریوں میں خلط کر رکھا ہے اُمید ہے کہ حق تعالیٰ اُن پر توجہ فرمادے"۔ اسکی علامت یہ ہے کہ ضعیف خواہشوں کو ترک کرے اور زور آور شہوات کو نہ چھوڑ سکے اور نیز کبھی خواہشات کو چھوڑ دے اور کبھی اُن کے ہاتھوں عاجز آجائے مگر اپنے مغلوب ہونے پر حسرت و افسوس ضرور کرتا اور برابر اس کوشش میں لگا رہے کہ کسی طرح نفس پر قابو حاصل ہو جائے تو بہتر ہے اسی کو جہاد اکبر کہا گیا ہے اور اسمیں اسکو دیکھنا ہے کہ کہاں تک فتح حاصل کرتا ہے؟ اگر مغلوب ہا اور قوت عقل کو غلبہ دلسکا تو بالکل جانور کی برابر ہے بلکہ اُس سے بھی گیا گذرا ہوا کیونکہ اسمیں تو عقل نہیں ہے اور اسمیں باوجودیکہ عقل ہے مگر چوپایہ کی طرح اپنی خواہش نفس کے پورا کرنے میں مصروف ہے اور اگر غالب آگیا تو کام بنگیا

صبر کا اعلیٰ درجہ

صبر کا ادنیٰ درجہ اور اسکی علامات

صبر کا متوسط درجہ اور اسکی علامت

لہ بونعیم صحیح ۱۲ سے ابن ماجہ صحیح ۱۲ سے خدا کی طرف التفات ۱۲ سے ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں اس ردی حال سے ۱۲ شہ بڑی جنگ ۱۲ +

(فصل) انسان تمام عمر ہر حالت میں محتاج ہے کیونکہ دنیا میں دو ہی حالتیں ہیں یا اپنی مرضی کے موافق اور یا مخالف و ناگوار۔ پس اگر مرضی اور منشار کے موافق حالت ہے مثلاً تندرستی' تونگری' اولاد' عزت' جاہ سب کچھ حاصل ہے تب تو صبر کی نہایت ضرورت ہے کیونکہ اگر نفس کی باگ نہ تھامے گا تو یہ سرکش شرارت کریگا اور تنعم و تلذذ میں بیباکانہ قدم رکھے گا یعنی خواہشات کے پیچھے ہو لیگا اور ابتدا و انتہا سب بھول جائیگا۔ اسی لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ "ہم تنگی اور فقر کے فتنہ میں مبتلا ہوئے تو صابر نکلے مگر فراخی و وسعت کے فتنہ میں مبتلا ہوئے تو صبر نہ کر سکے"۔ اور فراخی میں صبر کرنیکے یہی معنی ہیں کہ قلب کا میلان اس دنیا کی متاع کی جانب نہ ہو بلکہ یہ سمجھے کہ جو کچھ بھی مجھے خدا کی سرکار سے عطا ہوا ہے وہ میرے پاس خدا کی امانت ہے جو عنقریب مجھ سے واپس لیا جائیگا۔ پس جب تک وہ میرے پاس ہے اُس وقت تک مجھے شکر ادا کرنا چاہئے اور جب وہ چلی جائے تو رنجیدہ نہ ہونا چاہئے اور اگر خدانخواستہ غفلت اور اتباع ہوا میں مشغول ہو گیا تو غافل کہا جائیگا۔ **دوسری صورت** یہ ہے کہ اپنی خواہش کے مخالف حالت ہو اور اسکی چار قسمیں ہیں۔

پہلی قسم اُن طاعات پر صبر کرنا ہے جن سے نفس گھبراتا اور بھاگتا ہے۔ مثلاً محض کسل کی وجہ سے نماز پڑھنی ناگوار ہے اور بخل کی وجہ سے زکوٰۃ دینی گراں گذرتی ہے اور کسل و بخل دونوں کی وجہ سے حج اور جہاد کرنا دشوار ہے۔ پس نفس پر جبر کرنا اور طاعت پر صبر کرنا اگرچہ کیسا ہی گراں گذرے مگر ضروری ہے کہ اس گرانی کا متحمل ہو اور نفس کو زیر کرے اور جب نفس مطیع ہو گیا تو پھر تین قسم کے صبر کا حکم ہوگا اول عبادت کے شروع کرنے سے پہلے اخلاص پیدا کرنا۔ ریا وغیرہ کا دُور کرنا اور نفس کے مکر و فریب سے بچنا۔ **دوم**۔ حالتِ عبادت میں صبر کرنا ضروری ہے تاکہ آداب و سنن و مستحبات کے ادا کرنے میں کسل و کاہلی نہ ہو اور عبادت میں اول سے آخر تک حضورِ قلب قائم رہے کہ شیطانی وسواس اور نفس کے خطرات ایک لمحہ کیلئے بھی پاس نہ آویں۔ **سوم**۔ فراغت پانیکے بعد صبر کرنیکی جدا ضرورت ہے کہ ریا و سمعہ کے طور پر اسکا اظہار اور لوگوں سے اپنی عبادت کا ذکر کرتا نہ پھرے۔ بغرض صبر کی ہر جگہ ضرورت ہے اور وہ ہر حالت میں نفس کو شاق گذرتا ہے۔ **دوسری قسم** معاصی سے صبر کرنا ہے خاصکر ایسی معصیت سے جس کا کہ نفس عادی ہو رہا ہو اور اُس کا مزہ پڑا ہوا ہو کیونکہ یہاں خدائی لشکر یعنی عقل و دین سے دو لشکروں کا مقابلہ ہوتا ہے۔ ایک شیطانی گروہ اور دوسرا اُس کیساتھ اُس کا مددگار یعنی عادت کا لشکر اور پھر خصوصاً عادت بھی ایسی چیزوں کی جن کے حاصل کرنے میں سہولت ہو کہ ٹکے خرچ کرنے کی بھی حاجت نہیں۔ مثلاً غیبت کرنا جھوٹ بولنا جھگڑنا۔ اور خودستائی وغیرہ کہ ان معصیتوں میں صرف زبان ہلانی پڑتی ہے پس ان سے بچنا اور صبر کرنا بڑے بہادر کا کام ہے۔ **تیسری قسم** اُن چیزوں پر صبر کرنا ہے جو اگرچہ تمھاری اختیاری نہیں ہیں مگر اُن کا تدارک اور تلافی تمھارے قبضہ میں ضرور ہے مثلاً کسی ایسے شخص سے ایذا پہنچی جس سے تم انتقام لے سکتے ہو مگر اُس پر صبر کرو اور انتقام نہ لو۔ یہ صبر کرنا کسی وقت واجب ہے اور کسی وقت مستحب چنانچہ ایک صحابی فرماتے ہیں کہ "جب تک مسلمان ایذا پر صبر نہیں کرتا تھا ہم اُسکے ایمان کو کامل نہیں سمجھتے تھے" حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ "مسلمانوں کی یہ شان ہے کہ کافروں کی ایذائیں برداشت کرتے اور یوں کہتے ہیں کہ ہم انکلیفوں

خوش حالی میں صبر کی ضرورت اور اسکی صورت

طاعات پر صبر

عبادت سے پہلے اور درمیان اور ختم پر صبر کرنا

معصیت پر صبر کرنا

ایذا اور مصیبت پر صبر کرنا

ؔ نعمتوں اور مزے ولذت میں پڑنا ۱۲ ؔ ترمذی ۱۲ ؔ یعنی نعمت کا پورا حق ادا نہ ہو سکا ۱۲ ؔ وسوسے ۱۲ ؔ دکھاوا اور شہرت ۱۲

پر ضرور صبر کرینگے جو تم ہم کو پہنچاؤ گے"۔ **چوتھی قسم** وہ ہے جو بالکل غیر اختیاری ہو یعنی اُسکی تلافی بھی اپنے اختیار میں نہ ہو جیسے کسی عزیز کے مرجانے یا مال کے برباد ہو جانے کی مصیبت یا کسی مرض و بیماری کا پیدا ہو جانا یا کسی عضو کا جاتا رہنا۔ غرض تمام بلائیں اور حوادثات پر صبر کرنا چوتھی قسم میں داخل ہے۔ اسکا بڑا درجہ ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ "جب میں کسی بندہ کو مصیبت میں مبتلا کرتا ہوں اور وہ صبر کرتا ہے یعنی شکایت کا کلمہ زبان پر نہیں لاتا تو میں اُسکا معاوضہ اسکو دیتا ہوں۔ گوشت سے بہتر گوشت اور خون سے بہتر خون اگر تندرست کر دیتا ہوں تو گناہ معاف کر کے تندرست کرتا ہوں۔ اور وفات دیتا ہوں تو پاک صاف کر کے اپنی رحمت کے جوار میں لیتا ہوں" غرض انسان کسی حالت میں صبر سے مستغنی نہیں ہے اور چونکہ صبر نصف ایمان ہے اور ایمان کا دوسرا نصف حصہ شکر ہے کیونکہ اس کو بھی تمام اعمال سے تعلق ہے۔ اس لئے شکر کا بیان کرنا بھی مناسب ہے۔

پانچویں اصل شکر کا بیان

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ "اگر تم لوگ شکر کروگے تو ہم تم کو زیادہ دینگے"۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "کھانیوالا شکر گذار بندہ روزہ دار صابر کی برابر ہے"۔ تم نے سُنا ہوگا کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے مبارک عبادت کرتے کرتے ورم کر آتے تھے اور آپ تہجد میں گریہ و بکا بہت فرماتے تھے ایکمرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کے تو اگلے پچھلے سب گناہ معاف ہو گئے ہیں پس آپ اسقدر گریہ و بکا کیوں فرماتے ہیں"؟ آپ نے جواب دیا کہ "اے عائشہ کیا میں خدا کا شکر گذار بندہ نہ بنوں"؟ واقعی شکر کا مرتبہ نہایت عالی اور صبر و خوف و زہد اور تمام مذکورہ مقامات سے بلند ہے کیونکہ جن اوصاف کا ذکر ہو چکا ہے اُن میں سے کوئی صفت بھی مقصود بالذات نہیں ہے۔ بلکہ سب مقصود بالغیر ہیں چنانچہ **صبر** تو اسلئے مقصود ہے کہ ہوائے نفس کا قلع قمع ہو جائے اور **خوف** اسلئے مطلوب ہے کہ کوڑے کا کام دیکر مقام مقصود تک پہنچاوے اور **زہد** سے مقصود اُن تعلقات سے بھاگنا ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی جانب سے بے توجہ کر رکھا ہے۔ البتہ صرف شکر ایسی صفت ہے جو مقصود بالذات ہے اور فی نفسہ مطلوب ہے اور یہی وجہ ہے کہ شکر کا وجود جنت میں بھی ہوگا کہ توبہ و خوف اور زہد و صبر کی وہاں حاجت نہیں ہے اور شکر وہاں کی نعمتوں پر بندے ضرور ادا کرینگے۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ "اہل جنت کا آخری قول "الحمد للہ رب العلمین" ہوگا۔ شکر ادا کرنے کیلئے شکر کی ماہیت معلوم ہونی ضرور ہے یعنی اول علم ہونا چاہیے کہ شکر کیا چیز ہے؟ اور جب یہ معلوم ہوگا تو ایک حالت خاص پیدا ہوگی اور پھر اُس حالت خاص کے بعد عمل متفرع ہوگا۔ شکر کے تین رکن ہیں جنکو ہم علیحدہ علیحدہ بیان کرتے ہیں۔ اول علم یعنی نعمت اور منعم سے واقف ہونا نیز یہ سمجھنا کہ تمام نعمتیں حق تعالیٰ ہی مرحمت فرماتا ہے اور جسقدر اسباب و واسطے اُس نعمت کے ہم تک پہنچنے میں پیش آئے ہیں وہ سب اللہ پاک ہی کے قبضہ میں ہیں اُسکے حکم بغیر نہ کوئی ذرہ حرکت کر سکتا ہے اور نہ کوئی چیز کسی کو مل سکتی ہے اور اس سمجھنے سے دو باتیں پیدا ہونگی **ایک** منعم سے خوش ہونا **دوم** اُسکی خدمت گذاری اور امتثال امر میں سرگرمی کرنا۔ انھیں دو حالتوں کا نام **حال** اور **عمل** ہے **دوسرا** رکن حال یعنی منعم کی اُس نعمت پر اسوجہ سے خوش ہونا کہ منعم کا عطیہ ہے اور خضوع و تذلل کی ہیئت ظاہر کرنا کیونکہ بادشاہ اگر کسی غلام کو گھوڑا

مصائب و حوادثات پر صبر کرنا

صرف شکر ہی مقصود بالذات ہے اور خوف و زہد و صبر مقصود بالغیر ہیں

شکر کے تین رکن علم و حال و عمل

ےہ شکر ہے اللہ کو جو رب ہے تمام جہان کا ۱۲ [illegible] مضمون [illegible] بخاری معلق و ترمذی مسند و حاکم و ابن حبان صحیح [illegible] ابن حبان صحیح [illegible] انکساری

بھیجے تو اسکی خوشی تین وجہ سے ہوتی ہے اول اس وجہ سے کہ کام کی چیز ہاتھ آئی کہ گھوڑے پر سوار ہوکر بیسیوں ضرورتیں رفع ہونگی۔ دوم اس وجہ سے کہ یہ عطیہ بتلا رہا ہے کہ بادشاہ کی اس غلام پر توجہ اور عنایت ہے جس سے آئندہ کسی بڑی اور اس سے بھی زیادہ مفید نعمت کے ہاتھ آنے کی اُمید ہے۔ سوم اس وجہ سے کہ گھوڑا اُسکی سواری بنے گا اور اُس پر سوار ہوکر اپنے منعم آقا کے حضور میں حاضر ہوکر شاہی خدمت بجا لاسکے گا۔ ان میں سے پہلی وجہ تو کوئی چیز ہی نہیں کیونکہ وہ تو محض نعمت پر خوشی ہے منعم کی حیثیت اُس میں ملحوظ نہیں ہے، اور دوسری وجہ شکر میں داخل ضرور ہے مگر ضعیف ہے البتہ تیسری وجہ شکر کا درجہ کمال ہے کیونکہ جو کچھ بھی حق تعالیٰ مرحمت فرمادے اُس پر اس وجہ سے خوش ہونا کہ یہ چیز کوئی کار آمد چیز ہے ٹھیک نہیں ہے، کیونکہ شکر کے یہ معنی ہیں کہ اُس پر اسوجہ سے خوش ہو کہ یہ حق تعالیٰ تک پہنچنے کا وسیلہ اور ذریعہ ہے اور اسکی علامت یہ ہے کہ ایسی نعمت پر خوشی نہ پیدا ہو جسکے سبب خدا سے غفلت پیدا ہوجائے اور ذکرِ الٰہی بھول جائے۔ بلکہ ایسی حالت پر رنجیدہ ہو ہاں جس نعمت کے ذریعہ سے دُنیاوی تفکرات رفع ہوں اور اطمینانِ قلب نصیب ہو یعنی خدا کی یاد میں اعانت حاصل ہو اُس پر خوشی و مسرت ہونی چاہیے پس جو شخص شکر کا یہ درجہ کمال نہ حاصل کرسکے تو خیر وہ دوسرا ہی درجہ حاصل کرے باقی پہلے درجہ کو تو شکر سے کوئی مناسبت ہی نہیں ہے۔ تیسرا رکن عمل ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کو اُس کی رضامندی میں استعمال کرنا اور یہ اُسوقت ہوسکتا ہے جبکہ مخلوق کی پیدائش کے اغراض و مقاصد اور یہ بات معلوم ہوجائے کہ کیا کیا چیز کس کس کام کیلئے پیدا ہوئی ہے مثلاً آنکھ اللہ کی ایک نعمت ہے اور اُسکا شکر یہ ہے کہ اُسکو اللہ کی کتاب یعنی قرآن مجید اور علمِ دین کی کتابوں کے دیکھنے اور آسمان و زمین جیسی بڑی مخلوق کے اس غرض سے مشاہدہ کرنے میں صرف کرے کہ عبرت حاصل ہو اور خالقِ برتر کی عظمت و کبریائی سے آگاہی حاصل ہو نیز ستر کے دیکھنے اور عورت پر نظر ڈالنے سے اُسکو روکے رکھے اسی طرح کان ایک نعمت ہے، اور اُس کا شکر یہ ہے کہ اسکو ذکرِ الٰہی اور اُن باتوں کے سُننے میں استعمال کرے جو آخرت میں نفع دیں اور ہجو اور لغو اور فضول کلام سُننے سے روکے زبان کو یادِ خدا اور حمد و ثنا اور اظہارِ شکر میں مشغول رکھے اور تنگدستی یا تکلیف میں شکوہ و شکایت سے باز رکھے کہ اگر کوئی حال بھی پوچھے تو شکایت کا کلمہ نہ نکلنے پاوے کیونکہ شاہنشاہ کی شکایت ایسے ذلیل و بے بس غلام کے سامنے زبان سے نکلنی جو کچھ بھی نہیں کرسکتا بالکل فضول اور معصیت میں داخل ہے اور اگر شکر کا کلمہ زبان سے نکل گیا تو طاعت میں شمار ہوگا۔ قلب کا شکر یہ ہے کہ اسکو فکر و ذکر اور معرفت و اخلاص میں استعمال کرے اور صفاتِ حمیدہ سے اسکو آراستہ کرے اور خصائلِ رذیلہ سے صاف و پاک رکھے۔ غرض ہاتھ پاؤں تمام اعضا اور مال و متاع و عزت و جاہ سب کا شکر یہی ہے کہ انکو حق تعالیٰ کی طاعت میں مشغول رکھا جائے۔

(فصل)

درحقیقت کمال درجہ کا شکر تو وہی بندے ادا کرسکتے ہیں جن کا شرح صدر ہوچکا ہو اور جن کے قلوب کے اندر حق تعالیٰ نے حکمت و معرفت کا نور بھر دیا ہے کہ وہ ہر چیز کے رموز اور اسرار سے واقف ہیں اور ہر شے میں اپنے محبوب کا جلوہ دیکھتے ہیں اور جسکو یہ درجہ حاصل نہ ہو اُسکو سُنت کا اتباع اور حدودِ شریعت کا لحاظ رکھنا ضروری ہے یعنی اسکو اتنا سمجھ لینا چاہیے کہ اگر مثلاً کسی محرم پر نظر ڈالی تو آنکھ کی نعمت کا کفران ہوا اور نیز آفتاب اور تمام اُن نعمتوں کی ناشکری ہوئی جنکو بصارت میں دخل ہے

شکر کا دوسرا رکن یعنی حال کہ نعمت کے آلۂ طاعت ہونے پر خوشی ہو۔

تیسرا رکن یعنی عمل اور ہر نعمت کا طاعتِ خدا میں استعمال۔

کفرانِ نعمت کا ادراک باتباعِ سنت۔

اور جن کے بغیر کچھ نظر نہیں آسکتا۔ کیونکہ آنکھ کے بغیر بینائی کام نہیں دے سکتی اور آفتاب کے بغیر آنکھ بیکار ہے چنانچہ سب جانتے ہیں کہ اندھیرے میں آنکھ کچھ بھی کام نہیں دیسکتی۔ اور آفتاب اپنے وجود میں آسمان کا محتاج ہے پس آنکھ کی بدنظری کی ایک معصیت ہے گویا آسمان و زمین سب ہی کا کفرانِ نعمت ہوگیا یہی حال تمام معصیتوں کا ہے کیونکہ تمام نعمتوں کا باہم تعلق و البستہ ہے اور ایک کو دوسرے اور دوسرے کو تیسرے سے ایسا علاقہ ہے جو ذرا غور کرنے سے سمجھ میں آسکتا ہے۔ یہاں سمجھانے کے لئے ایک مثال بیان کئے دیتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ اللہ پاک نے روپیہ اشرفی یعنی ثمن نقد کو بمنزلہ حاکم کے بنایا ہے کہ اس کے ذریعہ سے تمام اموال کی قیمت[1] قرار پائے اور اشیاءِ مختلفہ کے ارزاں و گراں ہونے کا باہمی فرق و امتیاز ظاہر ہو۔ پس اگر ثمن نقد یعنی چاندی و سونا نہ ہو تو کچھ بھی سمجھ میں نہ آئے کہ کپڑا زعفران کے بدلے کیونکر خرید اجائے۔ اور اناج گھوڑے کے عوض کس طرح فروخت کیا جائے اس لئے کہ ان میں باہم کوئی مناسبت نہیں ہے، اگر ہے تو صرف یہی ہے کہ نفسِ مالیت دونوں میں مشترک ہے یعنی ثمنیت اور نقدی جس کو چاندی و سونا کہتے ہیں کم و بیش دونوں میں پائی جاتی ہے اور یہی تمام چیزوں کی مقدار کا معیار[2] ہے پس اگر کپڑا ایک روپیہ گز کا ہے اور زعفران پچاس روپیہ سیر کی تو اس سے اندازہ ہوگیا کہ پچاس گز کپڑے کے بدلے سیر بھر زعفران خریدنی چاہئے۔ اور پچاس گز کپڑا سیر بھر زعفران کے مساوی ہے غرض یہ ثمن و نقدی نہ ہو تو تمام معاملات میں ردّ و بدل ہوجائے اور جملہ اشیاء میں گڑبڑ مچ جائے اسلئے اگر کسی شخص نے اُسکو اکٹھا کرکے زمین میں گاڑ دیا یا خزانہ بناکر مقفّل کردیا تو گویا حاکم کو مسندِ حکومت سے اُتار کر بیکارِ محض بنادیا اور مقید کرلیا اور جس شخص نے اُسکے برتن بنائے مثلاً پانی پینے کا گلاس اور سالن اتارنے کی رکابی تو گویا حاکم کو جولاہے اور کاشتکار کے کام میں لگادیا۔ حالانکہ یہ اوسط درجہ کے کام دوسرے ادنیٰ درجہ کے خدمتگار بھی کرسکتے تھے۔ پس یہ سزا قید سے بھی زیادہ سخت ہوئی اور جس شخص نے سود لینا شروع کردیا اور روپیہ اشرفی کے لین دین کو مالی ترقی اور تکثیرِ مال کا ذریعہ بنالیا کہ صرافہ کے ذریعہ سے چاندی سونے کی ذات کو مقصدِ تجارت ٹھیرالیا تو اُسنے گویا حاکم کو اپنا غلام بنالیا تاکہ وہ گھاس کاٹ کرلایا کرے اور جھاڑو دیدیا کرے حالانکہ یہ سب صورتیں صریح ظلم ہیں اور حکمتِ خداوندی میں تغیر و تبدل کا پیدا کرنا ہے گویا حق تعالیٰ سے عداوت ہے جسکی بنا پر محاربہ و جنگ کا پیام دیا گیا ہے۔ غرض جس شخص کو نورِ معرفت حاصل نہیں اور یہ رموز اُسکو نظر نہیں آتی تو وہ شریعت کی زبان سے صورت تو سمجھ ہی لیگا اگرچہ معنی نہ سمجھے پس اسکو احکامِ شرعی سُنائے جائینگے کہ دیکھو حق تعالیٰ فرماتا ہے "جو لوگ چاندی اور سونے کا خزانہ بناتے اور جوڑ جوڑ کر رکھتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو قیامت کے دن جمع کئے ہوئے مال اُنکے مُنہ اور پیٹھوں پر داغ دئے جائینگے" اور رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "جس شخص نے چاندی یا سونے کے برتن میں پیا گویا وہ اپنے پیٹ میں آگ کے گھونٹ اتار رہا ہے"[3] اور حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ "جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت کے دن قبروں سے اس طرح اُٹھیں گے جیسے آسیب زدہ" ان آیات و احادیث سے معلوم ہوگیا کہ اموال اور اشیاءِ عالم کے حاکم یعنی زر نقد کا جمع کرنا اور برتن بنانے اور سود پر چلانا یعنی صرافہ کرنا تینوں حرام اور خلافِ مقتضائے حکمتِ خداوندی ہیں ہاں اتنا فرق ہے کہ اہلِ بصیرت ان رموز و اسرار

شریعت نے جن کو معصیت و حرام کہا ہے وہ درحقیقت کفرانِ نعمت ہوتی ہے۔

[1] قیمت۔ مراد سکہ ۱۲ [2] کسوٹی ۱۳ [3] بخاری و مسلم ۱۲ +

چونکہ واقف ہوتے ہیں لہذا اُن کا علم دلائل و احکام شرعیہ سے دوبالا ہو کر نورٌ علی نور کا مصداق بنجاتا ہے اور نیکوکار مسلمان جو ان اسرار تک نہیں پہنچ سکتے وہ حدودِ شرعیہ پر ہی اکتفا کرتے ہیں اور جو لوگ اندھے اور جاہل ہیں وہ دونوں سے محروم رہتے ہیں۔ سو ایسے ہی لوگوں سے جہنم بھری جائیگی حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ "اے محمدؐ تم پر نازل ہوئے احکام کو جو شخص حق سمجھتا ہے وہ اور راہِ مستقیم سے اندھا کیا برابر ہو سکتے ہیں"۔ دوسری جگہ فرماتا ہے کہ جس نے میری نصیحت سے اعراض کیا اُسکو تنگ معیشت ملیگی۔ اور قیامت کے دن اندھا اُٹھایا جائیگا۔ تب وہ پوچھے گا کہ "مجھے اندھا کیوں اُٹھایا؟" ہم جواب دینگے کہ "ہماری نشانیاں تجھ تک پہنچی تھیں پس تو نے اُن کو بھلا دیا تھا سو آج ہم بھی تجھ کو اسی طرح بھلا دینگے"۔ اور نشانیوں سے مراد یہی حکمت و مصلحت اور اسرار و رموز ہیں جو ہر چیز کے پیدا کرنے میں ملحوظ ہیں اور جن پر انبیاء علیہم السّلام کے ذریعہ سے لوگوں کو مطلع کر دیا گیا کہ ہر زمانہ میں حاملانِ شریعت علماء و فقہاء ان کو مفصل بیان کرتے رہے پس یاد رکھو کہ شریعت کا کوئی حکم ایسا نہیں ہے جس میں حکمت اور رمز و خاصیت نہ ہو پس جو شخص ان کو سمجھ جاتا ہے وہ تو سمجھ جاتا ہے اور جو نہیں سمجھتا وہ ان کا انکار کرنے لگتا ہے اور یہ انکار کرنا شکر کے خلاف ہے اور چونکہ شکر کا کامل درجہ وہی حاصل کر سکتا ہے جس میں سچا اخلاص ہو اور کسی عمل میں ماسوی اللہ کی نیت کا شائبہ بھی نہ ہو لہذا مناسب ہے کہ اخلاص اور صدق کا ذکر کر دیں۔

چھٹی اصل اخلاص اور صدق کا بیان

اخلاص کی اصل مسلمان کی نیت ہے کیونکہ نیت ہی میں اخلاص ہوا کرتا ہے اور اخلاص کا کمال صدق ہے اور اخلاص کے معنی یہ ہیں کہ نیت میں کسی شے کی آمیزش نہ ہو اسلئے ان تینوں رکنوں کو علیحدہ علیحدہ بیان کیا جاتا ہے۔ **رکن اول نیت**۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ "اے محمد اپنے پاس سے اُنکو علیحدہ نہ کرو جو صبح شام اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں اور آنحالیکہ اُسی کی ذات کو چاہتے ہیں"۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ نیت سے مراد یہ ہے کہ عمل سے حق تعالیٰ کی ذات مقصود ہو۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "اعمال کا مدار نیت پر ہے"۔ کچھ لوگوں کے صحیفۂ اعمال حق تعالیٰ کے حضور میں پیش ہوں گے اور حق تعالیٰ فرمائیگا کہ انکو پھینکدو کیونکہ ان اعمال سے اس شخص کو میری ذات مقصود نہ تھی اور کچھ بندوں کا نامۂ اعمال پیش ہوگا تو حکم ہوگا کہ فلاں فلاں عمل اور درج کر دو۔ فرشتے عرض کرینگے کہ بارِ الٰہا وہ اعمال تو اس نے کئے نہیں تھے حکم ہوگا کہ ان اعمال کی اسنے نیت تو کی تھی اور اُسکا ہم کو علم ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ آدمی چار قسم کے ہوتے ہیں **ایک وہ** جسے حق تعالیٰ نے مال بھی دیا اور علم بھی دیا اور بمقتضائے علم اس مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے **دوسرا وہ** جو اُس شخص کو دیکھکر کہتا ہے کہ اگر حق تعالیٰ مجھے بھی مال اور علم مرحمت فرمائے تو میں بھی اسی طرح خیرات کروں۔ یہ دونوں شخص اجر میں مساوی ہیں **تیسرا وہ** شخص ہے جسکو صرف مال عطا ہوا اور علم عطا نہیں ہوا اور یہ شخص جہالت کے سبب گڑبڑ مچاتا اور فضول و بیجا مال اُڑاتا ہے اور **چوتھا** شخص جو اُسکو دیکھکر کہتا ہے کہ اگر مجھکو مال ملجائے تو میں بھی اسی طرح مزے اُڑاؤں اور عیش کروں پس یہ دونوں شخص گناہ میں مساوی

اخلاص کا مدار [illegible] نیت [illegible]

بخاری و مسلم وغیرہ ۱۲ مضمون قریب قریب دارقطنی۔ صحیح ۱۲ ابن ماجہ بسند عمدہ ۱۲

اور برابر ہیں"۔ بنی اسرائیل میں سے ایک شخص کا قصہ ہے کہ قحط سالی میں ریت کے ٹیلے پر اس کا گذر ہوا اور وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ اگر یہ ریت کا ٹیلہ اناج بنجائے تو میں اسکو لوگوں میں تقسیم کر دوں"۔ اللہ تعالیٰ نے اُس زمانہ کے نبی پر وحی بھیجی کہ اُس شخص سے کہدو کہ خدا نے تمہاری خیرات قبول کی اور نیک نیتی کی قدر فرمائی اور اسی قدر ثواب عطا کیا جتنا ٹیلہ کی مقدار اناج کے مساکین پر خیرات کر دینے پر ملتا"۔ خوب سمجھ لو کہ نیت کو عمل میں بڑا دخل ہے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "جو شخص عورت سے کسی مقدارِ مہر پر نکاح کرے اور اُسکے ادا کرنے کی نیت نہ رکھتا ہو تو یہ نکاح نہیں بلکہ زنا ہے اور جو شخص کسی سے قرض لے کہ اُس کے دینے کا قصد نہ ہو تو یہ قرض نہیں بلکہ سرقہ اور چوری ہے۔

نیت کو عمل میں بڑا دخل ہے۔

نیت کے معنی ارادہ اور قصد کے ہیں کہ جب کسی کام پر قدرت پیدا ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر کام کے لئے اول علم کی ضرورت ہوتی ہے اور علم کے بعد اُسکے عمل میں لانے کا قصد و ارادہ ہوتا ہے اور اسکے بعد ہاتھ پاؤں ہلانے اور اُس کام کے کرنے کی قدرت پیدا ہوتی ہے گویا **قدرت** قصد و ارادہ کی خادمہ ہے۔ اسکی مثال یوں سمجھو کہ تمہارے اندر کھانے کی خواہش رکھی ہوئی ہے مگر وہ ایسی دبی ہوئی ہے کہ جیسے کوئی سویا ہوا ہوتا ہے اور جسوقت تمہاری نظر کھانے پر پڑی اور طعام کا علم ہوا اُسی وقت وہ جاگ اُٹھی اور اُسکے کھانے کا قصد ہوا اسکے بعد اُسکی طرف ہاتھ بڑھیگا اور وہ قوت اپنا کام کریگی جو خواہش طعام کے اشارہ کی مطیع بنائی گئی ہے۔ غرض آنکھ کے مشاہدہ سے معرفت و علم حاصل ہوگا اور معرفت کی وجہ سے خواہش بیدار ہوگی اور قصد پیدا ہوگا اور یہ قصد خداداد قوت کے ذریعہ سے ہاتھ کو حرکت دلائیگا اور کھانا کھلائیگا۔ اسی طرح تمہارے اندر اُن لذتوں کی بھی خواہش رکھی ہوئی ہے جو تم کو آخرت میں ملنے والی ہیں اور جنکا علم عقل و شرع کے ذریعہ سے حاصل ہوا ہے اور قدرت چونکہ اس خواہش و میلان کی بھی خادم ہے لہٰذا وہ اعضاء کو حرکت دیگی اور خواہش کو پورا کر دیگی پس یہی عزم و پختہ میلان جس نے قوت کو ہاتھ پاؤں ہلانے پر آمادہ کیا **نیت** کہلاتا ہے۔ مثلاً جہاد میں جانیوالا شخص اپنے گھر سے نکلا تو دیکھو کہ اُسکو گھر سے باہر نکلنے والا باعث و محرک کیا چیز ہے؟ یعنی اگر ثوابِ آخرت ہے تو بس یہی اسکی نیت ہے اور اگر اسکا باعث مالِ غنیمت یا شہرت و نیکنامی کا حاصل کرنا ہے تو اسی کو اُس کی نیت کہا جائیگا۔ (**فصل**) جب نیت کی فضیلت اور ضرورت اور تاثیر تم کو معلوم ہو گئی تو اب ایک ایک عمل میں کئی کئی ثواب حق تعالیٰ سے لینے کی کوشش کرنی چاہئے کیونکہ ممکن ہے کہ ایک عمل میں کئی کئی نیتیں ہوں مثال کیلئے ایک صورت بیان کئے دیتے ہیں مثلاً مسجد میں جانا اور بیٹھنا ایک عبادت ہے مگر اسمیں سات کاموں کی نیت ہو سکتی ہے۔ **اول** یہ سمجھنا کہ مسجد اللہ کا گھر ہے اور یہاں آنیوالا شخص گویا خدا کی زیارت کو آتا ہے پس مسجد میں آتے وقت تم یہی نیت کرو کیونکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "جو شخص مسجد میں آیا وہ اللہ کی زیارت کو آیا ہے اور چونکہ زیارت کو آنیوالے شخص کی عزت ہوا کرتی ہے لہٰذا حق تعالیٰ اپنے زائر کا جتنا اکرام فرمائیگا اسکو تم خود سمجھ سکتے ہو کہ کیا کچھ ہوگا۔ **دوم** مرابطہ یعنی نماز کے انتظار کی نیت کرو کہ حق خداوندی کی محافظت کیلئے اپنے آپکو محبوس بنائے ہوئے اور گویا وقف کئے ہوئے ہو پس حق تعالیٰ کے حکم و رابطو کی تعمیل ہوگی اور اُسکا اجر جداگانہ ملیگا۔ **سوم** اعتکاف کی نیت کرو اور اعتکاف کے معنی یہ ہیں کہ آنکھ کان زبان ہاتھ

نیت کی ماہیت و حقیقت۔

نیت متعدد ہونے سے ایک عمل پر متعدد اعمال کا ثواب ملتا ہے۔

ؔ۱ طبرانی۔ راوی سب ثقہ ہیں ۱۲ ؔ۲ طبرانی صحیح ۱۲ ؔ۳ قیدی ۱۲ ؔ۴ یعنی ایک نماز کے بعد دوسری کا انتظار کرنا۔ از در منثور ۱۲ +

پاؤں وغیرہ تمام اعضاء کو اُن کی معمولی اور معتاد حرکتوں سے روک لیا جاوے اور یہ بھی ایک قسم کا روزہ ہے۔ چنانچہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "میری اُمت کی رہبانیت یہی ہے کہ وہ مساجد میں آبیٹھیں" **چہارم** خلوت کی نیت کرو کہ مشاغل مرتفع ہونیسے فکر آخرت کی استعداد پیدا اور ذکر الٰہی کے سُننے اور سُنانے کیلئے تجرد و عزلت حاصل ہو۔ دیکھو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "جو شخص مسجد کی جانب اسلئے روانہ ہو کہ اللہ کا ذکر کرے یا سُنے تو وہ اللہ کی راستہ میں جہاد کرنیوالے کی مثل ہے" **پنجم** اسکی نیت کرو کہ جو لوگ بے نمازی ہیں انکو تنبہ ہوگا اور نماز کو بھولے ہوئے لوگ بھی تمہاری دیکھا دیکھی نماز کو اُٹھ کھڑے ہونگے۔ پس تمہارا نماز کو جانا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بنجائیگا کہ کارِ خیر کی ترغیب دی اور معصیت سے روکا اور اس وجہ سے اُنکے ثواب میں تم بھی شریک ہوئے۔ **ششم** مسجد میں جانیسے دوسرے مسلمانوں سے کچھ کچھ دنیوی فائدہ حاصل ہوگا جو تمہارے لئے دارِ آخرت کا ذخیرہ بنے گا **ھفتم** - خدا کے گھر میں بیٹھو گے تو کچھ حیا دامنگیر آئیگی اور گناہ کی جرأت کم ہو جائیگی کہ حاکم کی یاد داشت اسکی مخالفت سے روکا کرتی ہے لہذا اسکی بھی نیت کرو۔ غرض اسی طرح ہر عمل میں کئی کئی نیتیں ہو سکتی ہیں جن کی بدولت گنتی کے چند عمل تمہارے حق میں ہزاروں نیکیاں بنیں گے۔ اور حضرات مقربین کے اعمال کے ساتھ شامل ہو جاؤ گے۔ اسی طرح یہ بھی یاد رکھو کہ عمل میں معصیت کی نیت کرنیسے ایک گناہ کئی کئی گناہ بنکر شیطان کے اعمال کے مساوی ہو جاتا ہے مثلاً مسجد میں آکر بیٹھنے سے فضول باتیں بنانی مقصود ہوں یا مسلمانوں کی ہتک آبرو ریزی اور ہنسی و مذاق اُڑانیکی نیت ہو یا اُن عورتوں اور بے ریش لڑکوں کا نظارہ مقصود ہو جو نماز کیلئے مسجد میں آتے ہیں یا تفاخر اور مناظرہ اور زبان درازی سے اپنے حریف کو ساکت کرکے حاضرین مسجد کے دلوں میں اپنی وقعت پیدا کرنی مقصود ہو یا اور کسی بُرے کام کی نیت ہو تو یہی ایک فعل کئی گناہوں کا مجموعہ ہو جائیگا۔ لہذا مناسب ہے کہ مباح کام کے اندر بھی اچھی نیت کرنیسے غفلت نہ کی جائے کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن بندہ سے اسکے ہر کام کی باز پرس ہوگی۔ حتیٰ کہ آنکھ میں سرمہ لگانے اور کپڑے کو چھونے اور انگلیوں سے مٹی کُریدنے تک کا سوال ہوگا کہ کیوں کیا تھا؟ اور مباح کام میں نیت کرنیکی یہ صورت ہے کہ مثلاً جمعہ کے دن اگر خوشبو لگائی تو یا تو یہ نیت ہوگی کہ اپنی ثروت و تونگری ظاہر ہو۔ یا یہ مقصد ہوگا کہ خوشبو سے نفس کو لذت حاصل ہوگی یا یہ ارادہ ہوگا کہ اس طرح بن سنور کر جاؤنگا تو عورتیں میری گرویدہ ہونگی اور یہ سب نیتیں لغو و معصیت ہیں۔ اسی طرح ممکن ہے کہ یہ نیت ہو کہ جمعہ کے دن خوشبو لگانا سُنت کا اتباع یعنی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اقتدا ہے اور حق تعالیٰ کے گھر کی تعظیم ہے اور جمعہ کے دن کا احترام ہے اور مسلمانوں کو بدبو کی ایذا سے بچانا اور خوشبو سے اُنکو راحت پہنچانا اور غیبت کے دروازہ کا بند کرنا ہے کہ لوگ بدبو سونگھیں گے تو دوسروں سے غیبت کرتے پھرینگے کہ فلاں شخص کے کپڑوں سے بڑی بدبو آتی تھی۔ انھیں دونوں فریق کی جانب حدیث میں اشارہ ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس شخص نے اللہ کیواسطے خوشبو لگائی وہ قیامت کے دن ایسی حالت میں آئیگا کہ مُشک سے زیادہ خوشبو اُس سے مہکے گی۔ اور جو اللہ کے سوا کسی دوسری غرض سے خوشبو لگائے گا وہ ایسی حالت پر اُٹھے گا کہ مردار سے زیادہ بدبو پھوٹے گی۔ **رکن دوم** - اخلاص نیت - حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ "لوگوں کو یہی حکم ہوا ہے کہ اللہ کی عباد

ریاء معصیت کی نیت سے مقصود نیتوں سے بھی معصیتیں پیدا ہوتی ہیں۔

۱؎ عراقی کہتے ہیں کہ نہیں ملی ۱۲ ۲؎ یہ قول احبار تابعی کا ہے۔ طبرانی کی حدیث میں بجائے ذکر کے یہ ہے کہ نیکی سیکھے یا سکھائے تو کامل حج کا ثواب ہے ۱۲ ۳؎ کہ ہر وقت خیال رکھنا ہوتا ہے

کریں مخلص بنکر اور وہی لوگ نجات پانیوالے ہیں جنھوں نے توبہ کی اور اپنی حالت سنواری اور اللہ کو مضبوط تھاما۔ اور اپنے دین میں اللہ واسطے اخلاص کیا"۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "جس شخص نے چالیس دن اخلاص کیساتھ کوئی نیک عمل کر لیا تو حق تعالیٰ اُسکے قلب سے زبان پر حکمت کے چشمے بہادیگا"۔ اخلاص کے معنی یہ ہیں کہ نیت صرف ایک ہی شے کی ہو یعنی عمل کا محرک یا صرف ریا ہو اور یا محض رضائے حق۔ ان دونوں پر اخلاص کے لغوی معنی صادق آتے ہیں کیونکہ خالص اُسی شے کو کہتے ہیں جسمیں کسی دوسری جنس کی آمیزش نہ ہو مگر اصطلاحِ شرع میں اخلاص کے یہ معنی ہیں کہ محض حق تعالےٰ کی ذات مقصود ہو کیونکہ ماسویٰ کی جانب میلان اور قصد کرنے پر شرعاً اخلاص کا اطلاق نہیں ہوتا جس طرح الحاد کے معنی مطلق میلان کے ہیں خواہ بھلائی کی جانب یا بُرائی کی طرف مگر شرعاً صرف باطل کی جانب مائل ہونیکا نام الحاد ہے اسی طرح عبادت سے مقصود اگر محض عبادت ہے تب تو اخلاص کہلائیگا۔ اور اگر اسمیں ریا اور دکھاوے کی آمیزش ہو یا عبادت کے ضمن میں دنیا کے کسی فائدہ کا بھی ارادہ شامل ہے تو اُسکو اخلاص نہیں کہیں گے مثلاً روزہ رکھنے سے مقصود یہ بھی ہو کہ روزہ رکھنا عبادت ہے اور یہ بھی مقصود ہو کہ کھانے پینے کا پرہیز کرنے سے بیماری کو بھی نفع ہوگا پس ایک کام میں دو نیتیں شامل ہوئیں تو اسکو اخلاص نہ کہیں گے۔ یا مثلاً غلام کے آزاد کرنے سے یہ بھی مقصود ہو کہ یہ عبادت ہے، اور یہ بھی مقصود ہو کہ اسی طرح پر غلام کے کھانے کپڑے کے بوجھ سے سبکدوش ہو جائیں گے یا مثلاً حج سے یہ بھی مقصود ہو کہ وہ نیک کام اور عند اللہ محبوب ہے، اور یہ بھی نیت ہو کہ حج کرنے سے سفر میں حرکت ہوگی اور حرکت سے مزاج صحت و اعتدال پر آجائیگا یا اہل و عیال کے بار سے چند روز کیلئے خلاصی ملجائیگی۔ یا دشمنوں کی ایذاؤں سے کچھ دنوں کیلئے نجات حاصل ہوگی یا ایک جگہ رہتے رہتے دِل اُکتا گیا ہے پس سفر میں دل بھی بہل جائیگا۔ یا مثلاً وضو کیا مگر اس نیت سے کہ لطافت حاصل ہو اور بدن کا میل کچیل دُور ہو جائے یا مثلاً اعتکاف کیا تاکہ گھر کے کرایہ سے سبکدوشی ہو یا کسی بیمار کی عیادت کی مگر اس نیت سے کہ تمھارے بیمار ہونے پر وہ تمھاری عیادت کو آئے یا مثلاً فقیر کو اس نیت سے کچھ دیا کہ وہ سر ہو رہا اور غل مچا رہا تھا پس اُس کا شور رفع ہو جائیگا وغیر ذٰلک۔ یہ سب خیالات اخلاص کے منافی ہیں اور ان کا رفع ہونا دشوار ہے اسی لئے بعض اہل بصیرت کا قول ہے کہ اگر ایک ساعت بھی خلاص حاصل ہو جائے تو نجات ملجائے۔ حضرت سلیمان دارانی فرماتے ہیں "مبارک ہو اُسکو جسکا ایک قدم بھی اُٹھا جس سے مقصود خدا ہی کی ذات ہو"۔ حضرت معروف کرخی اپنے نفس کو مارتے اور فرمایا کرتے تھے کہ اے نفس اخلاص پیدا کر تاکہ خلاصی حاصل ہو۔ مگر ہاں یہ ضرور سمجھ لینا چاہیے کہ ان نیتوں کی آمیزش کئی طرح پر ہوا کرتی ہے یعنی کبھی تو یہ نیتیں عبادت کی نیت پر غالب آجاتی ہیں اور کبھی مغلوب رہتی ہیں اور کبھی مساوی ہوتی ہیں پس اگر مباح کاموں کے اندر رضائے حق تعالیٰ شانہٗ کا قصد کچھ بھی شامل ہو جائیگا تو اُسکا بھی ضرور ثواب ملیگا مگر عبادت کے اندر اخلاص کا حکم ہے لہٰذا یہاں عبادت کی نیت کیساتھ اگر دوسرے مقصود کی کچھ بھی آمیزش ہوگی تو اخلاص باطل ہو جائیگا، اور اگر وہ آمیزش غالب ہے اور قصدِ عبادت مغلوب ہے تب تو عبادت بالکل ہی باطل اور بیکار ہے۔ تیسرا رکن صدق ہے اور یہی اخلاص کا کمال ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہمارے

[illegible]

اخلاص کی ماہیت

ملہ ابونعیم ضعیف ۱۲ +

بندے وہ ہیں جو اپنے عہد میں سچے ثابت ہوئے"۔ اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "انسان سچ بولتا اور اسی کا جویاں بنا رہتا ہے یہانتک کہ اللہ کے یہاں صدیق لکھا جاتا ہے"۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صفت حق تعالیٰ نے صدیق فرمائی ہے اور صدق کی فضیلت اسی سے ظاہر ہے کہ یہ صدیقین کا درجہ ہے۔ صدق کے چھ درجے ہیں اور جو شخص چھیوں میں کمال حاصل کرتا ہے وہ صدیق کے خطابات کا سزاوار ہوتا ہے **پہلا درجہ** قول صدق کا ہے کہ ہر حالت میں سچ بولے اور اسکے کمال دو ہیں **اول** تعریض سے بھی پرہیز کرے کیونکہ تعریض اگرچہ سچ ہی میں داخل ہے مگر پھر بھی سننے والا اس سے خلاف واقع مضمون سمجھتا ہے لہذا اس سے بھی احتراز کرے کیونکہ جھوٹ بولنے کی حرمت کا سبب یہ ہے کہ اسکی وجہ سے قلب کی صورت میں کجی آجاتی ہے اور وہ حق کی تجلی کے قابل نہیں رہتا چنانچہ ایسے شخص کو خواب بھی سچا نظر نہیں آتا اور تعریض کا اگرچہ یہ ثمرہ نہیں ہے تاہم اسکی صورت چونکہ جھوٹ کے مشابہ ہے اسلئے اندیشہ ضرور ہے پس صدیق کی شان کے مناسب یہی ہے کہ بلاضرورت خاص دوسرے کو تعریض کے ذریعہ سے بھی واقع کے خلاف امر کا دھوکا نہ دے۔ **دوسرا کمال** یہ ہے کہ ان اقوال میں بھی صدق کا لحاظ رکھو جو حق تعالیٰ کے سامنے عرض کرتا ہے مثلاً نماز میں زبان سے کہتا ہے کہ میں اپنے آپکو اللہ کی طرف متوجہ کرتا ہوں" پس اگر اسکے دل میں بھی ماسوی اللہ کا خیال نہیں ہے تب تو وہ قول میں سچا ہے ورنہ جھوٹا۔ یا مثلاً کہتا ہے اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ کہ "تیری عبادت کرتا ہوں اور تجھی سے مدد چاہتا ہوں"۔ پس اگر دل کے اندر زر کی طلب اور مال کی محبت موجود ہے تو یہ بھی کذب ہے کیونکہ اظہار تو خدا کے معبود اور اپنے بندہ ہونے کا کر رہا ہے اور دل بندۂ زر اور بندۂ دنیا بنا ہوا ہے۔

صفات کا تیسرا رکن صدق ہے — صدق قولی اور اسکا کمال

دوسرا درجہ نیت میں سچا رہنے کا ہے یعنی ایسا اخلاص کہ جسمیں عبادت اور فعل خیر کے قصد کے سوا کسی دوسرے قصد کی مطلق آمیزش نہ ہو **تیسرا درجہ** عزم میں سچا بننے کا ہے۔ انسان اکثر عزم کرتا ہے کہ اگر مجھے مال ملا تو اتنی خیرات کرونگا یا مثلاً خیال ہوتا ہے کہ حکومت ہاتھ آئے تو عدل کرونگا۔ پس اسکا نام عزم ہے مگر بعض لوگوں کے عزم میں پختگی ہوتی ہے اور بعض میں تردد و تذبذب۔ اسی طرح صدیقین کے عزم بھی متفاوت ہوتے ہیں جن میں اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اگرچہ جان جاتی رہے مگر عزم میں ضعف یا تذبذب نہ آنے پائے جیسے حضرت فاروق رضؓ فرماتے ہیں کہ "میری گردن اڑا دی جائے تو یہ مجھکو اس سے زیادہ محبوب ہے کہ اس گروہ پر حاکم بنوں جسمیں ابوبکر موجود ہوں"۔ پس عزم کے قوی اور مضبوط ہونے ہی کا نام عزم کا سچا ہونا ہے۔ **چوتھا درجہ**۔ عزم کے پورا کرنے میں سچائی کا ہے کیونکہ اکثر انسان کا عزم تو پختہ ہوتا ہے مگر پورا کرتے وقت کاہل اور سست بنجاتا ہے مثلاً مال ہاتھ آیا تو صدقہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی اور حکومت ملی تو عدل و انصاف نہ ہو سکا حالانکہ امتحان کا یہی وقت ہے کیونکہ دل میں عزم کر لینا تو کچھ دشوار نہ تھا۔ تکلیف اٹھانے کا موقع تو اس عزم کے پورا کرتے وقت ہی پیش آیا ہے اور اسی لئے حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ بعض شخص ایسے بھی ہیں جو اللہ سے عہد کر چکے تھے کہ اگر ہم کو مال عطا ہوا تو ضرور خیرات کرینگے مگر جب اللہ پاک نے اپنے فضل سے انکو مال مرحمت فرمایا تو بخل کرنے اور منھ پھیرنے لگے انجام یہ ہوا کہ اللہ نے انکے قلوب میں نفاق پیدا کر دیا **پانچواں درجہ** یہ ہے کہ ظاہر باطن یکساں ہو یعنی ظاہری

صدق نیت کا عزم — عزم کا صدق — عزم کے پورا کرنے میں صدق۔

سلہ بخاری و مسلم ۱۲ سلہ ڈگمگانا ۱۲

حالت بھی وہی ہو جو واقع میں باطن کی حالت ہو مثلاً نرم چال چلے اور ظاہر کرے کہ طبیعت میں وقار ہے مگر حقیقت میں قلب کے اندر وقار نہ ہو بلکہ محض لوگوں کے دکھانیکو ایسا کرے تو اسکا نام ریا ہے اور اگر مخلوق کو دکھانے کا بھی خیال نہ ہو بلکہ محض غفلت و بے توجہی ہو تو اُسکا نام اگرچہ ریا تو نہیں ہے مگر صدق بھی نہیں ہے بلکہ حالت کا دروغ اور جھوٹ ہے اسلئے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی ہے[۱] کہ "یا اللہ میرا باطن میرے ظاہر سے بہتر بنادے اور ظاہری حالت کو بھی صلاحیت عطا فرما" **چھٹا درجہ**۔ دین کے مقامات اور مدارج میں سچائی کا ہے یعنی خوف و رجا اور محبت و رضا اور توکل و زہد وغیرہ کا وہ انتہائی مرتبہ حاصل کرے جو اسم بامسمّٰی بنادے کیونکہ ابتدائی درجہ میں ان صفات کا صرف نام ہی نام ہوا کرتا ہے البتہ انتہائی درجہ میں پہنچکر سچا خوف اور سچی محبت پیدا ہو جاتی ہے چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ "مومن وہی ہیں جو اللہ و رسول پر ایمان لائے۔ پھر نہ کچھ شبہ کیا اور نہ اللہ کے راستہ میں اپنی جان و مال سے دریغ کیا یہی لوگ سچے ہیں"۔ غرض صدق کے ان چھ درجوں میں کامل ہو جانے سے صدیق کا لقب عطا ہوتا ہے اور جس کو ان سے کوئی درجہ حاصل ہے اور کوئی حاصل نہیں تو اُسکو اُسی مقدار کے موافق صدق کا مرتبہ حاصل ہوگا اور چونکہ صدق ہی کا درجہ یہ بھی ہے کہ قلب اللہ کو رزاق سمجھکر اُس پر بھروسہ رکھے اور توکل کرے۔ لہٰذا توکل کا بیان بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔

ساتویں اصل توکل کا بیان

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ "اللہ ہی پر مسلمانوں کو بھروسہ رکھنا چاہئے لوگو اگر تم ایمان دار ہو تو خدا پر توکل کرو اللہ توکل کرنیوالوں کو محبوب سمجھتا ہے۔ اور جو خدا پر بھروسہ کرتا ہے اللہ اُسکی تمام ضرورتوں کو کافی ہے۔ اللہ کے سوا جنکی تم عبادت کرتے ہو وہ تم کو رزق نہیں دیسکتے پس رزق اللہ ہی کے پاس سے طلب کرو" اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[۲] کہ "اگر تم خدا پر پورا توکل کروگے تو حق تعالیٰ تم کو اس طرح رزق دیگا جس طرح پرند کو دیتا ہے یعنی بلا تعب[۳] و مشقت کہ صبح کو بھوکا اُٹھتا ہے اور شام کو پیٹ بھرا واپس ہوتا ہے" یاد رکھو کہ جو شخص اللہ کا ہو رہتا ہے حق تعالیٰ اُسکو ایسی طرح رزق پہنچاتا ہے کہ اسکا گمان بھی نہیں جاتا۔ **توکل کے معنی** اُس حالت کے ہیں جو حق تعالیٰ کو یکتا فاعل مختار اور تمام صفات کمالیہ میں مستقل و لاشریک سمجھنے سے پیدا ہوتی ہے اور اسکے بعد یہ حالت ایسے کام کراتی ہے جن سے توکل و اعتماد ظاہر ہوا کرتا ہے لہٰذا توکل کے تین رکن ہیں **اول معرفت دوم حالت سوم اعمال** اب ہم تینوں کا جدا جدا ذکر کرتے ہیں **رکن اول معرفت** ہے یعنی توحید حق جسکا اقرار کلمہ توحید سے ہوتا ہے کہ سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں۔ وہ یکتا ہے اُسکا کوئی شریک نہیں۔ اسی کا ملک ہے اور اسی کی حمد و ثنا اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اس میں اس مضمون کا اقرار ہے کہ حق تعالیٰ قدرت اور جود اور حکمت میں وہ کمال رکھتا ہے جسکی وجہ سے حمد کا مستحق ہے پس جس نے صدق و اخلاص کیساتھ اسکا اقرار کرلیا اسکی قلب میں اصل ایمان راسخ ہوگیا۔ اور اب توکل کی حالت ضرور پیدا ہوگی بشرطیکہ صدق دل سے اقرار کیا ہو اور صدق دل کے یہ معنی ہیں کہ اس اقرار کے معنی قلب پر ایسے غالب آجائیں کہ دوسرے مضمون کی اسمیں گنجائش نہ ہے **دوسرا رکن حال** توکل ہے اور اسکی یہ معنی ہیں کہ اپنے کام خدا کے حوالہ کردو اور قلب کو مطمئن رکھو کہ غیر اللہ کی طرف التفات

صدق حال۔

مقامات میں صدق

توکل کی ماہیت اور ارکان۔

رکن اول معرفت یعنی توحید

[۱] ترمذی ۱۲ [۲] ترمذی حسن صحیح ۱۲ [۳] بلا تکان اور دشواری ۱۲

بھی نہ کرو یعنی ایسے ہوجاؤ کہ جیسے کسی ہوشیار اور شفیق و غمخوار وکیلِ عدالت کو اپنے مقدمہ میں وکیل بناکر مطمئن اور بیفکر ہوجایا کرتے ہو کہ پھر کسی دوسرے کی جانب تمہارا دل ڈانواں ڈول نہیں ہوتا۔ کیونکہ سمجھتے ہو کہ تمہارا وکیل ہر طرح عقلمند اور تمہارا خیر خواہ ہے پس تمہارے حریف کو کبھی تم پر غلبہ پانے دیگا اور مخالف سے اسکے سامنے بات ہی کی جاویگی اسی طرح جب جانتے ہو کہ رزق اور موت و حیات اور مخلوق کے چھوٹے بڑے سارے کام خدا ہی کے قبضہ میں ہیں کوئی انکا شریک نہیں ہے، نہ انکی جود و سخا اور حکمت و رحمت کی انتہا ہے پھر وجہ کیا کہ اپنے قلب کو مطمئن نہ بناؤ اور غیر سے نظر نہ اٹھاؤ پس اگر اتنا جان کر بھی توکل نہ ہو تو سمجھ لو کہ اس کا سبب دو باتوں میں سے ایک بات ضرور ہے یعنی **یا تو** پورا یقین ہی حاصل نہیں ہے، اور نعوذ باللہ حق تعالیٰ کے رزاق و باقدرت سمیع و بصیر ہونے میں کچھ شک ہے اور یا یقین تو ہے مگر قلب پر اس علم و یقین کا اثر نہیں ہوا بلکہ ایسی حالت ہے جیسے موت کے تیقن کی ہوا کرتی ہے کہ باوجودیکہ اس کا یقین حاصل اور اسکا علم ہے کہ ضرور ایکدن ہمیں مرنا اور دنیا چھوڑنا ہے مگر پھر بھی ایسے نڈر ہیں کہ اس کا کچھ فکر نہیں کرتے سبب اس کا صرف یہی ہے کہ قلب پر اس یقین کا پورا اثر نہیں ہے۔

یا دوسرا سبب یہ ہے کہ تمہارا قلب پیدائشی طور پر ضعیف و کمزور واقع ہوا ہے اور خلقۃً تم بزدل ہو کہ ضعفِ قلب کی وجہ سے تمہارا دل ایسے اوہام کا محکوم و مطیع ہوگیا ہے جو یقیناً باطل اور محض لاشے ہیں جس طرح مردہ کے پاس اسکی بستر پر لیٹ کر سونے میں اکثر ڈر معلوم ہوا کرتا ہے حالانکہ معلوم ہے کہ یہ مردہ ہے اور کچھ نہیں کرسکتا مگر پھر بھی اس کے پاس لیٹ کر نیند نہیں آتی اور ڈر معلوم ہوتا ہے تو یہ واہیات توہمات ہی کی تو اطاعت ہے جس نے ضعیف قلب کو یقین پر عمل نہ کرنے دیا مثلاً بعض آدمیوں کو شہد کے کھانے سے نفرت ہونے لگتی ہے محض اس وہمہ سے کہ اسکا رنگ گوبر کے رنگ کے مشابہ متوہم ہوتا ہے حالانکہ اسکا یقین ہوتا ہے کہ شہد ہے گوبر نہیں ہے، اور محض رنگ کی مشابہت کوئی چیز نہیں ہے، مگر پھر بھی اسکو کھا نہیں سکتا۔ اور یہ وہم ہی کا اثر ہے جس سے انسان کا بچنا دشوار ہے اسی طرح ممکن ہے کہ توحید کا یقین کامل ہو اور نام کو بھی شبہ یا شک نہ ہو با ایں ہمہ اسباب کے اختیار کرنے میں نفس مجبور ہوجائے اور اعتماد کامل جسکا نام توکل ہے حاصل نہ ہوسکے **تیسرا رکن اعمال ہیں۔** جاہلوں کا خیال ہے کہ توکل تو محنت مزدوری اور کسب کے چھوڑ دینے کا نام ہے کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھکر بیکار ہنکر بیٹھ جائے اگر بیمار ہو تو دوا علاج نہ کرے بے سوچے سمجھے اپنے آپکو خطرات اور ہلاکت میں ڈالدیا کرے کہ کہیں آگ میں گھس جائے اور کہیں شیر کے منہ میں ہاتھ دیکر تب متوکل کہلائے حالانکہ یہ خیال بالکل غلط ہے کیونکہ ایسا کرنا شرعاً حرام ہے اور شریعت ہی توکل کی خوبیاں بیان کررہی ہے پھر بھلا جس بات کو شریعت خود حرام بتائے اُسی کی رغبت اور حرص دلائیگی یہ کیونکر ہوسکتا ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ انسان کی سعی اور کوشش اکثر چار وجہ سے ہوا کرتی ہے یعنی یا تو کسی ایسی نافع چیز کے حاصل کرنے میں سعی ہوتی ہے جو حاصل نہیں ہے اور یا موجودہ نفع کی حفاظت میں سعی ہوتی ہے اور یا کسی آنیوالے ضرر کے روکنے میں اور یا موجودہ نقصان کے دور کرنے میں۔

پہلی صورت سببِ منفعت کہلاتی ہے اور اسکے تین سبب ہیں کہ یا تو سبب اختیار کرنے پر نفع کا حصول یقینی ہو یا اسکا غالب گمان ہو اور یا محض موہوم ہو۔ **یقینی** کی تو ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص بھوکا ہو اور کھانا بھی اُسکے سامنے رکھا ہو مگر وہ

ہاتھ نہ بڑھائے اور نوالہ بنا کر منھ تک نہ لیجائے اور کہے کہ میں متوکل ہوں یا مثلاً بیٹے کا طالب ہو مگر بیوی سے جماع نہ کرے یا
مثلاً غلہ کا خواہاں ہوں مگر بیج کھیت میں نہ ڈالے سو ایسا خیال تو محض جہالت اور بوالہوسی ہے کیونکہ ان اسباب پر مسبب
کا تفرع یقینی ہے جن کو حق تعالیٰ نے قاعدہ کے طور پر تجویز فرما دیا ہے اور اس میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا پس اسباب
کا اختیار کرنا شرعاً ضروری ہے البتہ ان اسباب میں توکل کرنے کی دو صورتیں ہیں **اوّل** اسکا خیال رکھے کہ طعام اور ہاتھ
خدا کے دیے ہوئے اور کھانے کی قدرت بھی اُسی کی عطا کی ہوئی ہے اسی طرح بیج اور کھیتی کرنے کی استعداد اُسی نے عطا
فرمائی ہے اسی طرح بیوی اور نطفہ اور جماع کی طاقت سب اُسی کی قدرت کا کرشمہ ہے **دوم** یہ کہ اُن اسباب پر بھی دل سے
بھروسہ نہ ہو بلکہ دل سے خالق ہی پر بھروسہ ہے کیونکہ دل سے اسباب پر بھروسا کرنا سراسر غلط ہے چنانچہ ظاہر ہے کہ ابھی
ہاتھ پر اگر فالج کا اثر ہو جائے یا مثلاً کھانا زمین ہی پر گر جائے یا بیج کو کیڑا لگ جائے یا اولہ گر پڑے یا گرمی کھا جائے تو مقصود
کی صورت بھی نظر نہ آئے **الغرض** ان دونوں باتوں کا لحاظ رکھکر سعی اور کوشش کرنے اور اسباب کے اختیار کرنے میں
نہ کچھ مضائقہ ہے اور نہ اسباب کا اختیار کرنا توکل کے خلاف ہے۔ **دوسری** حالت مسبب کے سبب پر مرتب ہونیکی متعلق
غالب گمان کی تھی مثلاً جنگل کا سفر کرتے وقت توشہ ساتھ رکھنا کہ اگر توشہ نہ لیا جائے تو مر جانا یقینی تو نہیں ہے، تاہم غالب
گمان یہی ہے کہ زاد راہ کے بغیر جنگلوں کا سفر سبب ہلاکت ہے تو ایسے سبب کا اختیار کرنا بھی خلاف توکل نہیں بلکہ سلف کا
طریقہ اور صلحا کا معمول رہا ہے البتہ اعتماد اللہ ہی کے فضل پر ہونا چاہیے کہ اگر زاد راہ کو چوری اور ڈاکہ سے محفوظ اور گلنے
سڑنے سے بچا رکھیگا اور زندگی قائم رکھکر اُس کے کھانے کی قوت کو بحال رکھیگا تو یہ کھانا استعمال میں آئیگا اور سبب
قوت و حیات بنے گا ورنہ کچھ بھی نہیں **تیسری**۔ حالت موہوم کی ہے مثلاً زیادہ معاش کے حاصل کرنے میں حد سے زیادہ سعی اور
دوڑ دھوپ کرنا کہ سعی زیادہ کرینگے تو مال زیادہ ملیگا یہ حالت حرص اور طمع کہلاتی ہے اور اسکی بدولت بسا اوقات مشتبہ مال حاصل
کرنیکی نوبت آجاتی ہے اور نیز یہ صورت توکل کے بھی خلاف ہے، چنانچہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل توکل کے جو اوصاف بیان فرمائے ہیں
اُن میں ذکر نہیں فرمایا کہ وہ شہروں میں بستے نہیں یا کسب و حرفت نہیں کرتے بلکہ یوں فرمایا ہے کہ توکل والے وہ ہیں جو منتر جنتر
نہیں پڑھتے اور جانوروں کو داغ نہیں دیتے اس سے معلوم ہوا کہ ایسے اسباب کا اختیار کرنا توکل کے خلاف ہے، جن پر مسبب کا مرتب ہونا
محض موہوم ہو۔ جیسے منتر پڑھنے اور داغنے سے مرض کا جاتا رہنا موہوم بات ہے، اور جن اسباب سے مسبب کا حاصل ہونا موہوم نہ ہو
بلکہ غالب یا یقینی ہو جیسے سفر میں توشہ رکھنا یا پیٹ بھرنے کیلئے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھانا اور چبانا وغیرہ تو یہ توکل کے خلاف
نہیں ہے **دوسری** صورت یعنی آئندہ کے نفع کی سعی اور کوشش کرنا ہے کہ جسکو تدبیر کہتے ہیں اور منجملہ اسباب ہی کی تدبیر کے اناج بھر لینا
یا آئندہ کیلئے ذخیرہ جمع کر رکھنا بھی ہے لیکن اگر متوکل کو مال عطا ہو اور وہ سال بھر یا زیادہ کیلئے ذخیرہ جمع کرے تو توکل جاتا رہیگا
اور اگر ایک دن کی خوراک رکھکر باقی سب بانٹ دے تو توکل میں کامل سمجھا جائیگا۔ اور اگر چالیس دن کا انتظام کرے تو اسمیں اختلاف ہے
شیخ سہل تستری یونہی فرماتے ہیں کہ توکل کے خلاف ہے اور بعض دیگر صلحا نے اسکو خلاف توکل نہیں سمجھا البتہ اگر یہ شخص عیالدار ہو تو جن متعلقین کا

لہ وہ شے جو مسبب سے ہوگی ہو ۱۲ لہ مرتب ۱۲ لہ یعنی مسبب کے سبب پر مرتب ہونیکا یونہی وہم ہو ۱۲ لہ بخاری و مسلم مگر حضور سے داغ کرنا مسلم وغیرہ میں روایت ہے تو مطلب یہ ہو کہ جائز تو ہے مگر بہتر نہیں اور حضور نے جواز بتانے کیلئے کیا تھا ۱۲ شہ وہبی ۱۲ +

موہوم نتیجہ والے اسباب کی ہوس طمع کہلاتی ہے۔

غالب الحکم اسباب کا اختیار کرنا بھی خلاف توکل نہیں۔

متقین الحکم اسباب میں اسباب کو عطاء خدا سمجھنا اور دل سے ان پر اعتماد نہ کرنا ضروری ہے۔

نان ونفقہ اسکے ذمہ ضروری ہو اُن کیلئے سال بھر کا ذخیرہ جمع کر دینا خلافِ توکل نہیں ہے۔ ایسا تو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کیا ہے[1] کہ ازواج مطہرات کو سال بھر کا نفقہ مرحمت فرما دیا ہے۔ ہاں اپنے نفس کیلئے ہمیشہ یہ حالت رکھی کہ اگر صبح کو مل گیا تو شام کیلئے جمع کر کے نہ رکھا اور شام کو ملا تو صبح کیلئے کچھ نہ رکھا اور سال بھر سے زیادہ کا انتظام کرنا تو بی بی بچوں کیلئے بھی توکل کے خلاف ہے کیونکہ اول تو دوسرے وقت کا انتظام طولِ امل ہے کہ زندگی کا بھروسہ گھنٹہ بھر کا بھی نہیں ہے پھر دوسری بھوک کیلئے جمع کرنا کیسا؟ اور یہی وجہ ہے کہ جتنا کسی کو اس طولِ امل سے بُعد ہوگا اُسی قدر اسکا درجہ بڑھا ہوا ہوگا مگر چونکہ حق تعالیٰ کی عادتِ جاریہ یوں قرار پائی ہے کہ ہر سال اپنی مخلوق کیلئے نیا رزق اور نیا دانہ مرحمت فرماتا ہے لہذا ایک عطا سے لیکر دوسری عطا کے وقت تک کیلئے ذخیرہ فراہم رکھنے کی بضرورتِ عیالداری گنجائش نکل آئی کہ ضعیف لوگوں کا ساتھ ہے کہیں پریشانی لاحق نہ ہو۔ باقی سال بھر سے زیادہ کیلئے جمع کرنا تو نہایت درجہ ضعیفِ ایمان کی علامت ہے۔ البتہ اثاث البیت[3] یعنی برتن آبخورہ لوٹا وغیرہ چونکہ ہر سال نیا پیدا نہیں ہوتا اور اسکی ضرورت ہر وقت رہتی ہے لہذا اسکے سال بھر سے زیادہ کیلئے ذخیرہ جمع کر لینے میں کچھ حرج نہیں ہے۔ مگر کپڑے کا آئندہ سال کیلئے رکھ چھوڑنا بیشک توکل کے خلاف ہے کیونکہ اسکی ہر وقت ضرورت نہیں چنانچہ ظاہر ہے کہ جاڑے کا کپڑا گرمی میں کام نہیں دیتا اور گرمی کا کپڑا جاڑے میں بیکار ہے اور اسی بنا پر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک درویش کی بابت فرمایا[4] کہ قیامت کے دن ایسا اُٹھے گا کہ اُسکا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا ہوگا لیکن اسکی عادت یہ تھی کہ جب جاڑا آتا تھا تو گرمی کے کپڑے آئندہ سال یعنی دوسری گرمی کیلئے رکھ چھوڑا کرتا تھا پس اگر یہ عادت نہ ہوتی تو اُسکا چہرہ چمکتے ہوئے آفتاب کی طرح دمکتا۔ **تیسری** صورت یعنی موجودہ تکلیف یا آنیوالے نقصان کے دفع کرنیکی کوشش کرنا ہے مثلاً درندہ کو دیکھکر بھاگ جانا۔ یا جھکی ہوئی دیوار کے پاس سے ہٹ جانا تاکہ گر نہ جائے۔ یا مرض کا علاج کرنا تاکہ جاتا رہے اور صحت حاصل ہو جائے سو اسکے بھی مختلف مراتب ہیں جنکو مذکورہ بالا مضمون پر قیاس کر کے تم خود سمجھ سکتے ہو۔ کیونکہ اسباب پر مسبب کا حصول یا یقینی ہوگا یا بظن غالب اور یا موہوم اور ہر ایک کا مفصل حال تم کو معلوم ہو چکا ہے پس ہر صورت کا حکم اسی سے معلوم کر لو۔ **فصل** جن لوگوں کی نظر وسیع اور قلب مضبوط و مستحکم ہو اور یقین بڑھا ہوا اور اذعان قوی ہو سو اُنکو تو یہی زیبا ہے کہ اگلے دن کا بھی ذخیرہ جمع نہ کریں۔ البتہ ضعیف القلب کو زیبا نہیں کہ اُتنی حرص کرے۔ بلکہ اگر ایسی حالت ہو کہ ذخیرہ فراہم کرنے سے قلب کی پریشانی کا اندیشہ ہو تو ایسے شخص کیلئے اس توکل کو ترک کرنا اور ذخیرہ مہیا کرنا ضروری ہے تاکہ قلب کو فراغ و سکون حاصل ہو اور عبادت صحیح ہو سکے۔ کیونکہ طبیعت کے فکر و انتشار میں جس نقصان کا اندیشہ ہے اُسکی اصلاح سب سے مقدم ہے۔ ہاں جن لوگوں کو قوتِ ایمان اور قلبی اطمینان حاصل ہے اُنکو تو زادِ راہ لئے بغیر سفر کرنا بھی جائز ہے بشرطیکہ سات روز تک بھوک پر صبر اور گھاس پات پر قناعت کر سکیں کیونکہ گھاس پات تو جنگل میں بھی ملنا غالب ہے لیکن ضعیف الایمان شخص اگر ایسا کریگا تو گنہگار ہوگا کیونکہ وہ جس صورت کو اپنے خیال میں ہلاکت سمجھتا ہے اُسی میں اپنے آپکو ڈالتا ہے اور جان بوجھکر اپنے آپکو ہلاکت میں ڈالنا حرام ہے اسی طرح قوی الایمان شخص کو بھی پہاڑ کی کھوہ میں جا بیٹھنا کہ وہاں گھاس پات ہو اور نہ کسی بشر کا گذر ہو جائز نہیں

[1] بخاری ومسلم ۱۲ [2] ترمذی ۱۲ [3] گھر کا سامان ۱۲ [4] قوت القلوب بسند مجہول ۱۲

سال بھر سے زیادہ معاش کا انتظام اہل وعیال کا بھی خلافِ توکل ہے۔

دفع مضرت کا حکم بھی جلب منفعت کی طرح تین قسم کا ہے۔

ضعیف القلب کو اتنی حرص نہ کرنی چاہیئے۔

ہے کیونکہ ایسی جگہ رزق پہنچانا اگرچہ قدرتِ خدا میں داخل ہے مگر عادت کے خلاف ہے اور اسی لئے اگر کسی شخص کو ایسی جگہ رزق ملا ہے تو وہ اسکی کرامت کہلائی اور چونکہ بندہ کو زیبا نہیں ہے کہ آقا کو عادت کے خلاف کرنے پر مجبور کرے۔ لہٰذا یہ صورت قوی الایمان کیلئے بھی جائز نہیں ہے، جنگل میں توشہ لئے بغیر سفر کرنا تو اسوجہ سے جائز تھا کہ خدا کی عادت یوں جاری ہے کہ جنگل گھاس سے خالی نہ ہو اور نیز آدمیوں کا بھی وہاں اکثر گذر ہوتا رہتا ہے تو جب قوتِ ایمان حاصل ہے تو ایسی صورت میں ہلاکت غالب نہیں ہے، لہٰذا مصیبت بھی نہیں ہے، مگر ویران اور سوکھے پہاڑ کی کھو میں بیٹھنا تو عادت اللہ کے توڑنے کی خواہش کرنا ہے اور یہ جائز نہیں ہے خلاصہ یہ ہے کہ اگر معاش کے جلی اور واضح اسباب کی طرف سے توجہ ہٹا کر جنگل کی گھاس پر قناعت کرے اور اللہ کے لطف و حکمت پر بھروسہ رہے تو اولیٰ و انسب ہے۔

آٹھویں اصل محبت کا بیان

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ "اللہ نیک بندوں سے محبت کرتا ہے اور نیک بندے اللہ سے محبت رکھتے ہیں" اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "جب تک تمہارے نزدیک اللہ اور اسکا رسول ہر چیز سے زیادہ محبوب نہ ہوگا اسوقت تک تمہارا ایمان کامل نہ ہوگا" حضرت صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "جس شخص کو اللہ کی محبت کا مزا آجاتا ہے اسکو دنیا کی طلب بالکل نہیں رہتی اور وہ آدمیوں سے وحشت کھانے لگتا ہے" اہلِ کلام و فلسفی چونکہ اللہ کی محبت کے معنی نہیں سمجھے اسلئے وہ اسکے منکر ہوکر یوں کہنے لگے کہ "جس ذات کا کوئی مثل نہیں ہے اسکو ہماری طبیعت کیساتھ مناسبت پیدا نہیں ہوسکتی اور نہ ہماری عقل اسکا پورا ادراک کرسکتی ہے لہٰذا اس کیساتھ محبت کے بجز اسکے کوئی معنی نہیں کہ اسکے احکام کی تعمیل اور ارشاد کی تعمیل کی جائے" یہ بیچارے چونکہ حقیقت سے جاہل ہیں اسلئے انکا خیال ہے کہ محبت اپنے ہم جنس ہی کیساتھ ہوسکتی ہے اسکی فہم حقیقت الامر کو معلوم کرسکی ہم اس جگہ مختصر طور پر محبت کی حقیقت بیان کرتے ہیں تاکہ اصل بات معلوم ہوسکے۔ جاننا چاہئے کہ ہر لذیذ چیز انسان کو محبوب ہے، اور محبوب ہونے کے یہ معنی ہیں کہ طبیعت اسکی طرف کھنچتی اور نفس اسکی جانب مائل ہوتا ہے یہی میلانِ طبیعت بڑھ جاتا ہے تو عشق کہلانے لگتا ہے اسی طرح کسی چیز کے ناپسند اور مبغوض ہونے کے یہ معنی ہیں کہ طبیعت اس سے نفرت کرتی ہے اور دل تکلیف پاتا ہے لیکن جب یہ سمجھ میں آگیا تو اب غور کرو کہ جتنی چیزیں تم اپنے حواس کے ذریعہ سے ادراک کرسکتے ہو یا تو وہ تمہاری طبیعت کے موافق ہونگی اور یا مخالف ہونگی اور یا ایسی ہونگی کہ نہ موافق ہیں نہ مخالف۔ پس جو چیزیں طبیعت کے موافق ہیں وہ تو محبوب اور لذیذ ہیں اور جو طبیعت کے مخالف ہیں وہ مبغوض و ناگوار ہیں اور جو چیزیں نہ طبیعت کے موافق ہیں نہ مخالف ان میں نہ لذت آتی ہے نہ ان سے نفرت ہوتی ہے بلکہ مساوی حالت رہتی ہے اور لذت ہمیشہ ادراک کے بعد حاصل ہوا کرتی ہے اگر ادراک دو قسم کے ہیں ایک ادراک ظاہری اور ایک ادراک باطنی۔ پس ظاہری ادراک تو حواسِ خمسہ کے ذریعہ سے ہوا کرتا ہے مثلاً آنکھ کو کسی حسین اور خوبصورت کے دیکھنے سے لذت آتی ہے اور کان کو موزوں اشعار اور خوش الحان کے گانے اور سریلی آواز کے سننے میں مزا آتا ہے اور زبان و ناک میں چکھنے اور سونگھنے کا حس رکھا ہوا ہے مزیدار کھانوں اور خوشبودار پھولوں میں لذت حاصل ہوتی ہے اور تمام بدن کی قوتِ لامسہ کو نرم و ملائم اور نازک چیز کے چھونے میں مزا آتا ہے اور یہی چیزیں نفس کو محبوب ہیں

اللہ سے خرق عادت کی طلب نہ کرو اور اللہ کو آزماؤ نہیں

عشق اور محبت کی حقیقت اور اسکا ماخذ

ك روشن ۱۲ سے بہتر ۱۲ سے مضمون بخاری و مسلم ۱۲ سے واقعی بات ۱۲ ھے بخش کی ہوئی ۱۲ تھے برابر ۱۲ ہے پانچوں محسوس کرنے والی یعنی دیکھنے، سونگھنے،

یعنی بالطبع نفس اُنکی جانب مائل ہوتا ہے اسی طرح انسان کو ایک چھٹا حاسہ[1] اور بھی مرحمت ہوا ہے جو ادراکِ باطنی کہلاتا ہے اور اُسکی جگہ قلب ہے۔ اس چھٹے حاسہ کو کبھی عقل کہدیتے ہیں کبھی نور اور کبھی چھٹا حاسہ۔ غرض نام جو کچھ بھی ہو مقصود یہ ہے کہ باطنی ادراک بھی حواسِ ظاہری کی طرح اپنے موافق اور مناسب چیز سے لذت حاصل کیا کرتا ہے۔ چنانچہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "تمہاری دنیا میں سے تین چیزیں میری محبوب بنائی گئی ہیں یعنی خوشبو اور عورتیں اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے"[2]۔ اور ظاہر ہے کہ خوشبو سے قوتِ شامہ کو مزہ آتا ہے اور خوبصورت عورت سے قوتِ باصرہ اور قوتِ لامسہ کو لذت حاصل ہوتی ہے مگر نماز کی لذت جو اس حواسِ خمسہ ظاہری میں سے کسی حاسہ کو بھی نہیں آتی ہاں اسکی لذت اُسی چھٹے حاسہ کو آتی ہے جو باطنی ہے اور جس کا مقام قلب ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ جس کا قلب بیکار ہے وہ نماز میں کبھی لذت نہیں پاسکتا اس لذت کا ادراک سلیم القلب[3] شخص ہی کو ہو سکتا ہے اور انسان کی خصوصیت اسی چھٹے حاسہ کی وجہ سے ہے ورنہ حواسِ ظاہری میں تو تمام حیوان مشترک ہیں چنانچہ جانوروں کو بھی اچھی صورت اور عمدہ آواز اور ذائقہ اور کھانے اور خوشبو سونگھنے اور نازک چیز کے چھونے کی رغبت ہوتی ہے۔ البتہ انسان جس طرح ظاہری آنکھوں کی بصارت سے حسین عورتوں کی لذت حاصل کرتا ہے بصیرتِ باطنی سے خوب سیرتوں کا مزہ اُٹھاتا ہے بشرطیکہ قلب کی آنکھوں میں بینائی بھی ہو مگر شاید تم باطنی خوب سیرتی اور اُسکی لذت کو نہ سمجھ سکو کہ کیا چیز ہے لہذا میں تم سے کہتا ہوں کہ تم اپنے نفس کو ٹٹولو اور دیکھو کہ اس میں انبیاء اور اولیاء اور صحابہ و علماء کی محبت ہے یا نہیں؟ نیز اگر بادشاہ منصف و بہادر اور سخی و عاقل اور اپنی رعیت پر مہربان ہو اور دوسرا ظالم و بزدل بخیل و ناسمجھ اور اپنی رعیت کیساتھ سخت دل اور کڑوے مزاج کا ہو تو ان دونوں میں تمہارا قلب کچھ امتیاز اور فرق کرتا ہے یا نہیں؟ اگر کرتا ہے تو میں پوچھتا ہوں کہ آخر اس کی وجہ کیا ہے کہ ایک کی جانب تمہارا دل کھنچتا ہے اور دوسری طرف نہیں کھنچتا بلکہ نفرت کرتا ہے؟ اگر غور کروگے تو سمجھ لوگے کہ یہ وہی باطنی ادراک ہے جو باطنی خوب سیرتی میں لذت پارہا ہے اسی طرح جسوقت مثلاً حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی شجاعت و بہادری یا ظل اللہ حضرت فاروق اکبرؓ کی سیاست و عملداری یا خلیفۃ الحق حضرت صدیق رضؓ کی سچائی و جان نثاری کے قصے سنتے ہو تو ایک اُمنگ اور مسرت اور اُن حضرات کی طرف ایک قسم کا ایسا میلان پیدا ہوتا ہے کہ اس کا انکار نہیں ہو سکتا۔ اس سے زیادہ صاف بات سمجھو تو غور کرو کہ لوگوں کو اپنے مقتدائے مذہب اور صاحب شریعت امام کیساتھ اتنا تعلق ہو جاتا ہے کہ جان اور مال کے خرچ کرنے میں انکو مطلق دریغ نہیں ہوتا حالانکہ انکی آنکھوں نے اُنکی صورت بھی نہیں دیکھی اور اگر دیکھتے بھی تو شاید اتنی محبت نہ ہوتی کیونکہ آنکھ کی لذت دوسری قسم کی ہے اُس لذت میں اور اس لذت میں بہت فرق ہے اور اگر محبت ہوتی بھی تب بھی یہ محبت جو ان صفاتِ حمیدہ کے ذریعہ سے ہوئی ہے محل گفتگو ہوتی کہ بتاؤ یہ لذت کس حاسہ سے ادراک کی گئی؟ ظاہر ہے کہ یہی چھٹا حاسہ ہے جسکی جگہ دل ہے کیونکہ دل ہی تو ہے جس نے اُن پیشواؤں میں وہ باتیں پائیں جن سے دل کو لذت حاصل ہوئی ہے۔ اسکے بعد اگر ان اوصاف کو تلاش کروگے جن کی وجہ سے یہ محبت حاصل ہوتی ہے تو وہ تین وصف نکلیں گے۔ یعنی علم اور قدرت اور بے عیب ہونا۔ کیونکہ مقتدایانِ دین کو اللہ اور اُس کے

خوب سیرتی کا امتیاز ادراکِ باطنی سے ہوتا ہے جس کا محل قلب ہے

[1] محسوس کرنیوالی قوت ۱۲ [2] نسائی و طبرانی۔ حسن ۱۲ [3] عیب سے سالم دل والے ۱۲

رسول اور فرشتوں اور آسمانی کتابوں کا علم حاصل ہے اور وہ اللہ کے پیغمبروں کی شریعت کے دقائق و حقائق سے واقف ہیں۔ دوم اُنھوں نے خدا کی دی ہوئی قدرت سے کام لیا کہ اپنے نفس کو مغلوب بنایا نفسانی شہوتوں کو مٹایا اور حق کی سیدھی راہ پر قائم اور جمے رہے اور نیز طاقت کو کام میں لا کر خدا کی مخلوق پر قبضہ کیا سیاست و ملکی انتظام سے ہزارہا میل کی آبادی کو زیر فرمان بنایا اور خدا کے برحق دین کی تلقین کر کے لوگوں کو سیدھا راستہ بتلایا اور نیز عیوب باطنی سے پاک صاف نظر آئے کہ جہالت سے بخل سے حسد کینہ سے اور بغض و عداوت سے غرض تمام بد خلقیوں سے بے عیب اور تمام عمدہ عادتوں اور اخلاقِ حسنہ سے متصف پائے گئے یہی تین اوصاف ہیں جنکی وجہ سے اُن میں وہ حسن پیدا ہوا جسکو حیوانات نہیں سمجھ سکتے یہ انسان ہی کی خصوصیت ہے کہ قلب کے چھٹے حاسّہ سے اس باطنی حسن کا ادراک کرتا اور اسمیں لذّت پاتا ہے غرض تم کو جب ان اوصاف کی وجہ سے پیشوایانِ مذہب اماموں کیساتھ محبت ہوگی تو ظاہر ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ کمالات بدرجۂ اتم موجود ہیں لہٰذا آپکی ذات کی ساتھ جو محبت ہوگی وہ دنیا بھر کے علماء و انبیاء سے بڑھی ہوئی ہوگی اسکے بعد آپ کو رسول بنانیوالی اور پیدا کرنیوالی ذات پر نظر ڈالو جس نے تم پر اپنے احسان فرمائے کہ ہزارہا انبیاء علیہم السلام تبلیغ کیلئے بھیجے اور پھر اپنا محبوب بھی تمھاری طرف مبعوث فرمایا یہ بالکل ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے علم و قدرت اور تقدس کو حق تعالیٰ شانہٗ کے بے پایاں علم اور غیر محسوس قدرت اور اوصاف کمالیہ سے کوئی مناسبت ہی نہیں ہو سکتی خدا ہی کی ذات ہے جسمیں کوئی عیب نام کو بھی نہیں اور اسکے سوا کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو ہر قسم کی عیب اور نقص سے خالی ہو اگر کسی مخلوق میں کوئی عیب نظر نہ آوے تو عجز و احتیاج اور عبودیت و غلامی بھی تو بڑا نقص ہے، اور ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام میں بھی موجود ہے کیونکہ اس سے مخلوق کا کوئی فرد بھی مستغنے نہیں ہے اسلئے کہ سب جانتے ہیں کہ یہ حضرات بھی کھانے پینے کے بھی محتاج تھے نہ کسی کو رزق دے سکتے تھے نہ مار سکتے تھے نہ جِلا سکتے تھے نہ فاعلِ مختار[1] تھے اور نہ قادر پھر قادر ذو الجلال کی قدرت اور انبیاء علیہم السلام کی قدرت میں کیا موازنہ ہو سکتا ہے؟ اسی طرح حق تعالیٰ کے علم ازلی پر نظر ڈالو تو ایک بحرِ[2] ذخار ہے کہ کہیں اسکا کنارہ ہی نہیں۔ کوئی ذرہ بھی اسکی علم کے احاطہ سے باہر نہیں نکل سکتا۔ آسمان و زمین عرش و کرسی لوح و قلم شجر و حجر غرض جو شے خیال و ذہن میں بھی نہیں آ سکتی وہ اس علّام الغیوب کے علمِ ازلی میں موجود ہے۔ غرض انبیاء علیہم السّلام میں جو کچھ بھی صفات نظر آئے تھے وہ درحقیقت پرتو اور ظل[3] ہیں صفاتِ خداوندی کا۔ پھر جب دھوپ کی جانب باوجود اس کے عارضی اور ظلِ آفتاب ہونیکے تمھارا النفس میلان کرتا ہے تو اُسکے مبدأ[4] و مصدر[5] یعنی آفتاب کی جانب کیوں نہ مائل ہوگا؟ اور جب مستعار صفات کی وجہ سے انبیاء علیہم السّلام کے ساتھ اس قدر محبت ہے تو مبدأ صفات یعنی حق تعالیٰ شانہٗ کیساتھ محبت کیوں نہ ہوگی؟ اس پر بھی اگر تمھاری باطنی بصیرت حق تعالیٰ کے جلال و جمال کا ادراک نہ کر سکے اور عشق نہ پیدا ہو تو کم سے کم اتنا تو کرو کہ اُس کے احسانات و انعامات کو شمار کرو کہ وہ کس قدر ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ تم اُنکو ہرگز شمار نہ کر سکو گے تو کیا اس سے بھی گئے گذرے ہوئے کہ اُس کو اپنا محسن ہی سمجھکر محبوب سمجھو اور نفس کو اُسکی جانب مائل و متوجہ کرو دنیا کی جس چیز میں بھی تم کو لذت حاصل ہوتی ہے اسکو سوچو اور غور کرو کہ اسکا دینے والا اور باقی رکھنے والا کون ہے؟

محبت کے اسباب صرف علم و قدرت اور تقدس ہیں۔

محبت کا دوسرا سبب محسن کی محبت ہے۔

[1] وہ کام کرنے والا جسے اس کا اختیار حاصل ہو ۱۲ [2] بہت بڑا دریا ۱۲ [3] سایہ ۱۲ [4] شروع کی جگہ ۱۲ [5] اور صادر ہونیکی جگہ ۱۲

ذرا سی توجہ سے معلوم ہو جائیگا کہ کوئی لذت اور کوئی حظ اور کوئی مزہ اور کوئی نعمت ایسی نہیں ہے جس کو حق تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا شخص دے یا دلسکے۔ پھر کیا اپنے محسن کے ساتھ تم کو محبت نہیں ہوا کرتی؟ اگر ہوتی ہے تو حق تعالیٰ کے ساتھ اصلی محبت کا ہونا ضروری اور مقدم ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ اگر فرشتوں کی طرح تم کو حق تعالیٰ کے ذاتی جلال و جمال کی وجہ سے اُسکی محبت نہ ہو تو عام مخلوق کی طرح اُسکو اپنا محسن ہی سمجھکر اس سے محبت کرو کہ اس حدیث کا منشاء پورا ہو جائے جس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "اللہ تعالیٰ سے محبت کرو بایں وجہ کہ وہ تم کو غذا دیتا ہے اور مجھ سے محبت کرو بایں وجہ کہ حق تعالیٰ مجھ سے محبت فرماتا ہے"۔ یہ محبت ضعیف اور کم درجہ کی ہے کیونکہ احسانات کے کم و بیش ہونے سے محبت بھی کم و بیش ہوتی رہیگی۔ سو اس قسم کی محبت کرنیوالا شخص اُس غلام کی مثل ہے جو اپنے مطلب کی محبت رکھے اور بایں نیت خدمت کرے کہ مزدوری ملیگی اور اپنا پیٹ بھریگا۔ اصل اور کامل محبت یہ ہے کہ حق تعالیٰ کیساتھ اُن صفاتِ محمودہ اور جلال و جمال کی وجہ سے محبت ہو جن میں اُسکی ذات لاشریک ہے اور کوئی اُسکا ہم پایہ نہیں۔ اسی لئے اللہ پاک نے حضرت داؤد علیہ السلام کی جانب وحی فرمائی تھی کہ مجھے سب میں زیادہ پیارا وہ بندہ ہے جو میری عطا اور احسان کے بغیر محض حقِ ربوبیت ادا کرنیکی غرض سے میری عبادت کرے اور زبور میں مسطور ہے کہ اس سے زیادہ ظالم کون ہے جس نے جنت کی طمع یا دوزخ کے خوف سے میری عبادت کی۔ بس اگر میں دوزخ اور جنت کو پیدا نہ کرتا تو کیا عبادت کا مستحق نہ ہوتا؟ ایکمرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا چند ایسے لوگوں پر گذر ہوا کہ جو خلوت میں بیٹھے عبادت کر رہے تھے اور کہتے تھے کہ ہم جنت کی امید رکھتے ہیں اور دوزخ کا ڈر۔ حضرت روح اللہ نے فرمایا کہ تم کو مخلوق کی ہی طمع ہے اور مخلوق ہی کا خوف ہے وائے افسوس کہ خالق کیلئے کچھ بھی نہیں۔ آگے جاکر چند دوسرے لوگوں پر گذر ہوا جو خلوت نشین تھے اور کہتے تھے کہ ہم تو محض خدا کی محبت اور اُسکے جلال کی عظمت کی وجہ سے اُسکی عبادت کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ بیشک تم خدا کے ولی و مقرب ہو اور تمھارے ہی پاس بیٹھنے کا مجھکو امر ہے۔

فصل۔ محبتِ الٰہی کی علامتیں بے شمار ہیں کہ اُسکے بیان کرنے کا یہ موقع نہیں۔ ہاں بعض علامتوں کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ سو منجملہ اُن کے یہ ہے کہ انسان نفس کی خواہش پر اپنے محبوب یعنی حق تعالیٰ کے حکم کو ترجیح دیتا اور اُسکی تعمیل کو سب کاموں پر مقدم سمجھتا ہے یعنی متقی و پرہیزگار بنتا اور حدود و شرعیہ کا ہر وقت لحاظ رکھتا ہے۔ **دوم** اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا شائق ہوتا ہے اور موت سے گھبراتا نہیں اور اگر زندگی چاہتا بھی ہے تو محض اسلئے کہ معرفتِ حق جتنی بھی زیادہ حاصل ہو اُتنی ہی بہتر ہے تاکہ محبوب کے وصال میں لذت زیادہ حاصل ہو کیونکہ معرفت مشاہدۂ جمال کا بیج ہے پس جتنا بیج زیادہ پڑیگا اُسی قدر پیداوار بھی زیادہ ہوگی۔ اسی طرح جس قدر معرفت کامل ہوگی اُسی قدر مشاہدۂ جمالِ حق میں لذت زیادہ حاصل ہوگی۔ **سوم** حکمِ الٰہی اور قضا و قدر پر راضی رہتا ہے کہ گوارا اور ناگوار جو کچھ بھی پیش آتا ہے اُس پر زبان یا دل سے شکوہ نہیں کرتا۔ اب یہ سب ہے کہ رضا بر قضا کا بھی کچھ بیان کردیں تاکہ انسان کو دھوکہ نہ ہو۔ اور اس غرہ میں کہ مجھکو محبتِ خدا حاصل ہو گئی ہے مغرور ہو کر نہ بیٹھ جائے کیونکہ محبتِ حق تعالیٰ کا حاصل ہونا کوئی آسان چیز نہیں ہے۔ بلکہ نہایت دشوار ہے

محبت خدا کے ثمرات اور علامات۔

ترمذی و حاکم۔ صحیح ۱۲ ؎۲ رب اور پروردگار ہونا ۱۲ ؎۳ لکھا ہوا ۱۲ ؎۴ حضرت عیسیٰؑ کا لقب ہے ۱۲ +

نویں اصل رضا برقضا

حق تعالیٰ نے مسلمانوں کی شان میں فرمایا ہے کہ اللہ اُن سے راضی ہے اور وہ خدا سے راضی ہیں۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "حق تعالیٰ جب کسی بندہ کو محبوب بناتا ہے تو اُس کو کسی مصیبت میں مبتلا کرتا ہے۔ پس اگر وہ صابر بنا رہتا ہے تو اُسکو منتخب کرتا ہے اور اگر اُسکی قضا پر راضی ہوتا ہے تو اُسکو برگزیدہ کرلیتا ہے"۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند صحابہ سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ اُنھوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم مومنین مسلمین ہیں آپ نے پوچھا کہ تمھارے ایمان کی علامت کیا ہے؟ اُنھوں نے عرض کیا کہ مصیبت پر صبر کرتے ہیں اور راحت پر شکر کرتے ہیں اور قضا پر راضی رہتے ہیں آپنے فرمایا "بخدا تم سچے مومن ہو"۔ حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ اے داؤد تم بھی ایک کام کا قصد و ارادہ کرتے ہو اور میں بھی ارادہ کرتا ہوں مگر ہوتا وہی ہے جو میں ارادہ کرتا ہوں پس اگر تم میرے ارادہ و مشیت پر راضی رہے و مطیع فرمانبردار رہے تب تو میں تمھارے چاہے کی تلافی بھی کرونگا اور تم سے خوش بھی رہونگا اور اگر میرے ارادہ پر راضی نہ ہوئے تو تم کو مشقت و تکلیف میں ڈالونگا اور انجام کار ہوگا ضرور وہی جو میں چاہوں گا۔ باقی مفت کی پریشانی تمھارے سر پڑیگی۔

فصل۔ ایک فرقہ رضا کا منکر ہے اور اس کا خیال جسکو وہ دلیل سمجھے ہوئے ہے یہ ہے کہ جو چیز اپنی خواہش کے خلاف ہوگی اُس پر خوش اور راضی ہونیکے کوئی معنی ہی نہیں ہیں البتہ ناگوار پر صبر ضرور ہوسکتا ہے مگر یہ خیال ناسمجھی و قصور فہم کی علامت ہے یاد رکھو کہ جس طرح وہ لوگ محبت الٰہی کے سمجھنے سے قاصر ہے اسی طرح رضا برقضا کی صورت کو نہیں سمجھ سکے یعنی بلا و تکلیف پر راضی ہونا اور خواہش نفس و طبیعت کے خلاف پر خوش ہونا تین وجہ سے ممکن ہے **اول** دنیا کی مخلوق ہی میں دیکھ لو کہ فرطِ محبت اور جوشِ شوق میں انسان کو اکثر تکلیف اور درد محسوس نہیں ہوا کرتا چنانچہ معشوق مارتا ہے مگر اُس کی تکلیف نہیں ہوتی اور محبت کا درجہ تو بلند ہے انسان کی حالت غلبہ شہوت اور غصہ کے جوش میں بھی ایسی ہوجاتی ہے کہ بدن پر زخم آجاتا اور سر پھٹ جاتا ہے خون بہنے لگتا اور جسم لہولہان ہوجاتا ہے مگر اُسوقت کچھ بھی تکلیف محسوس نہیں ہوتی اسی طرح تم نے اپنی حالت پر بھی نظر ڈالی ہوگی کہ جس وقت کسی مرغوب چیز کی ہوس اور شوق میں محو و مستغرق چلے جارہے ہو اور کانٹا چبھ جائے تو اُس وقت اسکا مطلق درد یا کرب تم کو محسوس نہیں ہوتا ہے ہاں جب غصہ رفع یا شوق ختم ہوجاتا ہے مثلاً مرغوب شے ملجاتی یا اسکے حصول میں یاس و ناامیدی ہوجاتی ہے تو اُس وقت چوٹ اور کانٹا چبھنے کی تکلیف محسوس ہونے لگتی ہے پس جب ذرا سی محبت میں یہ حالت ہوتی ہے کہ تکلیف محسوس نہیں ہونے پاتی تو زیادہ محبت میں تو کسی بڑی تکلیف کا بھی حس نہ ہوگا اور جب یہ حالت دنیا میں موجود ہے کہ خون اور گوشت سے بنے ہوئے اس انسان کے عشق میں یہ حالت ہے جسکے پیٹ کے اندر منوں نجاست بھری ہوئی ہے اور صورت کی ناپائدار معمولی خوبی نے اتنا اثر پیدا کردیا ہے کہ آنکھوں کی بینائی بھی اسقدر غلطی کرنے لگی کہ ناگوار چیز گوارا بن گئی اور بدصورت شے خوبصورت نظر آنے لگی اور عیوب محاسن بنکر خوبیاں دکھائی دینے لگے تو حضرت جل جلالہ کے جمالِ ازلی کا عاشق اگر ناگوار کو گوارا اور ناپسند کو پسند کرنے لگے تو کیا بعید ہے حالانکہ قلب کی بصیرت تو آنکھوں کی بصارت سے بدرجہا مقدم اور اولیٰ ہے

لہ یعنی اللہ تعالیٰ کے فیصلہ فرما دینے اور تقدیر میں لکھ دینے پر رضامند رہنا ۱۲ ؎ الفردوس تعلیقاً ۱۲ ؎ حاکم۔ صحیح ۱۲ ؎ قصد ۱۲ ؎ یعنی کی کمی ۱۲ ؎ تکلیف ۱۲

اسی بناپر حضرت جنید بغدادیؒ نے شیخ سری سقطیؒ سے دریافت فرمایا کہ کیا محب کو بھی بلا کی تکلیف ہوتی ہے؟ شیخ نے جواب دیا کہ ہرگز نہیں اگر ستر مرتبہ بھی تلوار ماراجائے تب بھی تکلیف نہ ہو۔ ایک عارف فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کی محبت کے سبب مجھے اسکی پیدا کی ہوئی ہر چیز سے محبت ہے یہانتک کہ اگر دوزخ کو وہ محبوب بنائے تو میں دوزخ ہی میں جانا محبوب سمجھوں۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ اسکی محبت کی وجہ سے آگ میں جلنے کی بھی تکلیف محسوس نہ ہوگی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ میرے لئے کوئی خوشی باقی نہیں رہی ہاں اگر ہے تو بس حق تعالیٰ کے قضاو قدر پر راضی ہونا رہ گیا ہے جو مجھ کو ہر وقت حاصل ہے۔ ایک صوفی کا حال لکھا ہے کہ ایک مرتبہ اُن کا چھوٹا بچہ تین دن تک گم رہا اُن سے کہا گیا کہ اگر آپ دعا مانگتے تو حق تعالیٰ بچہ کو لوٹا دیتا اور گم شدگی کی یہ کلفت نہ اُٹھانی پڑتی اُنھوں نے جواب دیا کہ بچہ کے گم ہونے سے زیادہ تکلیف میرے لئے یہ تھی کہ میں حق تعالیٰ پر اُسکے حکم میں اعتراض کرتا۔ **دوسری** وجہ قضا پر راضی ہونیکی یہ ہے کہ تکلیف کی صورتوں میں تکلیف تو محسوس ہو مگر چونکہ عقل نے اسکی بہتر انجام یعنی ملنے والے اجرو ثواب پر مطلع کردیا ہے اسلئے طبیعت اس تکلیف کو بلاکلفت گوارا کرتی ہے اسکی مثال ایسی ہے جیسے طبیب کسی مریض کو پینے کیلئے تلخ دوا بتائے یا فصد کھلوانے کی ہدایت کرے تو اس صورت میں ظاہر ہے کہ اس تلخ دوا کا پینا اور فصد کا کھلوانا تکلیف کی باتیں ہیں مگر چونکہ اسکی ساتھ ہی اسکے عمدہ نتیجہ یعنی صحت و تندرستی سے مریض کو آگاہی حاصل ہے لہذا وہ ان تکلیف دہ باتوں کے بتانیوالے طبیب سے راضی اور خوش بلکہ اسکا احسانمند و ممنون رہتا ہے اسی طرح سوداگر اپنے سفر تجارت کی گوناگوں صعوبتوں اور مشقتوں پر راضی ہوتا ہے حالانکہ ظاہر ہے کہ طبیعت ان تکالیف کو ناگوار سمجھتی ہے مگر چونکہ عقل نے اس مشقت کا اچھا نتیجہ و انجام سمجھا دیا ہے اسلئے وہ ناگواری رضا و رغبت سے بدلجاتی ہے۔ پس جب دنیا کی ناپائدار فائدوں کی یہ حالت ہے کہ انکی وجہ سے مشقت مشقت نہیں معلوم ہوتی تو اُخروی سعادت کے حاصل کرنے میں بلاتکلیف اور خلاف طبع مصیبتوں پر راضی ہوجانے سے کیوں تعجب ہوتا ہے؟ ایک پارسا عورت کے ایک مرتبہ ٹھوکر لگی اور پاؤں کا ناخن کنکر گر پڑا اس تکلیف سے بجائے رونے اور واویلا مچانے کے نیک بی بی مسرور ہوئی اور ہنسی لوگوں نے دریافت کیا کہ کیا تم کو تکلیف محسوس نہیں ہوئی؟ عورت نے جواب دیا کہ چوٹ لگنے پر جو اجر آخرت میں ملیگا اسکی حلاوت نے تکلیف کی تلخی کو چاٹ لیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص سچے دل سے اسکا یقین کئے ہوئے ہے کہ دنیا کی ہر تکلیف پر حق تعالیٰ کی طرف سے اجر مرحمت ہوگا اور ہر مصیبت صدمہ پر اسقدر ثواب عطا ہوگا جسکے مقابلہ میں اس عارضی تکلیف کی کچھ حقیقت نہیں ہے تو وہ تکلیفوں پر ضرور مسرور اور شاداں ہوگا۔ **تیسری** وجہ قضا پر راضی ہونیکی یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے معاملات میں عجیب عجیب رموز و اسرار مخفی ہیں اور ہر واقعہ عجیبہ و حادثہ جدیدہ میں ایک کیا بیسیوں لطائف مسطور ہیں جن پر آگاہ ہونا صاحبانِ بصیرت ہی کا منصب ہے پس ان مصلحتوں و لطیفوں پر نظر کرنیسے تکلیف تکلیف نہیں معلوم ہوتی بلکہ اس عالم فانی میں جو کچھ بھی ہورہا ہے اور جسکو جاہل و احمق شخص تشویش و اضطراب سمجھے ہوئے ہے اور تعجب کرتا ہے اسکو صاحبانِ بصیرت سمجھ جاتے ہیں کہ یہ تعجب ایسا ہی ہے جیسا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر علیہ السلام کیساتھ رہ کر ان واقعات کا تعجب ہوا تھا جس کا مفصل قصہ سورہ کہف میں مذکور ہے کہ دونوں ایک کشتی میں بیٹھے تو حضرت خضر نے کشتی کا ایک تختہ پھاڑ دیا موسیٰ کو تعجب ہوا تو اعتراض کرنے لگے کہ یہ زیادتی

رضا بر مصیبت دراصل میں محبتِ الٰہی کا اثر ہے۔

تکلیف کے انجام یعنی ثواب کی وقعت تکلیف کا احساس کم یا گم کردیا کرتی ہے۔

قضاو قدر کی حکمتیں اور اسرار سوچنے سے تکلیف کا اثر نہیں ہوتا۔

ٰ ۱ دونوں کے معنی ہیں خوش خوش ۱۲ منہ

کیوں کی؟ پھر آگے چلے تو حضرت خضر علیہ السّلام نے ایک نابالغ لڑکے کو مار ڈالا۔ اس پر بھی موسیٰ علیہ السّلام نے تعجب کر کے اعتراض کیا کہ معصوم بچہ کا خون کرنا کب جائز ہے؟ پھر آگے چلے اور ایک بستی میں پہنچے کہ وہاں کے رہنے والوں نے انکے کھانے تک کی خبر نہ لی صبح ہونے پر دونوں اس قصبہ میں نکلے ایک دیوار نظر پڑی جو جھکی کھڑی تھی حضرت خضر علیہ السّلام نے اسکو سیدھا کر دیا۔ موسیٰ علیہ السّلام کو پھر تعجب ہوا کہ ایسی بے مروت قوم کیساتھ جس نے مسافروں کے خورد و نوش کی بھی خبر نہ لی مفت احسان نہ کرنا چاہیے تھا۔ غرض جب تین مرتبہ اعتراض ہو چکا تب حسب قرارداد حضرت خضر علیہ السّلام سے مفارقت ہو گئی یہ ظاہر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا ان واقعات پر تعجب کرنا محض اسوجہ سے تھا کہ ان اسرار و رموز سے واقف نہ تھے جو ان واقعات میں مخفی تھے۔ چنانچہ جب خضر علیہ السّلام نے موسیٰ علیہ السّلام کو اس سے مطلع کر دیا کہ کشتی غریب ملاح کی تھی اور بادشاہِ وقت ظلماً صحیح و سالم کشتیوں کو ضبط کر رہا تھا لہذا میں نے اس کشتی کو عیب دار کر دیا تاکہ مسکینوں کی صورت معاش ضبط نہ ہو جائے۔ اور وہ نابالغ بچہ جسکو میں نے قتل کیا فطرۃً بددین پیدا ہوا تھا اور غالب اندیشہ تھا کہ بالغ ہو کر اپنے مسلمان ماں باپ کو گمراہ کریگا کہ وہ شفقتِ مادری و پدری کی وجہ سے اسکا خلاف نہ کر سکینگے لہذا اسکا کام تمام کر دیا تاکہ اسکی بدلہ میں صابر ماں باپ کو دوسری اولاد ملے جو صالح و سعید ہو اور ذریعۂ آخرت بنے۔ اور دیوار دو یتیم بچوں کی تھی جسکا نیک بخت باپ اس دیوار کے نیچے خزانہ دبا کر چھوڑ گیا اور اسکو خدا کے حوالہ کر مرا تھا لہذا اسکو میں نے سیدھا کر دیا تاکہ بالغ ہو کر اپنا مال قبضہ میں لائیں ورنہ دیوار گر جانے سے خزانہ ظاہر ہو کر حقدار وں کے علاوہ دوسروں کے ہاتھ نہ لگنے پائے۔ بس اسوقت موسیٰؑ کا تعجب رفع ہو گیا

اسی طرح ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ وہ جنگل میں رہتے تھے اور انھوں نے ایک گدھا پال رکھا تھا جس پر اسباب لادتے تھے اور ایک کتا رکھ چھوڑا تھا جو مکان کی حفاظت کیا کرتا تھا اور ایک مرغ پال رکھا تھا جو اذان دیکر صبح ہی سب کو جگا دیا کرتا تھا اتفاق کی کہ ایکدن لومڑی آئی اور مرغ کو پکڑ کر لے گئی۔ انکی بیوی رونے لگی کہ ہا مرغ جاتا رہا۔ شیخ فرمایا کہ "روؤ مت اسی میں بہتری ہوگی"۔ اسکے بعد بھیڑیا آیا اور گدھے کو مار گیا اسوقت بیوی پھر رنجیدہ ہوئی تو شیخ نے کہا کہ "اسی میں خیریت تھی رونے کی کوئی بات نہیں" اسکے بعد دفعتہً کتا مر گیا اور بیوی پھر غمگین ہوئی تو اسوقت شیخ نے پھر یہی فرمایا کہ "غم نہ کرو اسی میں بھلائی تھی" بار بار یہ سنکر بیوی کو تعجب ہوا کہ صریح نقصان ہو رہا ہے اور خاوند بھلائی بھلائی پکار رہا ہے۔ غرض صبح ہوئی تو دفعتہً غنیم کا ایک لشکر اس میدان میں لوٹنے کیلئے آپڑا اور جتنے بھی گھر والوں کا ان کو پتہ چلا سب کو لوٹ لیا اور بجز ان بزرگ اور انکی بیوی کے سب ہی کو گرفتار اور باندی غلام بنا کر لے گئے اور مکان کا پتہ نشان دشمنوں کی فوج کو اسی سے چلا کہ کسی کے دروازہ کا کتا آہٹ پاکر بھونکنے لگا اور کسی کا گدھا رینگ رہا تھا اور کسی کا مرغ اپنی بانگ بلند کر رہا تھا اُس وقت ان بزرگ نے اپنی بیوی سے کہا کہ دیکھا! اس بادیہ نشین قوم کی بربادی کا سبب آج یہی جانور بن گئے بس خدا کا کتنا فضل تھا کہ ہمارے تینوں جانور پہلے ہی مرگئے۔ اگر آج وہ زندہ ہوتے تو ہم بھی دوسروں کی طرح دشمن کے ہاتھوں میں گرفتار ہوتے۔

ایک نبی کسی پہاڑ کی کھو میں بیٹھے ہوئے عبادت کر رہے تھے اور پہاڑ کے قریب چشمہ تھا جس پر اکثر اوقات پیاسوں کی

آمد و رفت رہتی تھی۔ ایک مرتبہ ایک سوار آیا اور اُس نے نقدی کی ہمیانی تو کمر سے کھولکر زمین پر رکھدی اور پانی پینے لگا اس کے بعد وہاں سے چلا گیا اور تھیلی وہیں بھول گیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک اور شخص آیا اور تھیلی کو وہاں پڑا دیکھکر اُسکو اُٹھا لیا اور لیکر چلدیا اسکے بعد ایک غریب مزدور سر پر لکڑیوں کا گٹھا لادے ہوئے آیا اور گٹھا زمین پر ڈالکر آرام لینے کیلئے چشمہ کے کنارے بیٹھ گیا اتنے میں وہ سوار جسکی تھیلی رہ گئی تھی گھبرایا ہوا آیا اور تھیلی کو نہ پایا۔ ادھر اُدھر دیکھا جب کوئی آدمی نظر نہ آیا تو اس بیچارے مزدور کے سر ہوگیا۔ ہرچند اُس نے انکار کیا کہ میں نے تھیلی کو دیکھا بھی نہیں مگر سوار کو یقین نہ آیا یہانتک کہ اُس نے تلوار کو میان سے نکالا اور غریب مزدور کی گردن اُڑا دی اسکے بعد پشت پھیری اور چلا گیا یہ حال دیکھکر پیغمبر نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا کہ بار آلہا یہ ماجرا واقعہ بھی کتنا عجیب ہے کہ تھیلی کسی نے لی اور مارا گیا کوئی حکم ہوا کہ تم اپنا کام کرو تمھیں ہمارے ملکوتی اسرار میں دخل دینے کی حاجت نہیں۔ بات یہ ہے کہ اس مزدور نے اس سوار کے باپ کو مارا تھا لہذا آج اس کا قصاص لیا گیا کہ مقتول کے بیٹے نے اپنے باپ کے قاتل کو مار دیا اور اُس سوار کے باپ نے ایک مرتبہ اس شخص کے مال میں سے ایک ہزار دینار لے لئے تھے جو کہ تھیلی لے گیا ہے لہذا آج اسکی تلافی کی گئی کہ لینے والے شخص کی میراث میں سے ایک ہزار دینار کی تھیلی اسکو دلادی گئی۔ غرض مطلب یہ ہے کہ جو شخص اسرار تکوینیہ پر ایمان لائے ہوئے ہے وہ حق تعالیٰ کے احکام قضا و قدر پر ہرگز تعجب نہ کریگا بلکہ اپنے تعجب پر متعجب ہوگا کہ شاہنشاہی مصلحتوں کے راز نہ سمجھنے پر غلام کو تعجب کیوں ہوا؟

(فصل) شاید تم یہ کہو کہ کافر اور عاصی جو کفر و معصیت کر رہے ہیں وہ بھی خدا ہی کے حکم و ارادہ سے کر رہے ہیں تو اُن افعال پر راضی ہونے کے کیا معنی ہونگے جبکہ شریعت کا یہ حکم ہے کہ کفر پر راضی ہونا بھی کفر ہے اور کافر و عاصی کو مبغوض سمجھنا البغض فی اللہ میں داخل ہے جو شرعاً محمود ہے اسلئے ہم تم کو رضا بر قضا کا مطلب سمجھاتے ہیں تاکہ خلجان باقی نہ رہے یاد رکھو کہ امر بالمعروف فرض ہے اور اسکا چھوڑنا رضا بر قضا نہیں کہلایا جاتا۔ کیونکہ رضا اور کراہت ایک دوسرے کی ضد ہیں اور دو متضاد چیزیں ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتیں۔ ظاہر ہے کہ جس کام کو تم ناگوار اور برا سمجھوگے اسکی نصیحت ضرور کروگے اور جسکو اچھا سمجھوگے ضرور اُس سے خوش ہوؤگے اور ناگواری و خوشی دونوں ایک کام پر ایک حیثیت سے ہرگز نہیں ہوسکتیں البتہ دو اعتبار سے ہوسکتی ہیں مثلاً ایک شخص تمھارا دشمن ہو اور تمھارے دشمن کا بھی دشمن ہو تو اُس کو قتل کرنا اس اعتبار سے گوارا اور پسندیدہ ہوگا کہ وہ تمھارا دشمن ہے مگر اس اعتبار سے ناگوار و ناپسند ہوگا کہ وہ تمھارے دشمن کا بھی دشمن ہے کیونکہ دشمن کے دشمن کی زندگی مطلوب ہوتی ہے تاکہ وہ اپنی دشمنی کی وجہ سے تمھارے دشمن کو نقصان پہنچاتا ہے اسی طرح کفر و معصیت میں بھی دو حیثیتیں ہیں یا تو ایک یہ کہ وہ حق تعالیٰ کے ارادہ اور مشیت سے ہے کیونکہ خدا کے حکم بغیر ذرہ بھی نہیں ہل سکتا۔ پس اس اعتبار سے تو اُسکو قضا اور تقدیر کہتے ہیں اور اس حیثیت سے اس پر ناگواری بھی نہ ہونی چاہئے بلکہ رضا ہونی چاہئے کہ حق تعالیٰ کا جو کام بھی ہے وہ مصلحت سے ہے البتہ اسی معصیت میں دوسری حیثیت یہ ہے کہ کفر و معصیت کافر اور عاصی شخص کا عمل اور کسب ہے اور حق تعالیٰ کے دشمن اور نافرمان ہونے کی علامت ہے پس اس اعتبار سے بیشک ناگواری و بغض

لہ عالم وجود میں لانیکے راز ۱۲

ہونا چاہیے کیونکہ حق تعالیٰ نے تم کو حکم دیا ہے کہ جس بندہ پر ہماری مخالفت کی علامتیں دیکھا کرو اُس سے بغض رکھا کرو۔ پس خدا کے حکم کی تعمیل کرنا اور کافر سے بغض رکھنا بھی حق تعالیٰ کے حکم پر راضی ہونا ہوا اس کی مثال ایسی سمجھو کہ مثلاً تمہارا پیارا معشوق تم سے کہے کہ میں تمہارے عشق و محبت کا امتحان لونگا اور اپنے غلام کو مجبور کرونگا کہ وہ مجھکو گالی دے اور پھر اُس کو مارونگا کہ مجھے گالی کیوں دی تو جو شخص میرے اس غلام سے بغض رکھے گا اُسکو اپنا محب اور عاشق صادق سمجھونگا اور جو اس سے محبت کریگا میں اُسکو اپنا دشمن سمجھونگا۔ اب فرض کرو کہ ایسا ہی ہوا یعنی غلام نے تمہارے سامنے محبوب کو گالی دی اب تم ہی بتاؤ کہ اس غلام سے تم محبت رکھوگے یا بغض و عداوت اور جسوقت اُسکی زبان سے محبوب کو گالیاں دیتے ہوئے سنوگے تو راضی ہوؤگے یا ناراض؟ ظاہر بات ہے کہ گالیاں تو اس وجہ سے ناگوار ہی گذرینگی کہ ان سے تمہارے محبوب کی عزت کی ہتک ہوتی ہے اور کسی شخص کا ایسا کرنا تمہارے معشوق کے دشمن ہونیکی علامت ہے، اور محبوب کا دشمن کہ جس پر دشمنی کی علامتیں بھی موجود ہوں بیشک بغض اور عداوت ہی کے قابل ہے مگر اس اعتبار سے کہ یہ تمہارے ہی محبوب کی تدبیر سابق کے موافق ظہور ہو رہا ہے کیونکہ جو کچھ غلام سے صادر ہوا ہے وہ محبوب ہی کے ارادہ اور قصد سے صادر ہوا ہے کچھ بھی ناگواری نہ ہوگی۔ بلکہ محبوب کی قدرت کا یقین ہوگا کہ اس نے اپنے غلاموں سے جو کام بھی لینا چاہا وہ لے لیا حتیٰ کہ اپنی محسن ذات کیلئے اپنے ادنیٰ غلاموں کی زبان سے گالیاں نکلوانی چاہیں تو اسمیں بھی کسی کو سرتابی اور حکم کی مخالفت و عصیان کی مجال نہ ہوئی اسی طرح کافر کا کفر سمجھو کہ چونکہ حق تعالیٰ ہی کے ارادہ اور مشیت سے ہو رہا ہے لہذا اس اعتبار سے تو ناگوار گذرنیکا سبب ہو نہیں سکتا مگر اسکے ساتھ ہی چونکہ خدا کی رضامندی اس پر نہیں ہے بلکہ کفر کرنا خدا کے دشمن اور مبغوض ہونیکی علامت ہے، لہذا اس اعتبار سے بندہ کا کفر کرنا ضرور ناگوار گذریگا اسی وجہ سے اسکو نصیحت بھی کیجاتی ہے اور تبلیغ حق بھی کیا جاتا ہے کیونکہ اپنے حقیقی محبوب کا دشمن اپنا ہی دشمن معلوم ہوا کرتا ہے اسی طرح رضا بر قضا کے یہ معنی بھی نہیں ہیں کہ دعا مانگنا بھی چھوڑ دو اور تیر انداز نے جو تیر تمہاری طرف پھینکا ہے باوجودیکہ اُسکو ڈھال پر روک سکتے ہو مگر پھر اسکو نہ روکو اور اپنے بدن پر لگنے دو اور یوں سمجھو کہ قضا پر راضی رہنا چاہیے ایسا سمجھنا بھی جہالت اور خام خیالی ہے کیونکہ دعا مانگنے اور شر سے حفاظت تدبیر کرنیکا تو شرعاً حکم ہے اور محبوب کے حکم سے سرتابی نہیں ہوسکتی لہذا یہاں رضا بر قضا کے معنی یہی ہیں کہ حق تعالیٰ نے کسی شے کے حاصل ہونے کیلئے جو اسباب مقرر فرمائے ہیں اُنکو اختیار کرو تاکہ محبوب تم کو اپنے انتظام کا پابند دیکھکر تم سے راضی ہو اور اگر اسباب کا اختیار کرنا چھوڑ دوگے تو محبوب کے مخالف اور رضا محبوب کے دشمن کہلاؤ گے مثلاً کوئی پیاسا آدمی پانی پائے مگر اُسکی جانب ہاتھ نہ بڑھائے اور یوں گمان کرے کہ میں تو پیاس پر راضی ہوں کیونکہ پیاس حق تعالیٰ کے حکم اور قضا و قدر سے ہے اور قضا پر راضی رہنا چاہیے تو یہ شخص بیوقوف کہلائیگا اور اسکو سمجھایا جائیگا کہ کیا تو حق تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے اسباب اور عادات جاریہ میں رخنہ ڈالتا ہے؟ یا حدود شریعت سے باہر نکلنا چاہتا ہے تو نے جو کچھ سمجھا ہے یہ تو رضا کی ہرگز معنی نہیں ہیں۔ رضا کی تو فقط یہ معنی ہیں کہ حق تعالیٰ پر ظاہر و باطن اور زبان یا دل دونوں سے کوئی بھی کسی حالت پر اعتراض نہ کرے اور اُسکے ساتھ ہی اس کے حکم کی تعمیل بھی ہو اور جو انتظام اُس نے عالم کے لئے تجویز فرما دیا ہے

اس سے بھی باہر نکلے۔ بلکہ شرعی احکام کا پورا پابند ہو اور جس طرح حق تعالیٰ کی مرضی ہو اسکے حاصل کرنے میں اپنی طرف سے کوئی ایجاد نہ کرے۔ مثلاً جب دعا کا حکم ہوا ہے تو ضرور ہے کہ اسکی تعمیل ہو تاکہ خشوع و خضوع اور قلب میں رقت کا اثر آئے اور وہ لیاقت و استعداد حاصل ہو جسکی وجہ سے قلب پر انوار و تجلیات کا ورود ہو سکے اسی طرح اسباب کو بھی اختیار کیا جاتا ہے تاکہ مسبب حاصل ہو لیکن اگر سبب کے بعد بھی مسبب حاصل نہ ہو تو نہ کوئی خلجان پیدا ہونا چاہیئے اور نہ رنجیدہ ہونا چاہیئے بلکہ راضی رہے اور یوں سمجھے کہ سبب فی الحقیقت مؤثر تھا ہی نہیں اور حق تعالیٰ کا ارادہ یوں تھا کہ یہ سبب مجھکو حاصل نہ ہو پس قضا و قدر خداوندی پر مجھکو راضی رہنا چاہیئے لہٰذا اگر وہ شے باوجود وسائل و اسباب اختیار کرنیکے بھی مجھے حاصل نہیں ہوئی تو یہ میرے حزن و غم یا شکوہ و شکایت کا باعث نہیں ہو سکتا۔

دسویں اصل فکر موت کا بیان

یہ نو مقامات جنکا ہم ذکر کر چکے ہیں سب ایک مرتبہ میں نہیں ہیں بلکہ ان میں سے بعض تو مقصود بالذات ہیں[1] جیسے مقام رضا و محبت اور بعض مقصود بالغیر ہیں[2] مثلاً توبہ و خوف اور صبر و زہد کیونکہ مقصود در حقیقت قرب خداوندی ہے اور یہ تمام مقامات راہ قرب کے معین ہیں خود قرب نہیں ہیں کیونکہ قرب تو معرفت اور محبت سے حاصل ہوتا ہے اور معرفت و محبت کبھی حاصل نہیں ہو سکتی جبتک کہ غیر اللہ کی محبت قطع نہ کر دی جائے اور غیر اللہ کی محبت خوف و صبر اور زہد و توبہ ہی کے ذریعہ سے قطع ہو سکتی ہے لہٰذا انکی بھی ضرورت ہوئی اور چونکہ منجملہ ان امور کے جنسے قرب حق میں اعانت حاصل ہوتی ہے موت کا یاد رکھنا بھی ہے لہٰذا اسکا تذکرہ کرنا بھی مناسب ہوا کیونکہ موت کے ذکر سے دنیا کی محبت قلب سے جاتی رہتی ہے اور جب یہ علاقہ قطع ہو گا تو حق تعالیٰ کی محبت حاصل ہو گی۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ "موت جس سے تم بھاگتے ہو وہ ضرور تم سے ملکر رہیگی" رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ[3] "لذتوں کی توڑنیوالی چیز یعنی موت کا کثرت سے ذکر کیا کرو" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں[4] کہ "میں نے ایک مرتبہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ حشر کے دن شہدا کیساتھ اور کوئی بھی اُٹھے گا؟" آپ نے فرمایا کہ "ہاں وہ شخص جو رات دن میں بیس[5] مرتبہ موت کو یاد کر لیتا ہو" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[6] کہ "موت کے برابر کوئی واعظ نہیں ہے" یعنی نصیحت کرنیکو تو موت ہی کافی ہے اور اگر جانوروں کو موت کا اتنا علم ہو جتنا کہ بنی آدم کو ہے تو کوئی جانور فربہ کھانیکو نہ ملے ہم تم میں دو واعظ چھوڑے جاتا ہوں ایک واعظ ساکت[7] یعنی موت اور دوسرا واعظ ناطق[8] یعنی قرآن مجید۔ موت بڑی ہولناک چیز ہے اور موت کے بعد کے واقعات اس سے زیادہ خوفناک ہیں اور انکا ذکر کرنا اور یاد رکھنا دنیا کو منغص[9] بناتا اور اس دار ناپائدار کی محبت کو دل سے نکال لیتا ہے اور دنیا کی محبت ہی ہر گناہ کی جڑ بنیاد ہے پس جب دنیا سے قلب کو نفرت ہو گئی تو سب کچھ مل گیا اور دنیا سے نفرت اُسوقت ہو گی جبکہ موت کا فکر اور خیال ہو گا کہ عنقریب ہم پر کیا آفت آنیوالی ہے اور فکر کا طریقہ یہ ہے کہ کسی وقت خلوت میں بیٹھکر سارے خیالات کو دل سے نکالدو اور قلب کو بالکل خالی کرکے توجہ اور عزم[10] کیساتھ موت کا دھیان کرو۔ اول اپنے ان دوستوں اور عزیز و اقارب کا تصور کرو جو دنیا سے گذر گئے اور انکے بعد دیکھے ایک ایک کا

ف خود ہی مقصود ہیں کسی اور کی وجہ سے نہیں ۱۲ ؎ خود نہیں کسی اور شے کی وجہ سے مقصود ہو گئی ہیں ۱۲ ؎ ترمذی وحاکم۔ صحیح ۱۲ ؎ طبرانی مگر روایت عمار کی صحیح ہے اور یہ عائشہ رضی اللہ عنہا والی صحیح نہیں ۱۲ ؎ طبرانی ۱۲ ؎ بیہقی ۱۲ ؎ بولنے والا نہیں ۱۲ ؎ خاموش ۱۲ ؎ گویا ۱۲ ؎ مکدر ۱۲ ؎

فکرِ موت کا طریق اور تصور کی کیفیت۔

دھیان کرتے جاؤ کہ یہ صورتیں کہاں چلی گئیں؟ یہ لوگ کیسی کیسی اُمیدیں اپنے ساتھ لیگئے؟ حرصِ امل نے ان بیچاروں کو کتنا زور دکھایا؟ جاہ و مال کی کیا کچھ تمنائیں اور آرزوئیں انکے دلوں میں تھیں مگر آج وہ سب خاک میں ملگئے اور منوں مٹی کے نیچے دبے پڑے ہیں کوئی شخص اُن کا کبھی نام بھی نہیں لیتا۔ اسکے بعد مرنیوالوں کے بدن اور جسم کا دھیان کرو کہ کیسے حسین اور نازک بدن تھے مگر اب پارہ پارہ ہوگئے۔ گل گئے سڑ گئے پھٹ گئے اور کیڑے مکوڑوں کی غذا بن گئے۔ اسکے بعد انکے اعضا اور جوارح میں سے ایک ایک عضو کا دھیان کرو کہ وہ زبان کیا ہوئی جو کسی وقت چُپ ہونا جانتی ہی نہیں تھی؟ وہ ہاتھ کہاں گئے جو حرکت کیا کرتے تھے؟ دیکھنے والی آنکھیں اور اُنکے خوبصورت حلقے کس کیڑے کی خوراک بنگئے؟ غرض اس طرح پر دھیان کروگے تو سعید بنجاؤ گے کیونکہ رسولِ مقبول صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "سعید وہ ہے جو دوسروں سے نصیحت حاصل کرے" افسوس کہ ہم موت جیسی ہولناک چیز سے غافل ہیں۔ اس مین پر کہ جسکو ہم پاؤں سے روندتے ہیں ہم سے پہلے سیکڑوں آئے اور چلدیے مگر ہم سمجھتے ہیں کہ ہمیشہ یہیں رہینگے موت کا خطرناک سفر درپیش ہے مگر ہمیں کچھ پروا نہیں۔ اسقدر غفلت طولِ امل نے پیدا کر رکھی ہے اگر یہ جہالت دفع ہو تو موت کا دھیان آئے اسی لئے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضؓ کو نصیحت فرمائی تھی کہ "صبح ہو تو شام کا فکر نہ کرو اور شام ہو تو صبح کا خیال نہ لاؤ اور دنیا میں آئے ہو تو زندگی میں موت کا سامان اور تندرستی میں مرض کا فکر کرو۔ کیونکہ اے عبد اللہ کیا خبر ہے کل کو تمھارا کیا نام ہوگا یعنی زندہ ہوگا یا مُردہ؟ جس شے کے آنیکا کوئی وقت مقرر نہیں اُسکی فکر تو ہر وقت ہونی چاہیے۔ پس اپنی امیدوں پر خاک ڈالو اور آرزوؤں کو بڑھنے نہ دو۔ خدا جانے گھنٹہ بھر بعد کیا ہوتا ہے" حضرت اُسامہ رضؓ نے سو دینار میں دو مہینہ کے وعدہ پر ایک کنیز خریدی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اُسامہ کی حالت پر تعجب کرو کہ زندگی کا بھروسہ ایک دن کا بھی نہیں اور دو مہینہ کے وعدہ پر کنیز خریدی ہے طولِ امل ہے خدا کی قسم ہے کہ میں نوالہ مُنہ میں رکھتا ہوں اور یقین نہیں ہے کہ نوالہ حلق سے نیچے اُتریگا؟ ممکن ہے کہ نوالہ کے کھاتے ہی اُچھو پڑجائے پھندا لگ جائے اور دم نکل جائے۔ لوگو اگر تمھیں عقل ہو تو اپنے آپکو مُردوں میں شمار کرو۔ قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے کہ جو کچھ وعدہ کیا گیا ہے وہ ضرور آنیوالا ہے اور جو آنیوالا ہے وہ بہت قریب ہے اگر تم کو جنت میں داخل ہونیکی خواہش ہو تو دنیا کی لاطائل امیدوں کو کم کرو اور موت کو ہر وقت پیشِ نظر رکھو۔ اور اللہ سے شرماؤ جیسا کہ شرمانے کا حق ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ جنت میں داخل ہو جاؤ گے"

طولِ امل سے بچو اور موت کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھو۔

خاتمہ

جو کچھ ابتک ہمنے بیان کیا ہے اُس میں ہم تم کو بیدار اور متنبہ کر چکے اور اللہ کی جانب چلنے کا شوق دلاچکے پس اگر اب بھی کان نہ لگاؤگے یا ایسا سُنوگے جیسا کہ قصے کہانیاں سُنا کرتے ہو تو اپنا ہی کچھ کھوؤگے کسی کا کیا نقصان کروگے حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ "اس سے زیادہ ظالم کون جسکو پروردگار کی آیتوں سے نصیحت کی گئی اور اُسنے منھ پھیر لیا اور بھول گیا کہ فرداے قیامت کیلئے کیا بھیجا؟" اور اگر توجہ کیساتھ سُنوگے اور دل سے کان لگاؤگے تو بیشک نفع پاؤگے اور جو چیز ہی صراطِ مستقیم

لہ اس حدیث کو شاہ ولی اللہؒ نے اربعین میں لیا ہے ۱۲ سے ترمذی ۱۲ سے ابن ابی الدنیا ۱۲

سے روکے ہوئے ہیں اُن کو چھوڑ دوگے۔ یاد رکھو کہ سلوک سے روکنے والی بڑی چیز صرف دنیا کی محبت ہے اسی نے خدا کی طرف سے غفلت پیدا کر رکھی ہے اور کبھی قیامت اور محشر کو یاد نہیں آنے دیتی۔ لہذا اگر روزانہ صبح کی نماز کے بعد جو کہ صفائی ذہن اور معدہ کے خالی ہونیکا وقت ہے چند منٹ تنہا بیٹھکر اپنی حالت میں غور کیا کرو اور ابتدا و انتہا و مبدأ[1] و معاد کو سوچا کرو اور نفس سے حساب لیا کرو تو بہت نفع ہو اور اسکی صورت یہ ہے کہ نفس کو خطاب کر کے کہا کرو کہ اے نفس میں مسافر تاجر ہوں ابدی سعادت اور اللہ جل جلالہ کا قرب میرا منافعہ ہے اور دائمی بدبختی اور حق تعالیٰ سے حجاب میرا خسارہ ہے اور میری عمر میرا راس المال ہے کہ ہر سانس ایک بیش قیمت جواہر اور گویا بھرپور خزانہ ہے جس سے ابدی سعادت حاصل ہو سکتی ہے اور جب عمر پوری ہو گئی تو تجارت ختم ہو جائیگی اور مایوس ہونا پڑیگا۔ آج کا دن میری تجارت کا ہے اور حق تعالیٰ نے مجھے فرصت دی ہے کہ اگر چاہوں تو تجارت میں نفع اٹھاؤں اگر حق تعالیٰ مجھے دنیا سے اٹھا لیتا تو میں خواہش کرتا کہ کاش دنیا میں لوٹا دیا جاؤں اور ایک دن مجھے نصیب ہو جائے کہ کوئی نیک عمل کر لوں۔ اے نفس وہ دن آج کا ہے جو تجھ کو خدا کی طرف سے مہلت کا عطا ہوا ہے۔ اب تو اپنا وعدہ پورا کر اور دیکھ کہ کیا کر رہا ہے؟ اگر اس مہلت کو تو نے غنیمت سمجھا اور آج کا کام کل پر نہ رکھا تو آج کی تجارت کا منافعہ تجھ کو ملگیا اور حسرت نہ ہوئی اور اگر تو کل بھی زندہ رہے تو پھر یہی خیال کر غرض جبتک زندہ ہے اسوقت تک ہر دن کو نیا سمجھ اور خدا کے عفو سے دھوکا مت کھا کیونکہ یہ تیرا گمان ہی گمان ہے ممکن ہے کہ غلط نکلے۔ حق تعالیٰ کی معافی کچھ ضروری یا تیرا فرض نہیں ہے جس کا مطالبہ اور ایفاء ادا لازمی ہو۔ اور اگر معافی ہوئی تب بھی نیکو کار بندوں کے ثواب سے تو محروم ہی رہیگا اور مرے پیچھے اگر حسرت کریگا تو اس سے کیا نفع ہوگا؟ جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا اور ضائع گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں۔ ایک ایک سانس غنیمت اور بے بہا موتی ہے اگر اسکے بعد نفس پوچھے کہ اچھا بتاؤ کیا عمل کروں اور کیونکر وقت کی قدر کروں؟ تو اُس کو جواب دے کہ جو چیز موت کی وجہ سے جُدا ہو جانیوالی ہے اسکو چھوڑ دے اور جو شے پائدار ہے اور کسی وقت بھی تیرا ساتھ نہ چھوڑیگی اُس پر قبضہ کر یعنی اللہ جل جلالہ کی معرفت حاصل کر اور خدا کی یاد سے مانوس ہو۔ پھر اگر نفس کہے کہ بھلا دنیا کس طرح چھوٹ سکتی ہے؟ اسکے علاقے تو قلب میں مضبوط و مستحکم ہو گئے اور انکا ٹوٹنا دشوار ہے تو اسکو جواب دے کہ قلب ہی کی اندر سے دنیا کے علاقے کاٹ دے اور تلاش کر کہ دنیا کا کونسا علاقہ مستحکم ہے پس اُسی کی اول جڑ کاٹ یعنی اگر مال کی محبت زیادہ ہے تو اسکو نکال اور جاہ کی طلب قوی ہے تو اسکو چھوڑ۔ دسوں مہلک امراض کی تشریح اور علاج بیان ہو چکا ہے انکو دیکھ اور خدا کے فضل و کرم پر بھروسہ رکھکر مستعد ہو جا کمر باندھ آمادہ ہو اور جس چیز کی نفس کو خواہش ہو اُسکے خلاف کر پھر دیکھ کہ خلاصی ملتی ہے یا نہیں؟

اے نفس تو بیمار ہے اور عمر تیرے پرہیز کا زمانہ ہے اور روحانی حاذق طبیب یعنی پیغمبر نے جنکی راستی و سچائی سے تو بھی آگاہ ہے یوں فرمایا ہے کہ ذائقہ اور لذتیں تجھ کو مضر ہیں اور کڑوی دوائیں تیرے لئے نافع اور مفید ہیں کیا تجھ سے سفر کی مصیبتیں اس امید پر برداشت نہیں ہو سکتیں کہ منزل پر پہنچکر آرام نصیب ہوگا۔ پس اگر راستہ کی تکلیف سے اُکتاتا ہے تو یاد رکھو کہ قافلہ نکل جائیگا اور تو جنگل میں پڑا رہیگا کہ یا تو کوئی درندہ تجھ کو پھاڑ کھائیگا اور یا یونہیں بھٹکتا ہوا ہلاک ہو جائیگا۔ اے نفس بتا تو

اصلاح قلب سے روکنے والی بڑی چیز صرف محبت دنیا کی ہے۔

محاسبۂ نفس اور مراقبہ کی کیفیت۔

[1] ابتدا و انتہا ۱۲ علہ پونجی جس سے تجارت شروع کی جائے ۱۲۔

ہی کہ تجھے دنیا میں کس چیز سے رغبت ہے؟ پس اگر تو مال چاہتا ہے تو مان لے کہ اچھا وہ مل بھی گیا اور تو بڑا مالدار اور متمول سیٹھ بھی بنگیا مگر پھر کیا؟ اگر تو نظر اٹھا کر دیکھے گا تو بہتیرے یہودی اور عیسائی ایسے ملیں گے جن کے پاس تجھ سے زیادہ مال موجود ہوگا اور تو عزت اور جاہ کا طلبگار ہے تو اچھا فرض کرے کہ یہ طلب اپنے ٹھکانے لگی اور تجھے عزت وجاہ حاصل بھی ہوا مگر اس کا انجام اور حاصل کیا ہے؟ اگر آنکھیں کھولکر دیکھے گا تو سیکڑوں احمق وجاہل کافر اور اللہ کے نافرمان اور ذلیل اور کمینے بندوں کو ایسے حال میں دیکھیگا کہ انکی عزت دنیا میں تجھ سے بھی زیادہ ہو رہی ہے ان میں بہتیرے لوگ ایسے منصب حکومت اور مسند جلال و سطوت پر بیٹھے نظر آئیں گے جو تجھ کو بھی قید کرکے جیلخانے پہنچا سکتے ہیں پس اے نفس اگر تو ان آفتوں اور مصیبتوں سے نہیں گھبراتا جو عزت وجاہ کو حاصل کرنے میں اٹھانی پڑتی ہیں اور ان بلاؤں سے بھی نہیں ڈرتا جو عزت حاصل ہونے پیچھے سر پر پڑا کرتی ہیں تو ان ذلیل اور کمینے شریکوں ہی کا خیال کر کہ کیسے کمتر لوگوں کا ساجھی ہونا چاہتا ہے؟ کیا ایسی بے وقعت اور حقیر چیز بھی حاصل کرنے کے قابل ہے جسکو ہر خسیس سے خسیس اور رذیل سے رذیل شخص بھی حاصل کر سکتا بلکہ حاصل کئے ہوئے ہے اور اتنی مقدار حاصل کئے ہوئے ہے کہ اگر تو پچاس برس بھی کوشش کریگا تو تجھ کو نصیب نہ ہوگا اور اے نفس اگر تو دنیا سے اعراض کرکے آخرت کی جانب متوجہ ہوگا تو یاد رکھ کہ یگانۂ روزگار اور یکتائے زمانہ بن جائیگا تیرا ثانی ہفت اقلیم میں بھی نہ مل سکیگا پس اے نفس اب تو ہی بتا کہ کیا چیز حاصل کرنیکے قابل ہے؟ اے نفس خوب یاد رکھ کہ تجھ سے زیادہ تیرا خیرخواہ کوئی نہیں ہے تو کسی کے کہنے اور سننے پر نہ جا بلکہ دنیا اور دین دونوں کے انجام اور نتیجہ میں خود غور کرکے جواب دے کہ تیری رغبت کس چیز میں ہے؟ اسی طرح اگر تم اپنے نفس سے مناظرہ اور مباحثہ کرتے رہوگے تو ایک دن یہ نفس تمہارا مطیع بن جائیگا اور تم کو راہ مستقیم پر لے چلیگا۔ پس اگر تم عقلمند ہو تو سمجھ لو کہ نفس کیساتھ مباحثہ کرنا بدعتیوں اور معتزلہ بلکہ دنیا بھر کے تمام مذاہب باطلہ کیساتھ مناظرہ کرنیکی بہ نسبت زیادہ ضروری اور مہتم بالشان ہے کیونکہ دوسروں کی غلطیاں اور خطائیں تمھیں کچھ بھی نقصان پہنچانیوالی نہیں ہیں مگر اپنی خطا و غلطی کا ضرر اپنے ہی اوپر وبال ہے کہ اسکا بھگتان تم ہی کو بھگتنا ہے پس پہلو میں بیٹھے ہوئے عدو اور خون کے پیاسے دشمن کو سب سے پہلے قتل کرنا چاہئے اور جب اس سے نجات ملکر اطمینان حاصل ہوجائے تب دوسروں کی خبر لینی مناسب ہے کہ اس دشمن کی کبھی توجہ نہیں ہوتی بلکہ یہ جو کچھ بھی مانگتا ہے وہی اسکو دیا جاتا ہے اور جو بھی یہ حکم دیتا ہے فوراً اسکی تعمیل کی جاتی ہے۔ اسکی درخواستوں کے منظور اور خواہشوں کے پورا کرنے میں غور و فکر عقل کے گھوڑے دوڑائے جاتے ہیں اور حیلوں اور تدبیروں سے کام لیا جاتا ہے۔ بھلا سوچو تو سہی اگر کوئی شخص اپنے دامن کے نیچے ایک زہریلا کالا سانپ چھپائے بیٹھا ہو تو جو پھنکارے مار رہا ہو اور اس کے ڈسنے اور ہلاک کرنے کی ٹوہ میں لگا ہوا ہو مگر یہ شخص اس کی تو پرواہ نہ کرے اور دوسرے شخص کے منھ سے مکھیاں اڑانے اور پنکھا جھلنے میں مشغول ہے تو اس سے زیادہ احمق اور بیوقوف کون ہو سکتا ہے؟ یہی تمہارا حال ہے کہ دوسروں کیساتھ مباحثہ کرنے اور غیروں کو سیدھے رستہ پر لانے کی فکر میں سرگرم ہو مگر اپنے نفس امارہ کے ساتھ مناظرہ کرنے اور اس تباہ

اپنے نفس سے مباحثہ کرنا باطل فرقوں سے مناظرہ کرنے سے زیادہ ضروری ہے

کرنے والے شریر دشمن دین وایمان کو زیر کرنے کی جانب مطلق توجہ نہیں کرتے خوب سمجھ لو کہ جب تک نفس کے ساتھ ایک عرصۂ دراز تک اس طرح مباحثہ نہ رکھوگے اُس وقت تک یہ کبھی سیدھا نہ ہوگا اور جب تک یہ سیدھا نہ ہوگا اُسوقت تک نہ تم سے اللہ کی یاد ہو سکے گی اور نہ مناجات میں لذت آئیگی نہ سلوک کی طرف توجہ ہوگی اور نہ صراطِ مستقیم پر چلنے کی فکر ہوگی لہذا اس مناظرہ کو اپنے اوپر واجب و فرض سمجھو اور اکثر اوقات نفس کے ساتھ یہ مباحثہ شروع کردیا کرو اور جب نفس تمھاری مخالفت کرے تو اُسکو ڈانٹو جھڑکو اور ایسی سزا دو جو کارگر اور بااثر ہو کیونکہ نفس کی خاصیت کُتّے کی سی ہے کہ جبتک مار نہ کھائیگا اُسوقت تک ادب نہ پائیگا۔ پھر اگر تم کو نفس کے ساتھ مناظرہ کرنے اور محاسبہ لینے یا نفس کو ڈانٹنے اور سزا دینے کا طریقہ معلوم کرنے کی خواہش ہو تو احیاء العلوم کی کتاب المحاسبہ والمراقبہ دیکھو کہ اس مختصر کتاب میں ان ابواب کے بیان کرنے کی گنجایش نہیں ہے۔ اب دعا کرو کہ حق تعالیٰ شانہ اپنے محبوب سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے مجھے اور تمھیں اپنی بیشمار عطاؤں سے ڈھانپ لے اور کرم وفضل فرمائے جن باتوں کا اُس نے ہم کو علم عطا فرمایا ہے اُس پر عمل کی توفیق بخشے اور جو کچھ ہم نے پڑھا یا سُنا ہے اس کو حال بنادے کہ اصل کیفیت ہم اپنے نفس پر گذرتی ہوئی دیکھ لیں۔ آمین یا رب العٰلمین +

تمت

الحمد للہ کہ ترجمہ ثلاثین پر نظر ثانی ہو کر اسکی اصلاح تام ہوگئی۔ مترجم کی درخواست ہے کہ برادرانِ اسلام میں جو صاحب بھی اس سے مستفیض ہوں اور کسی درجہ میں نفع اُٹھائیں وہ مترجم کیلئے دعا فرمائیں کہ اللہ سبحانہٗ کی رضا اور محبت نصیب ہو اور ذلت وعزت کے آخری فیصلہ کے دن اسکی نام کی عزت باقی اور قائم رہے دنیا میں اتباعِ سنتِ نبویہ اور خدمتِ شریعت محمدیہ کی توفیق ہو اور آخرت میں جوارِ رحمت الٰہیہ اور نظارۂ جمالِ قدسیہ کا کیف نصیب ہو آمین آمین بحرمۃ سید المرسلین۔ واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ محمد واٰلہٖ واصحابہٖ اجمعین

بندۂ ضعیف محمد عاشق الٰہی عمادی زبیری (مولوی فاضل) میرٹھ شہر

۷۸۶

کتب خانہ رحیمیہ دیوبند ضلع سہارنپور (یوپی)

جو ایک عرصہ سے مسلمانوں کی علمی مذہبی خدمات انجام دے رہا ہے اُس میں ہر قسم کی درسی غیر درسی دینی کتب ہر وقت کثیر تعداد میں موجود رہتی ہیں۔ بحمد اللہ تعالیٰ اپنی مطبوعات کا سلسلہ بھی کافی وسیع ہو چکا ہے۔ اس کتب خانہ کا مایۂ امتیاز عمدہ کتب کا انتہائی رعایت پر فروخت کرنا ہے آپ بھی کم از کم ایک مرتبہ آرڈر بھیجکر تجربہ فرماویں۔ وما علینا الا البلاغ +

(مولوی) محمد اسحاق مدیر کتب خانہ رحیمیہ دیوبند ضلع سہارنپور (یوپی)

نفس کی خاصیت کتے کی سی ہے کہ مار کھائے بغیر سیدھا نہیں ہوتا۔